بُرہانُ التنزیل

دو سو عقلی دلائل سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت
اپنے موضوع پر منفرد کتاب، جو ایک عرصہ سے نایاب تھی

حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
استاذ دارالعلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات
۱۹۰ - انار کلی ○ لاہور

چوں روزِ محشر ہر کسے در دست دارد نامۂ
من نیز حاضر میشوم برہانِ قرآن در بغل

برہان التنزیل

دو سو عقلی دلائل سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت
اپنے موضوع پر منفرد کتاب، جو ایک عرصہ سے نایاب تھی

حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
استاذ دارالعلوم دیوبند

ادارۂ اسلامیات
۱۹۰ - انارکلی ○ لاہور

پہلی بار عکسی طباعت : شعبان ۱۴۱۰ھ

: فروری ۱۹۹۰ء

باہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمان

ناشر : ادارہ اسلامیات، لاہور

مطبع :

قیمت : ۶۰ روپے مجلد ڈائیدار

ادارۂ اسلامیات

☆ ۱۹۰۔ انارکلی لاہور۔ پاکستان ☆ ۵ دیناناتھ مینشن مال روڈ لاہور ☆ ارجن بلڈنگ موہن روڈ

۷۳۵۳۲۵۵۔۷۲۲۳۹۹۱ فون ۷۳۲۴۴۱۲ چوک اردو بازار کراچی

فیکس ۷۳۲۴۷۸۵۔۴۲۔۹۲ ۷۷۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی، لاہور

دارالاشاعت، اردو بازار۔ کراچی ۱

ادارۃ المعارف ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم۔ دارالعلوم کراچی ۱۴

فہرست مضامین

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تعارف

نام	:	حضرت مولانا محمد مسلم عثمانیؒ
ولدیت	:	مولانا محمد اکرم عثمانی
تاریخ پیدائش	:	۱۸۹۴ء بمقام دیوبند ضلع سہارنپور۔ انڈیا
تاریخ وفات	:	۱۹۵۰ء بمقام پرانی انارکلی لاہور۔ پاکستان
تعلیم	:	فاضل دارالعلوم دیوبند۔ مستند طبیہ کالج لکھنؤ
پیر و مرشد	:	حضرت شیخ فضل علی شاہ نقشبندی۔ مسکین پور۔ تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ
مشہور اساتذہ	:	حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ
خدمات	:	درج ذیل مدرسوں میں درس و تدریس کا کام سرانجام دیا:

۱۹۲۴ء	۱۹۲۱ء	مدرسہ معین السلام انبالہ چھاؤنی
۱۹۲۸ء	۱۹۲۴ء	مدرسہ فیروز پور
۱۹۴۴ء	۱۹۲۸ء	مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد
۱۹۴۵ء	۱۹۴۴ء	دارالعلوم ڈھابیل (جامعہ اسلامیہ)
۱۹۴۶ء	۱۹۴۵ء	مسجد شاہ عالمی، لاہور
۱۹۵۰ء	۱۹۴۶ء	مسجد مقدس پرانی انارکلی لاہور

پاکستان بننے کے بعد دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور کی بنیاد رکھی۔

تصانیف : برہان التنزیل۔ دافع الشبہات۔ حیاتِ فضلیہ۔ مسلم پاکٹ بک (ردِ مرزائیت پر) شرح الطحاوی شریف (زیرِ طبع)

نذرِ مقتبل

اللہ سبحانہ کی سرکار میں کھوٹی پونجی
کمالِ ندامت پیش کر کے اپنی بے بضاعتی
کا اقرار کرتے ہوئے عفوِ کریمانہ اور
الطافِ شاہانہ کا امیدوار ہوں۔

ذرۂ بے مقدار مسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

دُنیا میں ہزاروں ہی مذہب ہیں اور ہر مذہب کے رسومات اور عمل کے راستے ایک دوسرے سے جُدا اور بالکل الگ ہیں لیکن باوجود اس مذہبی اختلاف اور تصادم خیالات کے سب ایک ہی نقطہ پر متفق اور ایک ہی خیال پر مجتمع ہیں۔

جس کو دیکھئے۔ خُداطلبی کا صحیح جذبہ اور نجات اخروی کا دھیان اس کی دل کی گہرائیوں میں موجود ہے۔ ہر شخص اگلی زندگی کے سنوارنے اور دنیا کی مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے بے چین اور مضطرب نظر آرہا ہے۔

دُنیا میں نہ ہر مذہب سچا ہے اور نہ ہر مذہب جھوٹا بلکہ بعض سچے ہیں اور بعض جھوٹے

اگرچہ آراء کا باہمی اختلاف اور خیالات کا آپس میں ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہونا ہر رائے کے صحیح اور ہر خیال کے سچے ہونے سے اباء اور انکار کر رہا ہے۔ لیکن کلیتہً تمام مذاہب کو باطل اور ہر رائے کو غیر صحیح بھی نہیں کہا جا سکتا۔

چونکہ غلطی کھانا انسانی عقل کا لازمہ ہے اس لئے اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ جس مذہب کی بنیادیں انسانی عقل پر قائم ہوئیں یا ان کی تشکیل و ترتیب میں انسانی ہاتھوں کا دخل ہُوا۔ ان میں غلطی اور باطل پرستی کا جزو غالب ہے خصوصًا خُدا کی معرفت اور اس کی صفتوں کے پہچاننے میں جو اَن دیکھی چیز ہے انسانی عقل نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔

اس لئے کسی مذہب کی صداقت محض اس بات کا دعوے کرنے سے کہ یہ مذہب سچا ہے قبول نہیں کیا جا سکتی۔ جب تک اس کے ثبوت اور دلیلوں کے وزن کو عقل کی ترازو میں نہ تول لیا جائے

چونکہ انسانی عقل کے درجات مختلف ہیں اس سے کسی صحیح فیصلہ کی توقع اور

اُمید رکھنا عبث اور بے کار ہے۔ اس لئے ہم کو خدائی نشانات اور آسمانی ہدایات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس وقت قدرت الٰہی ایک ایسا شخص پیدا کرتی ہے۔ جو راست گفتار اور نیک عمل ہونے کے باوجود انسانی برادری کا سچا خیر خواہ اور ہمدرد ہوتا ہے اور وہ خدائی نشانات پیش کر کے لوگوں کو حق کی دعوت دیتا اور ان کو سچائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے دعوے کے ثبوت میں دین حق کو ظاہر کرنے کے لئے ہمیشہ خدا کی طرف سے ایسی نشانیاں لے کر آتے رہے ہیں۔ جن سے ان کی تعلیم کا خدائی تعلیم اور ان کے مذہب کا آسمانی مذہب ہونا ثابت ہوتا رہا۔

انسان کی زندگی میں سچے مذہب کا تلاش کرنا بڑا اہم اور ضروری کام ہے

اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ دنیا میں مذہب کے ساتھ انسانی زندگی کا جزو مد قائم ہے۔ اسی کے اصول پر قوموں کی پستی اور عروج کا دار و مدار ہے۔ یہی وہ چیز ہے۔ جو انسان کی اخلاقی خوبیوں کی ذمہ دار ہے۔ اس کی غلطی سے دنیا کی تباہی اور قوموں کی بربادی انسانی افراد کی ہلاکت ظہور میں آتی ہے۔ اس لئے دنیا میں سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ امر سچے مذہب کی دریافت اور خدائی تعلیم کا معلوم کرنا ہے کیونکہ جس چیز کے ساتھ زندگی کے سود و بہبود اور نفع نقصان کا تعلق ہو اس کا جاننا ہر ذی ہوش اور عقلمند انسان کا کام ہے۔

میں نہیں جانتا کہ جس دل میں حق کی تلاش ہو جس کو اپنی زندگی سنوارنے کا فکر لگا ہو جس کی دلی تمنا یہ ہو کہ وہ خدا کی رضامندیوں کو دریافت کر کے اس کی محبت میں اس طرح فنا ہو جائے۔ جیسے قطرہ دریا میں مل کر اپنی ہستی کو کھو دے وہ شخص کس طرح حق اور سچائی کے دریافت کرنے سے دیر تک آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے۔

سچے مذہب کی پہچان

انسانی ہمدردی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ حق کے طالب اور سچائی کے خواہش مند کو شمع الٰہی روشن کر کے دکھا دی جائے تاکہ وہ توہمات کی تاریکیوں اور باطل پرستیوں کی اندھیریوں سے نکل کر خدائی رستہ پر تیزی کے

ساتھ دوڑنے لگے۔ اور رحمت الٰہی کی آغوش میں جگہ حاصل کرلے۔ وہ شمع الٰہی جس کو حق تعالیٰ نے عالم کی ہدایت کے واسطے بھیجا اور جس چیز کے ساتھ دونوں جہان کی بھلائیاں وابستہ ہیں۔ وہ قرآن عزیز ہے۔ اگرچہ وہ محمد عربی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعے ظاہر ہوا۔ لیکن اس میں چند خصوصیتیں قدرت نے ایسی رکھیں ہیں۔ جن سے اس کا کلام الٰہی ہونا صاف طور پر دکھائی دینے لگا ہے۔ بانی اسلام محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنے دعویٰ کی سچائی اور اس کی صداقت بیان کرنے کے واسطے یوں تو صدہا نشانیاں عنایت ہوئیں اور آپ کے حالات سے خبر رکھنے والا انسان خوب جانتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ادا معجزہ اور ہر بات ایک نشانی تھی۔ لیکن قرآن مجید کو ان تمام نشانیوں میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے اور وہ خدائی نشانات میں ایک بڑا نشان ہے۔ جو آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دین حق کے ثبوت میں دیا گیا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ لوگو۔ تمہارے پاس خدا کی طرف سے سچائی کا نشان آگیا ہے اور ہم نے تمہارے لئے ایک چمکتا ہوا اور روشن نور اتارا ہے۔

جب مکہ کے کافروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رسالت اور نبوت کے ثبوت پر دلیل مانگی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ۔ کیا ان کے لئے یہ کتاب جو ہم نے آپ پر اتاری ہے۔ اور ان پر پڑھی جاتی ہے نشانی بننے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جو ان کو کسی اور نشانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس دعوے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری ہوا کہ ہم قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا عقلی دلیلوں سے ثابت کریں۔ تاکہ اسلام کی سچائی اور محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حق گوئی روز روشن کی طرح دنیا پر ظاہر ہو جائے اور اس کی سچائی صرف دعویٰ ہی کی صورت میں نہ رہ جائے۔

مگر یاد رہے کہ قرآن عزیز کی صداقت اور اس کی سچائی کا معلوم کرنا۔ نہ صرف غیر مسلم جماعتوں کے لئے فائدہ مند ہے۔ بلکہ جن مسلمانوں کو تقلیدی طور پر قرآن شریف کی عظمت اور بزرگی اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا اعتراف اور پختہ یقین ہے انکو بھی قرآن کی صداقت میں غور و فکر کرنا ایمان کو قوی اور اعتقاد کو مضبوط بناتا ہے۔ کسی شے کا علم اگر استدلال اور براہین کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ تو وہ اس علم سے جو سُنی سنائی اور خوش اعتقادی کے طور پر ہو کئی حصہ زیادہ مستحکم اور مضبوط ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح اگر ایک چیز مشاہدہ میں آجائے اور اس کا علم آنکھوں سے دیکھکر اور کانوں سے سُنکر حاصل ہو ایسا علم پہلے اور دوسرے درجہ کے علم سے بہت زیادہ پختہ اور یقینی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ علم کی روشنی میں اسلامی صداقت کا مطالعہ کرتے ہیں ان کا ایمان غیر متزلزل اور شک کی وجہ سے پھسلنے والا نہیں ہوتا۔ صحابہؓ کا ایمان اسی وجہ سے قوی تھا کہ انہوں نے اسلام کی سچائی اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صداقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا دلائل اور براہین کی کسوٹی پر پرکھا تھا۔

آج اگرچہ مشاہدہ کرنے اور آنکھوں سے دیکھنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ لیکن دلائل کی تابانی اسی طرح کرۂ دنیا اور بسیط ارض کو منور کر رہی ہے اس لئے دلائل سے یہ کہکر آنکھیں بند کر لینا کہ ہمیں قرآن مجید کی سچائی پر کامل یقین ہے کسی طرح زیبا نہیں خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ شبہات اور شکوک کی گھٹا ٹوپ۔ اندھیریوں میں پھنس کر سچائی کا راستہ معلوم کرنا ابناءِ زمانہ کے لئے دشوار ہو رہا ہے اس وقت ایسی دلیلوں پر نظر رکھنا گمراہی سے بچنے کے لئے اور گم کردہ راہ ہدایت کو صراطِ مُستقیم پر لانے کے واسطے سخت ضروری ہے۔ اسی لئے رب العزت نے مسلمانوں کو قرآن میں غور و فکر کرنے کی یہ ہدایت فرمائی ہے۔ کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ مُبَارَکٌ لیتدبروا ایاتہ ولیتذکر اولو الاَلْبَاب۔ یہ مُبارک کتاب ہم نے اس لئے نازل کی ہے کہ سمجھدار لوگ اس میں غور و فکر کریں اور اس سے نصیحت پکڑیں۔ غرض جس قدر دلائل کی فراوانی اور براہین کی کثرت پیش نظر ہوگی اسی قدر ایمان میں تازگی اور یقین میں قوت اور پختگی حاصل

ہو گی اور یہ وہ چیز ہے جس کی تلاش اور جستجو میں حق کے طالب اور سچائی کے متلاشی سرگرداں اور پریشان حال رہا کرتے ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کتاب کا مطالعہ بڑی رغبت اور شوق کے ساتھ کریں لیکن اصل کتاب کے ملاحظہ فرمانے سے پہلے چند ضروری باتیں جو بطور تمہید دیباچہ میں لکھی گئی ہیں ضرور دیکھ لیں۔ انشاء اللہ ان ہدایات کے مطالعہ سے پوری بصیرت حاصل ہو گی اور اصل کتاب کے سمجھنے میں کافی امداد ملے گی آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالےٰ ہمیں اور آپ کو نیکی کی توفیق بخشے اور اپنی جوار...... رحمت میں جگہ دے اور دین کی خدمت کرنے کا صحیح جذبہ اور سچا شوق عنایت فرمائے مصرع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

وَمَا تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

آپ کی دعاؤں کا محتاج

محمد مسلم عثمانی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور محلہ قاضی

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لہ الحمد وان انف الافیک	رضین ما اقول ولا رکیک
شھدت شھادۃ لا شک فیھا	بان اللہ لیس لہ شی یک
وان محمدًا صلی اللہ علیہ	بدین الحق ارسلہ الملیک
واتاہ لنا نورًا مبینا	بہ سبل السلام مشی السلیک
لہ ال واصحاب کرام	صداۃ الدین اکرمھو ملیک

کائنات عالم یا خدائی کارخانہ میں زمین سے لے کر آسمان تک جتنی چیزیں خدا کی بنائی ہوئی یا اس کی مصنوعات ہیں وہ سب کی سب بے مثل .... اور یگانہ ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اپنی مثال یا نظیر نہیں رکھتی۔

انسانی دماغ کی گھڑی ہوئی چیزوں اور ایک ماہر صناع کی کاریگریوں کی بعینہٖ نقل اُتاری جا سکتی ہے۔ لیکن دست قدرت کی عجوبہ کاریوں کا حال اس سے بالکل ہی جدا ہے اس کی معمولی مصنوعات اور ادنیٰ درجہ کی بنائی ہوئی چیزوں کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی تمام عقلمند طاقتیں ضعیف اور ناتواں اور بڑے سے بڑا کاریگر اس کی نقل اُتارنے سے عاجز اور درماندہ ہے۔

اس گھاس کا تنکا جو زمین کے گہوارہ سے سر اُٹھا کر کائنات عالم کی سیر کر رہا ہے۔ ایک بال جو بدن کے فضلات ردیہ سے تیار ہو کر گھاس کی طرح جسم کی سطح پر اُگا ہوا ہے۔ اگر دنیا کی زبردست طاقتیں اور اپنی عقل و حکمت پر ناز کرنے والی مجتمع قوتیں یک خیال ہو کر گھاس کے ایک تنکے یا بدن کے ایک بال کی نقل اُتارنے کی سعی لاحاصل اور بے سود کوشش میں لگ جائیں تو حیرانی اور بدنصیبی کے سوا کوئی چیز ان کا ساتھ دیتی ہوئی نظر نہ آئے گی۔

کیونکہ جس طاقت اور قوت کی وجہ سے یہ چیزیں معرضِ وجود میں آئیں وہ ایک غیر محدود شے اور زبردست طاقت رکھنے والی خدائی صفتیں ہیں۔ جن کی انتہائی رفعت اور بلندی تک انسانی عقل کی رسائی ناممکن ہے اور نہ کوئی اس کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایسی صفتوں کے مظاہر اور آثار بھی انہی کی طرح بے مثل اور یگانہ ہوتے۔

قرآن شریف بھی خدا کی دوسری مصنوعات کی طرح بے مثل ہے

قرآن کریم نے بھی اپنی صداقت اور سچائی کی بنیاد اسی نظریہ پر رکھی ہے۔ جیسا کہ اس نے فاتوا بسورۃٍ من مثلہ اِن کنتم صادقین۔ سے دُنیا کو پکار کر کہہ دیا کہ اگر تمہاری نظر میں قرآن مجید انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہے تو انسانی مصنوعات کی طرح اس کی بھی نقل اتاری جا سکتی ہے۔ تم بھی اس کی کسی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی مثال پیش کر کے اس کا انسانی کلام ہونا ثابت کرو۔ اور اگر تم اس کی مثال لانے سے خدا کی دوسری مصنوعات کی طرح عاجز رہے تو قرآن شریف کے کلامِ الٰہی ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہوگی۔ پھر اسی پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ معاندین اور انکار کرنے والوں سے تحدی اور مقابلہ طلب کرنے کے بعد ان کے مردہ احساسات اور جذبات مقابلہ کو برانگیختہ کرنے اور ابھارنے کے واسطے یہ فرمایا قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ اَن یاتوا بمثلِ ھٰذا القرآن لا یاتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعضٍ ظھیرًا۔ اگر تمام جن و انسان مجتمع قوت اور باہمی امداد کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے قرآن مجید کی مثال لانا چاہیں تو کبھی نہیں لا سکتے۔

یہ ایسے غیرت اور شرم دلانے والے الفاظ ہیں کہ ایک بے حس اور بے غیرت انسان کی رگِ حمیت میں بھی جوش آ جاتا ہے اور غیرت کا دریا طوفان بن کر اس کے سینے میں ٹھاٹھیں مارتا اور اس کو مقابلہ کے میدان میں قوائے علمیہ کے استعمال پر مجبور کرتا ہے۔

لیکن جب ہم انکار کرنے والوں اور مخالفین اسلام کو باوجود ان کے فصیح و بلیغ ہونے اور زبان دانی کا دعویٰ کرنے کے ایک بے بس اور کمزور انسان کی طرح منہ چھپایا ہوا دیکھتے ہیں اور کسی کو قرآن شریف کی ایک آیت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں پاتے۔ تو ہم کو

ان کی پہلو تہی سے یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز بے شک الہامی کتاب ہے اور کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے اور جس طرح خدا کی دوسری مصنوعات اور اس کی طرف منسوب ہونے والی چیزیں بے مثل اور یگانہ ہیں اور ان کی نقل نہیں اُتاری جا سکتی۔ اسی طرح قرآن کریم کی مثال پیدا کرنا بھی کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے انسانی طاقت سے باہر اور قوائے علمیہ کے احاطہ سے وراء الوراء ہے۔

یاد رہے کہ قرآن مجید کی بے مثلیت کا دعویٰ اجتماعی حیثیت سے نہیں ہے یہ نہیں کہا جاتا کہ دنیا کل اور مجموع قرآن مجید کی مثال پیدا کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے بلکہ یہ دعوے قرآن شریف کے ہر جزو پر حاوی اور ہر سورت پر محیط ہے اور ایک مختصر سی آیت کا مقابلہ کرنے کے لئے "ہل من مبارز" کی ایک مسلسل اور پیہم آواز دی جا رہی ہے مصنوعات الہیہ اور خدا کی طرف منسوب ہونے والی چیزوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کا ہر جزو کل کی طرح یگانہ اور بے مثل ہوا کرتا ہے۔

ہر الہامی کتاب کا بے مثل ہونا ضروری ہے

چونکہ خدا تعالیٰ کی صفت تکوینیہ یا قوت خلق اور ایجاد غیر محدود طاقت رکھنے کی وجہ سے بے مثل ہے اور خدا کی ذاتی صفتوں علم اور قدرت وغیرہ میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور جملہ آسمانی کتابیں انہی صفات کا اثر یا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لئے تمام خدائی مصنوعات اور الہامی کتابیں بے مثل اور یگانہ ہونے میں ایک جیسی ہیں۔

بظاہر قرآن مجید کی بے مثلیت فصاحت اور بلاغت میں اعلیٰ مرتبہ اور بلند پایہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے جو نظم قرآن اور اس کے لفظوں کی صفت ہے لیکن[1] درحقیقت وہ بھی خدا کی دوسری مصنوعات کی طرح حق تعالےٰ کی قوت ایجادیہ کا پرتو اور اس کی صفات تکوینیہ کا اثر یا نتیجہ ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ

---

[1] چونکہ الفاظ حروف سے مرکب ہیں اور حروف اعراض حادثہ ہیں اس لئے الفاظ بھی یقیناً حادث ہی ہیں۔ دوسرے حرف کا پہلے حرف کے تلفظ کے بغیر زبان پر لانا ناممکن ہے جیسا کہ حرف ثانی کے تلفظ کے وقت پہلے حرف کا تلفظ ہونا اور زبان پر اس کا باقی رہنا محال ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور لازوال طاقت کی وجہ سے اس کے طرز بیان میں نفاست اور دلکشی پیدا کرنے لفظوں کی نشستوں کو برمحل تجویز کرتے ہوئے ان کی بندشوں کو چست اور عمدہ بنانے میں غیر معمولی علمیت کا ایسا زبردست ثبوت پیش کیا ہے جس کے آگے دنیا کی تمام علمی قوتیں بیکار اور ہیچ ہیں توریت وانجیل اور اس طرح کی دوسری آسمانی کتابیں بے مثل ضرور ہوتی ہیں مگر ان کے بے مثلیت اس کلام کے فصیح اور بلیغ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ بلکہ غیب کی خبریں دینے ہدایت اور ارشاد کی وجہ سے ہوتی ہے۔

چونکہ قرآن شریف نبی علیہ السلام کی تصدیق کرنے اور ان کی نبوت ثابت کرنیوالی کتاب ہے۔ اس لئے اس میں بے مثلیت، اور معجز ہونے کی شان کو زیادہ واضح کر کے دکھایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے الفاظ اور نظم کی تالیف وترتیب بھی بےمثل ہے۔

عرب کے فصحاء اور بلاغت کا علم رکھنے والے زبان دانوں اور جادو بیان شاعروں کو قرآن مجید کے الفاظ مرتبہ اور اس کی فصیح اور بلیغ آیتوں کے مقابلہ کے واسطے دعوت دی گئی۔ الفاظ کے معنی اور غیب کی خبروں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کو نہیں بلایا۔ اس لئے قرآن عزیز باطنی اور معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری الفاظ اور عبارت سے بھی اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اگرچہ وہ خوبئیں جو اس کتاب میں الفاظ اور عبارت کی وجہ سے پائی جاتی ہیں بہت ہیں لیکن ان میں سے وہ لطیف عبارات اور پاکیزہ نکتے جو عوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ پانچ ہیں۔

بقیہ حاشیہ:۔ جب لفظ کے اجزاء کو عدم نے دونوں طرف سے گھیر لیا یعنی دوسرے حرف کا وجود پہلے حرف کے پیچھے اور پہلا حرف دوسرے حرف کے تلفظ کے وقت باقی نہیں رہتا تو لفظ جو حروف ہی سے مرکب ہے کس طرح قدیم ہو سکتا ہے اور جب وہ قدیم نہیں تو خدا کی صفت بھی نہیں کیونکہ ذات احدث حوادث کے ساتھ متصف نہیں ہوتی۔ بلکہ کلام نفسی جو کلام لفظی کا مدلول ہے۔ قدیم ہے۔ اور وہ ہی خدا کے ساتھ قائم اور اس کی صفت ہے اس کلام نفسی کا نام کلام اللہ ہے اور یہی غیر مخلوق ہے ورنہ کلام لفظی جو حروف اور الفاظ کے مجموعے کا نام ہے اور کلام اللہ پر دلالت کرتا ہے حادث اور خدا کا پیدا کردہ ہے۔ اس کی صفت نہیں ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

(۱) اس کی عبارت کی روانی اور الفاظ کی بندشیں فصاحت اور بلاغت کے ایسی اعلیٰ مرتبہ پر پہونچی ہوئی ہیں جن کی نظیر کسی دوسرے کلام میں نہیں ملتی۔

(۲) یہ اسی کلام کی تالیف اور ترتیب کی خوبی ہے کہ اس میں ادنےٰ تبدیلی پیدا کرنے اور الفاظ کو آگے پیچھے ہٹانے یا ایک لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ اسی کے ہم معنی رکھنے سے کلام بے رونق اور بدزیب معلوم ہوتا ہے جس طرح مصنوعات الٰہیہ اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں جو شے جس جگہ رکھدی گئی ہے۔ اس کا اسی جگہ رہنا اس چیز کی خوبصورتی اور حسن کو قائم رکھتا ہے۔ اس میں تغیر اور تبدیلی ہو جانے سے بناوٹ کی خوبی اور شکل کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے۔ یہی حال قرآن مجید کی عبارت اور اس کے الفاظ کی نشستوں کا ہے کہ اس میں ادنےٰ درجہ کا تغیر کرنے سے کلام کی خوبی نہیں رہتی۔ اور وہ تبدیلی بدنما داغ کی طرح صاف نظر آتی ہے۔

مثلاً اس آیت قرآنی اِنَّ رحمة الله قریبٌ من المحسنین۔ میں اگر اکثری قاعدہ کی رعایت کرتے ہوئے۔ ان رحمة الله قریبة من المحسنین۔ پڑھا جائے تو عربی زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی اس کلام کی پھیپھساہٹ اور ردی ہونے کو تسلیم کرے گا اور اس کا دل اس امر کی شہادت دے گا کہ جو حلاوت اور شیرینی اس جگہ لفظ قریب کو حاصل ہے وہ قریبہ کو ہرگز میسر نہیں ہے۔

(۳) اہل عالم کے ساتھ جو خدا کا معاملہ ہے۔ اس کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

بقیہ حاشیہ۔ ... غرض قرآن مجید کا اطلاق کلام نفسی اور لفظی دونوں پر آتا ہے۔ ہر ایک کی خصوصیات جُدا جُدا اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں۔ کلام نفسی قدیم اور غیر مخلوق ہے اور وہ ہی خدا کی صفت ہے۔ کلام لفظی حادث ہے اور خدا کی صفت نہیں اور متقابلہ الفاظ کی تالیف اور ترکیب کے ساتھ کیا گیا۔ فصاحت اور بلاغت لفظوں ہی کی صفت ہے معنی سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ دیگر احکام فقہیہ کا تعلق بھی اسی کلام لفظی اور نظم قرآنی کے ساتھ ہے۔ جس حدیث میں القرآن کلام اللہ غیر مخلوق ومن قال انہ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم آیا ہے۔ اس سے کلام نفسی مُراد ہے۔ کلام لفظی مُراد نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ملا علی القاری نے تخریج الاحادیث میں اس حدیث کی اصلیت سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

رب العزت مخلوقات کی ان ضرورتوں کا کفیل اور ذمہ دار بن جاتا ہے جس کے پورا کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی۔

حیوانات کو انسان کی طرح معاش حاصل کرنے کی عقل نہیں دی۔ مگر ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے واسطے تمام ذریعہ اور سامان ان کی طبیعت میں پیدائشی طور پر ودیعت رکھ دیئے۔

بچہ کو شیر خوارگی اور ناسمجھی کے زمانہ میں والدین کی زبان سیکھنے کی طاقت بخشی بغیر کسی تکلیف کے روزی دی۔ لیکن جب آپس میں سمجھ بوجھ ہوگئی اور ہاتھ اور پاؤں کام کرنے لگے۔ تو اس کو جدوجہد کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا اور ہر شے کے حاصل کرنے میں کوششوں کا محتاج بنا دیا۔

یہ محض اس لئے تھا کہ اب اس کی قوتیں کام کرنے لگی تھیں۔ عقل نے اس کو حصول کے راستے بتا دیئے تھے۔ اس لئے خدائی کفالت اور ذمہ داری اس سے کنارہ کش ہو گئی۔ بعینہ یہی انداز قرآن مجید کے بیان میں نظر آتا ہے۔ جس چیز کے دریافت کرنے میں انسان قاصر ہے۔ اس کو قرآن شریف میں بیان کیا جاتا ہے اور جس کو انسان اشارے کنایہ سے یا اقتضا اور دلالت کے طور پر سمجھ سکتا ہے۔ اس کا مطلقاً ذکر نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن سے جملہ احکام اور مسائل عبارت النص ہی سے ظاہر نہیں ہوتے۔ بلکہ بہت سے اشارہ النص اور اقتضاء وغیرہ سے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح جس شے کی اہمیت کو انسان

بقیہ حاشیہ:۔ انکار کیا ہے۔ حنابلہ اور بعض محققین نے کلام لفظی کو بھی قدیم کہا ہے لیکن اکثریت اہل علم کی اس کے خلاف ہے۔ جیسا کہ قاضی ابوبکر الباقلانی نے اعجاز القرآن کے باب فیما یتعلق بہ الاعجاز میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ تحدی اور مقابلہ اسی کلام لفظی کے ساتھ ہے کلام نفسی قدیم کے ساتھ نہیں ہے اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔ علامہ تفتازانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں۔ التحقیق ان کلام اللہ تعالیٰ اسم مشترک ہیں۔ الکلام النفسی القدیم و معنی الاضافۃ کونہ صفۃ لہ تعالیٰ و بین اللفظی الحادث المؤلف من السور والآیات و معنی الاضافۃ و مخلوق اللہ تعالیٰ لیس من تالیفات المخلوقین۔ یعنی کلام اللہ کا اطلاق کلام نفسی (باقی اگلے صفحہ پر)

نہیں سمجھتا۔ اس کو شد اور مد اور بڑی تاکیدات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور جو چیز انسان کی فطرت اور پیدائش میں داخل ہیں اس کا نام تک نہیں لیا جاتا۔

قرآن شریف میں ماں باپ کی خدمت کرنے اس کے آداب اور لحاظ رکھنے کا بڑی سختی کے ساتھ حکم ہے لیکن ماں باپ کو ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا کہ تم اولاد کی پرورش میں کوتاہی نہ کرو۔ ان کے ساتھ محبت اور پیار سے پیش آؤ کیونکہ اولاد کی محبت ایک ایسی شئے ہے جس کے لئے انسان قدرتی طور پر مجبور ہے اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اس قسم کی صدہا مثالیں ہیں، جن کا ذکر اصل کتاب میں آئے گا۔

اس طرح کے خدائی معاملات کے ساتھ قرآن مجید کا ملتا جلتا ہونا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام بلاشبہ خدا کا کلام ہے کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے۔

(۴) اس کلام کا اندازِ بیان اس قدر عجیب اور بے مثل ہے کہ جو کسی انسانی کلام میں نظر نہیں آتا۔ اس طرزِ بیان میں اصل واقعہ کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس موقعہ کی خصوصیات اس وقت کے حالات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگتا ہے۔

انسان کیسا ہی فصیح اور بلیغ ہو۔ وہ اصل واقعہ کو نقل کر سکتا ہے۔ مگر اس کی بعینہٖ تصویر نہیں کھینچ سکتا اور نہ اس کی خصوصیات کا نقشہ غیر صریح لفظوں میں اتار سکتا ہے۔ اس کے واسطے جمناسٹک کے ایکٹر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاکہ وہ مقام کی خصوصیات کا نقشہ ہاتھ پاؤں کی حرکت سے لفظوں کے ساتھ پیش کر سکے۔ لیکن قرآن عزیز کا حال بالکل ہی جدا ہے وہ اصل واقعہ کو ظاہر کرتے ہوئے صریح لفظوں میں نہیں بلکہ اندازِ بیاں میں ہی

بقیہ حاشیہ ۱:۔ اور کلام لفظی دونوں پر ہوتا ہے۔ مگر پہلی صورت میں کلام اللہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام لفظی کو کلام اللہ اس معنی سے کہا جاتا ہے کہ وہ خدا کا پیدا کردہ اور بنایا ہوا ہے کسی انسان وغیرہ کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ البتہ حدوث اور خلق کا لفظ کلام لفظی پر بولنا بھی ادب کے خلاف ہے اور اس سے کلام نفسی کے حادث ہونے کا وہم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کلام لفظی پر مخلوق کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس کی طرف منسوب ہونے والی چیز کیا ہے۔ واللہ اعلم علمہ اتم۔

اس کی خصوصیات کا فوٹو اور نقشہ پیش کرتا جاتا ہے۔

(۵) قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا اس وقت اور بھی کامل یقین ہو جاتا ہے جب اس کی کسی آیت کو انسانی کلام کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ تو پڑھنے والے کو دونوں میں کھلا ہوا فرق نظر آتا ہے۔ اور اس کی طبیعت گواہی دیتی ہے کہ یہ کلام ہرگز کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ حدیثِ نبوی کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ قرآن مجید کی کسی آیت کے مقابلہ میں رکھنے سے صاف طور پر نظر آتا ہے کہ اس کو قرآن شریف کی عبارت سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ آپ کا کلام دوسرے فصیح اور بلیغ انسان کے ساتھ ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے سامنے اس کا رنگ بالکل ہی پھیکا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سچ فرمایا فضل کلام اللّٰہ علیٰ سائر الکلام کفضل اللّٰہ علیٰ خلقہ۔ خدا کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جس طرح خدا کی بزرگی تمام مخلوقات پر۔

الہامی کتاب خدائی صفتوں کی آئینہ ہوتی ہے۔

جب دُنیا کی ہر تصنیف مصنف کے خیالات کا آئینہ اور علمی قابلیت کا صحیح معیار سمجھی جاتی ہے اور ہر کلام میں متکلم کی علمی خصوصیات اور اس کی دوسری صفتوں کا اظہار ہوا کرتا ہے تو آسمانی کتاب یا صحیفے میں بھی جس کو خدا کے کلام ہونے کا شرف اور عزت حاصل ہے خدائی صفتوں خصوصاً صفت علم کا پورا پورا مظاہرہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونیکی یہ وجہ بھی ہے کہ اسمیں خدائی صفتوں اور علم الٰہی کی خصوصیتوں کا جلی حروف اور کھلے ہوئے لفظوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

الہامی کتاب میں علم الٰہی کی خصوصیتوں کا ذکر بکثرت ہوا کرتا ہے

مگر چونکہ آسمانی صحیفے یا الہامی کتابیں معارف قدسیہ کے بہترین خزانے اور علوم الٰہیہ کے محفوظ سرمایہ ہوتی ہیں۔ اور ہدایت کا سرچشمہ ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے احکام اور مضامین کا ذخیرہ ان میں موجود ہوتا ہے اس لئے جس کثرت کے ساتھ ان میں علمی مناظر پیش کئے جاتے ہیں اور جس قدر خدا کی صفت علم کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اتنا کسی اور صفت کا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں علم الٰہی کی خصوصیات اور اس کے

استعمال کے مختلف مواضع کو بکثرت بیان کیا ہے۔

علمِ الٰہی کی خصوصیت اور اس کے استعمال کی جگہوں کا بیان

علم الٰہی کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت جس کا وجود خدا کے سوا کسی غیر میں نہیں پایا جاتا۔ وہ اس کی وسعت علمی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر ایک کا راز داں ہے۔ دلوں کے وسوسے اور خیالات اور ان میں چھپے ہوئے بھیدوں سے واقف اور باخبر ہے۔ رات کی تاریکیوں اور سمندر کی گہرائیوں میں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ ہوا میں اڑنے والے ذرّوں اور دریا میں بہنے والے پانی کے قطروں کو خوب جانتا ہے۔ نہ آسمان اور زمین میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ ہے اور نہ تنہائی کی راتوں میں رازداری کی باتیں اور دو آدمیوں کی باہمی سرگوشیاں اس سے چھپی ہوئی ہیں۔ وہ اگلے اور پچھلے حالات سے بخوبی واقف ہے۔ نسیان اور بھول کی وہاں کوئی گنجائش نہیں جس چیز کا اس کو علم ہے۔ اس کو ہمیشہ سے جانتا ہے اور ہمیشہ تک جانتا رہے گا۔

یہ وہ صفتیں ہیں کہ مخلوقات میں سے کوئی شخص ان صفتوں میں سے ایک کے ساتھ بھی متصف نہیں ہو سکتا اور نہ کسی انسان وغیرہ کی علمی قوت علم کی اس اعلیٰ اور بلند پایہ حالت کو قبول کرنے کی قابلیت اور اہلیت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اسلئے علم کی یہ مختلف حالتیں خدا ہی کے ساتھ خاص ہیں اور علم الٰہی کے سوا کسی غیر میں نہیں پائی جاتیں

علم الٰہی کی خصوصیتوں اور اس کے مظاہر اور اثرات کا ظہور قرآن عزیز کے اندر مختلف صورتوں میں ہوا ہے کسی جگہ دلوں کے بھیدوں کو ظاہر کیا گیا ہے کہیں دشمنوں کی خطرناک چالوں سے قبل از وقت مسلمانوں کو اطلاع دی گئی۔ کبھی گزرے ہوئے حالات پر وہ روشنی ڈالی گئی جس کا کسی سے انکار نہ ہو سکا۔ مستقبل کے متعلق فیصلہ کن حکم سنائے۔ کہیں انسان کے فطری جذبات اور طبعی تقاضوں کو کھول کر بیان کیا۔ غرض جس شئے کے متعلق جو خبر دی وہ اسی طرح ظہور میں آئی۔ اس میں کبھی ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

(۱) دُنیا جانتی ہے کہ اہل نفاق مخالفین اسلام کی ایک ایسی جماعت تھی۔ جو ظاہر میں

مسلمانوں کا کلمہ پڑھتی اور ان سے موافقت رکھتی تھی۔ مگر اس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کا زبردست جذبہ موجود تھا۔ ایسا کرنے سے ان کا یہ مقصد تھا کہ ان کو اپنی طرف سے بالکل مطمئن کر کے اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور نہایت سرگرمی کے ساتھ ملک کے ہر گوشہ سے مسلمانوں کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ یا کم از کم پیغمبر اسلام صلعم اور مسلمانوں کو انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے نقصان پہنچا کر اپنے دل کا بخار نکالیں یا مخلص مسلمانوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر کے ان کو اسلام کی طرف سے بدظن کریں۔ وہ اس ارادہ اور کوشش میں کامیاب ہو چکے ہوتے۔ اگر قرآن مجید ان کے اندرونی خیالات اور دلی تمناؤں سے مسلمانوں کو آگاہ نہ کرتا لیکن اس نے اصل حقیقت سے قبل از وقت مسلمانوں کو مطلع کر دیا جس سے ان کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور وہ ایسے رسوا اور بدنام ہوئے کہ دنیا میں ان کو منہ دکھانے کی جگہ نہ رہی۔

(۲) دوسری طرف مخالفین کا ایک گروہ ایسا تھا۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کو ہر قسم کا نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا ملک اور قوم کی بہترین خدمت تھی۔ علانیہ ان کی مخالفت کرتے تکلیفیں دیتے۔ ان کے ہاتھ نہ کوئی چیز بیچتے اور نہ ان کو دوسری جگہ سے خریدنے دیتے۔ ان کو ترک وطن پر مجبور کر کے گھروں سے بے گھر بناتے پھر اسی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ بند کمروں میں مسلمانوں کے مٹانے کی تجویزیں ہوتیں اسلام کے استیصال اور اس کے فنا کر دینے کے لئے خفیہ طور پر مجلسیں منعقد کرتے جس میں اس امر کا پورا انتظام ہوتا۔ کہ ان کی مجلس کی کوئی بات باہر نہ نکلے اور مسلمانوں کو ان کی خفیہ تدبیروں اور مخالفانہ کارروائیوں کی بالکل اطلاع نہ ہو۔

لیکن باوجود ان حفاظتی تدبیروں اور سخت پابندیوں کے مسلمانوں کو قرآن شریف کے ذریعے سے ان کی چالوں اور خفیہ کارروائیوں کا علم ہوتا تھا۔

(۳) نیز قرآن شریف میں آئندہ آنے والے واقعات کے متعلق قبل از وقت خبریں دی گئیں۔ مگر کبھی ان میں ذرہ برابر خلاف نہ ہوا۔ اور ہر ایک پیشن گوئی اپنے وقت پر بعینہٖ پوری ہوتی رہی۔

(۴) جس وقت دُنیا کی عام تاریخیں صدیوں کے گذرے ہوئے واقعات اور سوانح سے بے خبر اور خاموش ہوگئیں اور ان کے متعلق اہل زمانہ کی علمی تحقیقات میں چند بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ صورتیں رہ گئیں۔ تو قرآن شریف نے ان کے خلاف ایسی معلومات کا ذخیرہ پیش کیا۔ جس کی اطلاع کا بظاہر کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر قدیم کتبے اور پرانے کھنڈرات اس کی تائید میں تھے محفوظ اور معتبر تاریخیں اور غیر محرف کتابیں سب کی سب اس پر متفق اور ایک زبان تھیں۔

(۵) قرآن مجید نے انسانی فطریات اور ان کے طبعی جذبات کا ایسا صحیح نقشہ پیش کیا۔ کہ جس پر صدیوں کی الٹ پھیر بھی آج تک ایک نقطہ کا اضافہ نہ کر سکی۔

اس قسم کے تمام مظاہر علمیہ اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہیں کہ ایسا کلام جس کے ذریعے سے ان واقعات اور علمی خزانوں کو ظاہر کیا گیا اور راز داری کی باتوں اور دلی جذبات کو منظر عام پر لایا گیا۔ یقیناً ایسی ذات کا کلام ہے جو وسعت علمی میں بے نظیر اور بڑی طاقت کی مالک ہے۔ اور وہ خُدا ہی کی ذات مقدس اور اُس کی پاک اور برگزیدہ ہستی ہے کیونکہ انسان کی قوت علمیہ اس قسم کے حالات کا کبھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ قرآن عزیز بلاشبہ وحی الٰہی اور کلام ربانی ہے۔

الہامی کتاب میں خُدا کی قدرت اور اُس کی طاقت کے استعمالات کا اظہار بھی ہونا چاہیئے

قانون خواہ انسداد جرائم کے لئے ہو یا مبرات اور نیکیوں کیطرف رغبت دلانے اور حرص پیدا کرنے کے واسطے جب تک اس کے ساتھ طاقت اور قوت کا مظاہرہ نہ ہو۔ اس کے امتثال اور بجا آوری کی کسی سے توقع رکھنی عبث اور بے کار ہے۔

عمل کرنے والوں کی نظر میں واضع قانون کی اس قدر طاقت اور قوت ضروری ہونی چاہیئے۔ جس کے خوف سے قانون کی خلاف ورزی نہ ہو سکے اور وہ دوسری طرف انعام اور اکرام کا شوق۔ ان میں عمل کا صحیح جذبہ امتثال اور پورا کرنے کا سچا خیال پیدا کر سکے۔

جب دُنیا کا تجربہ ہر قانون کے متعلق اس فیصلہ اور نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہے۔ تو خدائی قانون کے اجراء اور اس پر عمل کرانے کے واسطے کہ جس میں نفسانی خواہشوں کے ترک کرنے سچائی اور نیکی حاصل کرنے کے لئے زیادہ زور دیا جاتا ہے جس سے انسان کو طبعاً نفرت ہے۔ خدائی طاقت اور قوت کا مظاہرہ ضرور ہونا چاہیئے۔ اس لئے الہامی کتاب میں علم الٰہی کی طرح خُدا کی قدرت اور اُس کی خصوصیتوں کا ذکر ہونا ضروری ہے۔

خُدا کی قدرت اور اُس کی طاقت کا بیان

قدرت خُداوندی اس غیر معمولی اور زبردست طاقت اور قوت کا نام ہے۔ جس کے مقابلہ میں مخلوقات کی تمام تر قوتیں رائیگاں اور ساری طاقتیں بیکار ہیں۔ اسی قوت کی وجہ سے وہ دلوں پر حکومت کرتا اور اس کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب رہتا ہے۔ جس چیز کو وہ آلات اور اسباب کے استعمال کئے بغیر بنانا چاہیئے۔ فوراً بنا دیتا ہے اور ایک سیکنڈ کی دیر نہیں لگنے دیتا وہی طاقت ہے جس کی وجہ سے وہ چیونٹی سے ہاتھی کو ضعیف اور کمزور سے قوی اور زبردست کو مردا دیتا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ایسی طاقت اور قوت کا مالک خُدا کے سوا مخلوقات میں سے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جب ہم قرآن مجید میں اس طرح کی خصوصیات کا استعمال ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ جس سے خُدا کی قدرت کاملہ کا نمایاں طور پر ظہور ہوتا ہے تو ہم کو قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے میں ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں رہتا۔

(۱) چنانچہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو ان کی فتح اور نصرت کی اس وقت خبر دی گئی۔ جب کہ مسلمان سخت کمزور اور دشمن ان کے مقابلہ میں قوی ہے۔ اگرچہ اس وقت فتح کے کوئی آثار نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مذاق اڑایا گیا۔ مگر زیادہ مدت گزرنے نہیں پائی کہ دنیا نے اس پیشین گوئی کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا۔

(۲) قرآن مجید میں خود اس کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور اس کو اس طرح پورا کر کے دکھایا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے پر بھی اس میں ایک نقطہ یا زیر و زبر کا فرق نہیں آسکا۔ باوجودیکہ اتنے عرصہ میں دشمنوں کی ایسی زبردست طاقتیں گزری ہیں۔ جو

اس میں اگر تحریف یا تبدیلی پیدا کرنا چاہتیں ۔ تو کر سکتی تھیں مگر آج تک کسی موافق یا مخالف طاقت کو یہ جرأت نہ ہو سکی ۔ جو اس وعدہ کو پورا ہونے سے روک دیتی ۔

(۳) نیز قرآن عزیز میں بعض قوموں کی قسمتوں کا ہمیشہ کے واسطے ایسا فیصلہ سنا گیا کہ جس میں صدیاں گزرنے کے باوجود کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ اور نہ دُنیا کی کوئی زبردست سے زبردست طاقت آج تک اس کو بدل سکی ۔

(۴) یہ کرشمے قدرت کے ہی تھے کہ کثیر التعداد ہونے کے مسلمانوں کو تھوڑے دکھائی دیئے اور مسلمان جو حقیقت میں ان سے بہت تھوڑے تھے ۔ وہ دشمنوں کی نظروں میں دگنے اور چوگنے کر کے دکھائے گئے جس سے کفار کے حوصلہ پست اور مسلمانوں کا جوش اور ان کی ہمت اور جرأت بڑھتی رہی ۔ جس کا نتیجہ دشمنوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا ۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس طرح کی مثالوں میں انسانی طاقت کام کر رہی تھی ۔ ہرگز نہیں ۔

الہامی کتاب میں ایسی خصوصتیں ضرور ہونی چاہئیں کہ جن کو دیکھتے ہی اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے کا پتہ چل جائے

کبھی کلام میں متکلم کی ذاتی اوصاف اور علمی قابلیت کے علاوہ متکلم کی طرف سے ایسی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے ۔ جو اس کلام کا دیکھنے اور سننے والا فوراً سمجھ لیتا ہے کہ یہ کلام فلاں شخص کی موزونیت طبع کا نتیجہ اور اس کے فکر صحیح کا ثمرہ ہے ۔

قرآن مجید میں بھی چند ایسی خصوصتیں موجود ہیں ۔ جو اس کے انسانی کلام ہونے سے ابا و یا انکار کر رہی ہیں ۔

(۱) مثلاً قرآن عزیز کا دعوے ہے کہ وہ ہر یاد کرنے والے کے لئے آسان اور سہل بنا دیا گیا ہے ۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہر جگہ بچے سے لے کر بوڑھے تک ہزاروں حفاظ موجود ہیں اور بہت سے حافظ تو ایسے ہیں جو سال میں ایک ہی دفعہ اس کی تلاوت کرتے ہیں ۔ لیکن پھر بھی وہ ذہن سے نہیں نکلتا ۔ قرآن شریف کے علاوہ دنیا میں کسی کتاب کو یہ شرف اور عزت حاصل نہیں ہے ۔

ظاہر ہے کہ انسان کبھی اپنے کلام میں ایسی خصوصیت اور امتیاز پیدا نہیں کر سکتا یہ محض رب العزت کا حصہ ہے۔

(۲) نیز قرآن کریم کی تلاوت سے انسان کی طبیعت کبھی سیر نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ پڑھنے کے بعد دوبارہ اس کی تلاوت کرنے کو جی چاہتا ہے بلکہ جس قدر کثرت سے اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اتنا ہی شوق میں اضافہ اور رغبت میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ بخلاف اس کے دوسری کتابوں کو ایک دفعہ پڑھنے کے بعد دوسری مرتبہ اُن کی طرف طبیعت متوجہ نہیں ہوتی۔

(۳) پھر لطف یہ ہے کہ ہر مرتبہ غور سے تلاوت کرنے کے باوجود نئے نئے مضامین کا انکشاف اور جدید نکتوں کی تحقیق ہوتی رہتی ہے۔ اور اس طرح قرآن مجید کے عجائبات ختم ہونے میں نہیں آتے۔

(۴) علاوہ ازیں عبارت کی شیرینی اور روحانی برکتوں کا اثر ان لوگوں کو بھی محسوس ہوتا ہے جو عربی زبان سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اور محض سادے الفاظ پڑھنا جانتے ہیں اور ترجمہ نہیں کر سکتے۔ یہ اثر بھی یقیناً خدا ہی کا پیدا کردہ ہے۔ ورنہ یہ فعل انسانی طاقت سے باہر ہے۔

(۵) اسی طرح بعض عملوں کے اچھے یا بُرے اخلاقی نتیجے سے انسان کو مطلع کیا گیا۔ اور وہ ایسے عمل ہیں کہ ان کے نیک و بد نتیجہ سے بغیر تجربہ کئے کبھی علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ابتداً اس کے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب ان پر عمل کیا جاتا ہے تو اس کے آثار اور نتیجے اسی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کی قرآن عزیز نے خبر دی تھی۔ کسی عمل میں کوئی خاص اثر رکھ دینا ہرگز کسی انسان کا کام نہیں۔ یقیناً اسی طاقت کا کام ہے جس نے آگ میں جلانے اور پانی میں ٹھنڈا کرنے کی طاقت رکھی ہے وہو اللّٰہ سبحانہٗ

جس شخص کے ذریعہ سے وہ کتاب حاصل ہوتی ہے اس کی زندگی کے حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ الہامی کتاب یا صحیفہ آسمانی ہے

کبھی اس شخص کے حالات اور واقعات زندگی جس کے ذریعہ سے الہامی کتاب دنیا میں ظاہر ہوئی ہے اس امر کی مقتضی ہوتی ہیں کہ اس صحیفہ کو آسمانی کتاب اور اس کلام کو خُدا کا کلام کہا جائے۔

مثلاً جس شخص نے عمر بھر ایک حرف نہ پڑھا اور نہ کسی اہل علم کی صحبت اس کو نصیب ہوئی ہو نہ متمدن قوموں کے نظام زندگی اور ان کی تعلیمی درس گاہوں سے واقف ہو نہ کبھی علمی مجلس میں اس کو بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو جس نے کسی مسافر سے بھی کوئی قصہ کہانی نہ سنی ہو اور نہ کبھی علم کی طلب میں وہ گھر سے باہر نکلا ہو۔

اسی طرح عمر کے چالیس برس محض لاعلمی اور بے خبری میں گذارنے کے بعد دفعتاً ایسے علمی نکتوں اور دقیق اور باریک باتوں کا اظہار کرے جو اہل علم کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ اور صدیوں تک محنت اٹھانے کا پھل ہے۔

(۲) دنیا کے سامنے علم کے وہ اصول اور ضابطے پیش کرے جس پر نہ صرف شرعی علوم بلکہ علوم عقلیہ کی بنیادیں قائم ہیں۔

(۳) اسی کتاب میں ان حقائق اور واقعات کا اظہار کرے۔ جن کی اصلیت پر مدتوں سے تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اور اس کے متعلق عوام میں جو باتیں غلط مشہور ہو چکی تھیں ان کی پُر زور تردید کرتے ہوئے واقعات کو اصلی شکل میں دکھلائے اور حقیقت کے چہرہ سے اس طرح نقاب اٹھائے کہ مخالفین کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آئے۔

غرض اس قسم کے واقعات کا ایسے شخص سے ظاہر ہونا اس امر کی کھلی شہادت ہے کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بلکہ خُدا سے فیض پاکر کہہ رہا ہے۔

اس کے علاوہ بعض خبریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآن شریف میں ایسی مذکور ہوئی ہیں کہ جو اس زمانہ کے مروجہ خیالات کے خلاف یا کم فہم اور ناسمجھ لوگوں کی نظر میں قابلِ اعتراض وطعن و تشنیع کا سبب تھیں۔ اگر آپ وحی کے ظاہر کرنے میں حکم الٰہی کے پابند نہ ہوتے تو اس کو ظاہر کر کے دیدہ دانستہ کبھی جاہلوں کی ملامت کا نشانہ نہ بنتے۔

دوسرے نبوت کے شروع میں چند دن وحی آکر تین سال تک متواتر بند رہی کفار اس زمانہ میں سردار دوجہاں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مذاق اڑاتے طرح طرح کے آوازے ان پر کستے۔ اور آپ ان کے طعن و تشنیع سے تنگ آکر جان دینے کا ارادہ کر لیتے۔ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو نیچے گرانے کا ارادہ کرتے۔ کہ اچانک

غیبی مدد ہوتی اور تسلّی دی جاتی۔

اگر قرآن مجید آپ کی تالیف کردہ اور بنائی ہوئی کتاب ہوتی تو اس قدر انتظار کی صعوبت اور ملامت سننے کی تکلیف برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی اور کیوں تین سال متواتر خاموش رہتے۔

(جس قوم کی طرف وہ کتاب بھیجی جاتی ہے اس جماعت کے حالات بھی اس امر کے متقضی ہوتے ہیں کہ وہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے)
پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس چیز کو وہ کسی قوم یا جماعت کے سامنے پیش کر رہا ہے کیا؟ ایسی چیز ہے جس کو انسان اپنی سعی اور کوشش سے حاصل کر کے لوگوں کو دکھا سکے یا اس میں کسی قسم کی شعبدہ بازی یا نظر بندی چل سکے۔

نیز یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس شے کو پیش کر کے اس کے مقابلہ میں ان سے کیا چیز طلب کی ہے اور کس شے کی قربانی مانگی ہے۔ کیا وہ ایسی قربانی تو نہیں ہے جس کو انسان آزمائشی طور پر دے دیا کرتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جس چیز کو اس نے پیش کیا ہے وہ دھوکے یا فریب کی چیز نہیں ہے اور نہ انسان اس کو اپنی اپنی جدو جہد اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے اور جس قربانی کے واسطے ان سے کہا گیا ہے وہ ایسی قربانی نہیں ہے جو آسانی سے دی جا سکے۔ بلکہ اس کے ادا کرنے میں انسان کو پس و پیش ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس بات کے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت خوشی اور شوق کے ساتھ اس قربانی کو ادا کرتے ہیں تو اس امر کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ جو چیز ان کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ وہ بالکل سچی تھی اور جو دعوے کیا گیا تھا وہ قطعاً صحیح تھا۔

(۱) چنانچہ اسلام نے جو چیز سب سے پہلے دنیا کے سامنے پیش کی وہ توحید کیساتھ روحانیت اور اخلاقی خوبیاں تھیں جو نفسانی کیفیات میں سے ہیں اور ان کا ادراک یا علم آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے ہوتا ہے اور اس روحانیت کے صلہ میں ان سے جان و مال عزت اور آبرو سب کچھ اللہ کے راستے میں طلب کی گئی۔

(۲) مسلمانوں سے قرآن مجید میں وعدہ ہوا کہ فلاں جنگ میں فرشتے تمہاری مدد

کے لئے آسمان سے اتریں گے اور تمہارے دوش بدوش ہو کر کفاروں سے لڑیں گے۔

(۳) ان کو خبر دی گئی کہ قرآن ایک وحی الٰہی ہے۔ جو آسمان سے خدا کے رسُول پر نازل ہوتی اور اُترتی ہے۔

(۴) مسلمانوں سے کہا گیا کہ اس جنگ میں دشمنوں کی تعداد تمہیں کم کر کے دکھائی گئی ورنہ ان کی تعداد اس شمار سے کئی حصّہ زیادہ تھی جو تم نے دیکھی۔

اگر یہ واقعات صحیح نہ ہوتے اور مسلما ن وحی کو آسمان سے نازل ہوتے اور جنگ میں فرشتوں کو کفاروں سے لڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتے اور کفار باوجود کثیر ہونے کے تھوڑی تعداد میں نظر نہ آتے تو وہ قرآن شریف کی سچائی کے ہرگز قائل نہ ہوتے یا جس روحانیت اور سچائی کو ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اگر اس میں صداقت کی بُو نہ ہوتی اور اعمال کی پابندی کے باوجود اس کے روحانی اثر کو دل میں محسوس نہ کرتے تو کبھی اس شخص کے کہنے پر جو اپنے آپ کو خُدا کا رسول اور پیغامبر کہتا تھا۔ جانیں قربان نہ کرتے۔ اور نہ گھر بار چھوڑ کر اس کے پیچھے غربت اور سفر کی تکلیفیں اٹھاتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز اور رشتہ داروں کی جانیں نہ لیتے۔ یہ باتیں انہیں یقیناً اس وقت حاصل ہوئیں جبکہ اسلام نے اپنی صداقت اور سچّائی کا سکہ ان کے دلوں پر اچھی طرح بٹھا لیا تھا۔

اب تک جتنی دلیلیں قرآن عزیز کی صداقت اور اس کی سچّائی کے ثبوت میں پیش کی گئیں۔ ان میں سے ہر ایک دلیل مستقل طور پر قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی کھُلی ہوئی شہادت ہے۔

اگرچہ یہ دلیلیں بظاہر ایک دوسرے سے بالکل جُدا ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ان دلیلوں میں بے مثلیت نمایاں طور پر موجود ہے اس لئے اگر قرآن مجید کی الہامیت اور اس کو کلام الٰہی ثابت کرنے کے لئے بے مثلیت کو اصل دعوےٰ قرار دیتے ہوئے دوسری دلیلوں کو اسی کے ثبوت اور تائید میں پیش کر دیا جائے تو چنداں حرج نہیں ہے۔

ورنہ تفصیلی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی دلیلیں قرآن شریف میں دو قسم کی ہیں اول وہ دلیلیں جو قرآن کریم کی سچائی اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا دعوےٰ کرنے کے بعد اس کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں۔ اس طرح کی چار دلیلیں ہیں۔

(۱) ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ یونس ع۔ یعنی اگر کافر قرآن عزیز کو انسان کی بنائی ہوئی کتاب کہتے ہیں، تو انہوں نے بھی کوئی ایسی کتاب یا اس کی کوئی آیت کی مثال بنا کر دکھائی ہوتی۔

(۲) افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ اگر یہ کتاب خدا کی بنائی ہوئی نہ ہوتی، تو اس کا اسلوب بیان۔ فصاحت اور بلاغت کا انداز سب جگہ سے ایک جیسا نہ ہوتا۔ اور اس کے فیصلے ہمیشہ کے واسطے یقینی اور اٹل نہ ہوتے۔

(۳) وما کان ھذا القرآن ان یفتریٰ من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لا ریب فیہ من رب العالمین۔ اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے کی یہ وجہ بھی ہے کہ نبی عربی صلعم نے باوجود بے خبری اور لاعلمی کے جو ان کو پہلے نبیوں کے حالات اور ان کے مذہبی احکام کے متعلق تھی ان واقعات کا اظہار کیا۔ جو دوسری آسمانی کتابوں توریت اور انجیل وغیرہ کے موافق تھے۔

(۴) یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب ویعفوا عن کثیر۔ اگر قرآن شریف انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہوتی تو اس کتاب میں ان واقعات کے متعلق ہرگز صحیح خبر نہ دی جاتی۔ جن کو بنی اسرائیل نے توریت اور انجیل وغیرہ میں بدل دیا تھا۔ یا اس کو لوگوں کی نظر سے بالکل چھپا رکھا تھا۔

دوسری قسم دلیلوں کی وہ ہے جو صداقت کا دعوےٰ کر کے اس کے ثبوت

میں پیش نہیں کی گئیں۔ البتہ ان سے قرآن عزیز کی سچائی اور اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو رہا ہے چونکہ ایسی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں جن کو کسی خاص ضابطہ میں داخل کرنا مشکل ہے اس لئے ہم نے دلائل کو قاعدہ کلیہ اور ضابطے کے طور پر پانچ قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس مقدمہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ انشاء اللہ ان کے جزئیات کی تفصیل شرح اور بسط کے ساتھ کتاب میں آجائے گی۔

چند ضروری باتیں۔ یاد رہے کہ نبی کریم صلعم پر ۲۳ سالہ نبوت میں ۳ سال انقطاع وحی کے چھوڑ کر ۲۰ سال تک متواتر وحی نازل ہوتی رہی۔ اس بیس سال کے عرصہ میں قرآن عزیز کا بعض حصہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں اور باقی سورتیں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں مسلمان اہل کتاب اور مشرکین یہ تین جماعتیں تھیں جن کی موجودگی میں قرآن شریف نازل ہوتا رہا۔

چونکہ مکہ کے رہنے والے مشرک اور بت پرست ہونے کے علاوہ بداعمال اور برے اخلاقوں کے ساتھ متصف تھے اس لئے مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں توحید اور نبوت کی تعلیم۔ بت پرستی کی مذمت اور شرک کی برائیاں بیان کی گئیں۔ اعمال صالحہ اور اخلاقی خوبیوں کی طرف لوگوں کو بلایا۔ نیکی اور بدی کے ثمرات اور ان کے نتائج سے آگاہ اور باخبر کیا گیا۔ ان تمام دعووں کے ثبوت اور تائید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے گئے اور جب انہوں نے حق کے تسلیم کرنے سے انکار کیا اور مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں دینی شروع کیں اور اپنی تنہائی کی مجلسوں میں اسلام کے مٹانے کی خفیہ تدبیریں اور سازشیں کرنے لگے تو اس وقت حق پرستوں کی فتح اور مخالفین اسلام کی تباہی اور بربادی کی خبریں دی گئیں اور ایسی آیتیں بھی نازل ہوئیں جن میں ان کی خفیہ سازشوں اور مخالفانہ کارائیوں کی اطلاع دی گئی تھی۔

باوجودیکہ اہل مکہ اپنی تدابیر اور خفیہ کاروائیوں کے چھپانے میں پوری احتیاط سے کام لیتے تھے۔ مگر رسول کریم صلعم کو اصلی واقعات کی اطلاع ہو جاتی تھی جس کی وجہ

ہے وہ قرآن عزیز کو سحر اور جادو اور سرور دار دو جہان کو ساحر اور جادوگر کہتے تھے اور کبھی اُن کی راست گوئی کا اقرار کرتے اور ان کو امانت دار اور امین کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ اگر ان کے خیال میں یہ خبریں جھوٹی اور بے اصل ہوتیں۔ تو وہ آپ کی سچائی کے کبھی قائل نہ ہوتے اور نہ ان کی عداوت اور دشمنی سے کبھی یہ اُمید ہوسکتی تھی کہ وہ ایسے موقعہ پر خاموشی اختیار کر لیتے اور اگر کوئی آدمی درمیان میں خبریں دینے والا ہوتا تو وہ اس کو ضرور سزا دیتے یا کم از کم اس کی اچھی طرح تشہیر کرتے لیکن اہل مکہ نے کبھی ایک آدمی بھی ایسا پیش نہیں کیا۔ جس پر جاسوسی کا شک و شبہ کیا جاتا اور نہ کبھی یہ سُنا گیا کہ انہوں نے اس خبر کی اصلیت سے انکار کیا جس کی قرآن شریف میں اطلاع دی گئی تھی۔ یہ تو ہجرت کے پہلے کے واقعات تھے۔

اور جب آپ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کو مخلص مسلمانوں کے علاوہ دو طرح کے آدمیوں سے سابقہ پڑا۔

یہود اور نصاریٰ کی وہ جماعت جو اسلام کی کھلم کھلا مخالف اور دشمن تھی اور بعض ایسے لوگ بھی تھے جو ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جُلے رہتے تھے۔ لیکن دِل سے وہ کفاروں کے ہمنوا اور دوست اور اسلام کے سخت دشمن تھے یہی وہ لوگ تھے جن کا نام آگے چل کر منافقین ہُوا۔

اس لئے ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں اہل کتاب کے باطل عقیدوں اور ان کے خیالات فاسدہ کی تردید کی گئی۔ توریت اور انجیل کی وہ باتیں جو علماء یہود نے دنیوی اللالچ اور عوام کے خوف سے چھپا رکھیں تھیں۔ ان کو دنیا پر ظاہر کیا گیا۔ ان کی خیانت اور بداعمالیوں تحریف اور رشوت ستانی کی خفیہ کاروائیوں پر مذمت کی گئی اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ چالوں کو کھول کر بیان کیا گیا۔ اسی طرح منافقین کے اندرونی جذبات اور جھوٹی باتوں کی اطلاع دی گئی۔ ان کے چھپے ہوئے رازوں اور دلی بھیدوں سے مسلمانوں کو آگاہ اور خبردار کیا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن آج تک کسی موافق یا مخالف تحریر سے ان خبروں کا انکار ان کی طرف سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ منافقین بار

بار کی رسوائی اور ہر دفعہ کی ذلت سے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے۔ کہ ان کو مسلمانوں کی مخالفت کا خیال دل میں رکھتے ہوئے رسوائی کا ڈر ہوتا۔ اور ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ کہیں قرآن ہمارے دلی خیالات اور چھپے ہوئے بھیدوں کو مسلمانوں پر ظاہر نہ کردے چنانچہ قرآن میں اس خطرہ کو اس طرح نقل فرمایا گیا ہے۔ یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم۔ منافقین اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ہمارے دلی رازوں کو ان پر ظاہر کردے۔ یہی حال یہودیوں کا تھا چنانچہ جب قرآن نے ان کے باطل عقیدوں کی تردید کرنی شروع کی۔ اور توریت کے چھپے ہوئے حکموں کو ظاہر کیا تو یہودیوں کو کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس کا انکار کر کے جو باتیں انہوں نے غلط مشہور کر رکھیں تھیں۔ ان کو ثابت کر سکتے۔

انہوں نے مقابلہ کرنے کے بجائے ہمیشہ سکوت ہی کو بہتر اور اولیٰ سمجھا یہی وجہ تھی کہ جب ان کو حق اور باطل کے فیصلہ کے لئے مباہلہ کی دعوت دی۔ اور یہ قرار پایا کہ جھوٹے کے واسطے ہلاکت اور تباہی کی دُعا کی جائے تو یہود اور نصاریٰ میں سے کوئی جماعت بھی اس کے لئے تیار نہ ہوئی۔

اس کے علاوہ چند مرتبہ اہل کتاب نے اپنے خیال کے موافق رسول خُدا صلعم کی سچائی کو پرکھا اور مختلف طریقے سے ان کی صداقت کو جانچا۔ مگر بحمداللہ آپ ہمیشہ اس معیار پر پورے اترے جسکو انہوں نے اپنی رائے میں تجویز کیا تھا۔ چونکہ وہ ان تمام حالات کی وجہ سے قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا۔ اور رسُول خدا صلعم کی صداقت اور سچائی کو معلوم کر چکے تھے۔ اس لئے وہ کبھی اسلام کے مقابلہ میں دِل ٹھوک کر اپنی سچائی پیش نہ کر سکے۔

بلکہ جب علماء یہود نے زانی کی رُسوائی اور معمولی زدوکوب تجویز کی اور اس کو توریت کا حکم بتایا تو اس وقت نبی کریم صلعم نے ان کی تکذیب کی۔ اور یہ فرمایا کہ توریت میں زانی کی سزا رجم، اور سنگسار کرنا لکھی ہے اور جو سزا تم نے تجویز کی وہ ہرگز

توریت کے موافق نہیں ہے۔

لیکن جب یہودی اپنے خیال پر اڑے رہے اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تو آپ نے ابن صوریا سے جو یہودی مذہب کا زبردست عالم تھا۔ قسم دے کر پوچھا کہ کیا توریت میں زانی کی سزا سنگسار نہیں لکھی۔ اس نے اقرار کیا کہ بے شک توریت میں زانی کی یہی سزا ہے جو آپ فرماتے ہیں مگر بڑے درجہ کے لوگوں کی رعایت کر کے ہم نے موجودہ سزا اپنی طرف سے تجویز کی۔ اس فیصلہ پر یہودی سخت برہم ہوئے اور ابن صوریا کے پیچھے پڑ گئے۔ اس وقت ابن صوریا نے ان کے جواب میں جو بات کہی۔ وہ یہ تھی کہ اگر میں ان کے سامنے جھوٹ بولتا۔ تو فوراً عذاب الہی سے ہلاک کر دیا جاتا۔

غرض تمام جماعتوں کو اسلام کی سچائی اور قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا دل سے پختہ یقین تھا۔ لیکن ان کو تعصب اور عداوت نے ایسا اندھا بنا رکھا تھا کہ زبان سے اس کی حقانیت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ اگر ان کو بیس سال کی طویل مدت میں ایک خبر بھی ایسی ملتی جس میں واقعہ کے خلاف بیان کیا جاتا۔ تو وہ ضرور اس کو مشرق سے لے کر مغرب تک مشہور کرنے اور اس کی سچائی کا جو سکہ ان کے دلوں پر آخیر وقت تک بیٹھا رہا۔ کبھی رہنا اور وہ ہر بات میں اس کی مخالفت کرتے لیکن ان کا ایسا کرنا اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ قرآن میں جو کچھ اس کے متعلق خبریں دی گئیں یا ان کے بھیدوں کو ظاہر کیا گیا۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔

چوتھی وہ جماعت جن کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں مسلمان تھے وہ اپنی آنکھوں سے اس کو نازل ہوتا ہوا دیکھتے اور کانوں سے اس کے الفاظ سنتے تھے۔ یہ جماعت فریب خوردہ یا کسی لالچ اور دھوکے میں پڑی ہوئی نہیں تھی قرآن مجید کے فیصلہ کو گہری نظر سے دیکھتے اور نبی علیہ السلام کے حالات لغور مطالعہ کرتے تھے اور فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا جاتا۔ انبیاء سابقین کے متعلق جو خبر دی جاتی۔ اس کو اسی رنگ میں دیکھنا چاہتے۔ جس طرح اس کی اطلاع دی جاتی اور اگر کبھی ان کے خیال میں کسی طے شدہ معاملہ کے خلاف ہو جاتا تو فوراً اعتراض کرتے چنانچہ سنہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے پہلے نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ میں نے

خواب میں دیکھا ہے کہ ہم سب امن اور سلامتی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ہیں بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کیا اور اس خیال سے تقریباً ۱۵ سو مسلمان ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے اور احرام باندھ کر مکہ کی طرف چل پڑے۔ مگر کفار مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا اور اندر نہ جانے دیا۔ اور چند شرائط کے ساتھ اس بات پر صلح کر لی کہ مسلمان اب واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آکر بیت اللہ کا طواف کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہریں۔

جب رسول خدا صلعم اس کے بعد مکہ سے واپس ہونے لگے تو حضرت عمرؓ نے یہ اعتراض کیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ نے تو فرمایا تھا۔ کہ مسلمان مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ مگر ہم تو بے نیل مرام راستہ ہی سے واپس کر دیئے گئے آپ نے فرمایا کہ عمر کیا میں نے یہ کہا تھا۔ کہ اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا پھر تردد کس بات کا ہے۔ اگر اس سال داخلہ نہیں ہوا ہے تو نہ ہو۔ انشاء اللہ اگلے سال ضرور اطمینان کے ساتھ مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے۔

نیز سنہ ۹ھ میں سرور عالم صلعم کے صاحبزادے ابراہیم کا شیر خوارگی کے زمانہ میں انتقال ہو گیا۔ اس صدمہ سے آپ کے آنسو نکل آئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ تو مردوں پر نوحہ کرنے اور رونے سے منع فرمایا کرتے ہیں اور آپ خود رو رہے ہیں۔ فرمایا کہ عبدالرحمٰن یہ ایک رحمت ہے۔ جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کی ہے۔ زبان سے چیخنا۔ اور پکارنا کپڑے پھاڑنا۔ یہ چیزیں ناجائز اور حرام ہیں۔ محض آنکھوں سے رونا منع نہیں ہے۔ اسی طرح جب آپ کی صاحبزادی زینبؓ کی لڑکی کا انتقال ہوا تو آپ فرط غم سے آبدیدہ ہوئے اس وقت سعد بن معاذ نے بھی اعتراض کیا تو آپ نے ان کے جواب میں اسی قسم کا جواب عنایت فرمایا۔ کہ جو عبدالرحمٰن بن عوف کو دیا تھا۔

نیز غزوہ احد میں آپ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم نے نافرمانی اور عدول حکمی نہ کی تو فتح تمہاری ہی ہو گی چنانچہ ابتدا میں مسلمانوں

کی فتح ہی رہی اور کفار میدان جنگ کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ لیکن تیر انداز مسلمانوں کا دستہ جن کو پہاڑ کی ایک گھاٹی پر رسول خدا صلعم نے متعین فرمایا تھا اور ان کو یہ ہدایت فرما دی تھی۔ کہ تم آخر دم تک اپنی جگہ پر قائم رہنا مگر انہوں نے مسلمانوں کی فتح کو دیکھ کر اپنا مرکز چھوڑ دیا۔ اور نیچے اتر کر مسلمانوں کے ساتھ لوٹ میں شریک ہو گئے۔ اس نافرمانی کی وجہ سے فتح کا رُخ بدل گیا۔ اور مسلمانوں کی شکست ہو گئی۔ صحابہؓ کو اس شرط کا خیال نہ رہا اور انہوں نے پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ نے تو فتح کا ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اور یہاں شکست ہو گئی۔ تو آپ نے اس شرط کو یاد دلایا۔ جس سے صحابہ کو بالکل اطمینان ہو گیا اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے وہ یہ کہ رسول خدا صلعم عصر کے بعد نفلیں پڑھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز اُم سلمہؓ جو آپؐ کی اہلیہ محترمہ ہیں حضور صلعم کو نماز عصر کے بعد نفلیں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ فوراً خادمہ کو بھیج کر اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میری ظہر کی سنتیں رہ گئی تھیں۔ ان کی قضا کر رہا تھا۔

ان واقعات کی موجودگی میں ہر شخص جان سکتا ہے کہ جو کچھ قرآن عزیز میں دوسری قوموں کے خفیہ بھیدوں اور دلی رازوں کو ظاہر کیا گیا یا اعمال صالحہ کی پابندی سے تزکیہ نفس اور صفائی قلب کی اطلاعیں دی گئیں۔ یا جن آدمیوں میں مسلمانوں سے فتح و نصرت کے وعدے ہوئے یا گذشتہ اور آئندہ واقعات کے متعلق پیشین گوئیاں ہوئیں سب کی سب درست اور صحیح تھیں اگر یہ خبریں بے اصل ہوتیں یا ان میں سے کوئی بات خلاف واقعہ اور جھوٹی نکلتی۔ تو یہ لوگ کبھی سکوت اور خاموشی اختیار نہ کرتے اور نہ دیر تک رسول اللہ صلعم کی اطاعت اور فرماں برداری پر قائم رہتے۔

اس لئے معلوم ہوا کہ یہ محض سچائی اور صداقت ہی کا اثر تھا۔ جس نے ان کو وطن عزیز کے چھوڑنے اور خویش و اقربا کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے اور اپنی جان و مال کو آنحضرت صلعم کی اداؤں پر قربان کرنے کے لئے آمادہ اور تیار کر دیا تھا۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ہم نے دلائل کے بیان میں ہر جگہ قرآن عزیز کی آیتیں ذکر

کی ہیں۔ مگر ان کا بیان کرنا قرآن مجید کی سچائی پر استدلال کرنے یا ان سے دلیل پکڑنے کی غرض سے نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے کسی جگہ قرآن کی صداقت اور اس کے کلام الٰہی ہونے پر نقلی دلیل سے استدلال نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کو محض اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ ان کے ان اوصاف اور خوبیوں کو دکھایا جائے جو کسی انسان کے کلام میں نہیں ہوتیں۔ اور وہ رب العزت ہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں اس کے بعد ایک سمجھ دار آدمی کے لئے اپنی طبیعت میں یہ فیصلہ کر لینا آسان اور سہل ہو جاتا ہے کہ جب یہ معانی اور اوصاف خدا کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کے سوا کسی غیر میں نہیں پائے جاتے تو یقیناً وہ کلام بھی جس میں یہ خوبیاں موجود ہیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہوگا۔ البتہ آیات کے متعلق جو تاریخی واقعات ہیں اس میں ہم نے اسلامی سیر اور حالات کی معتبر کتابوں سے ضرور مدد لی ہے لیکن ایسا کرنے سے ان دلائل کے عقلیہ ہونے پر کسی قسم کا نقص وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ کسی قوم کا تاریخی مواد اسی جماعت کے معتبر افراد سے مل سکتا ہے دوسری قوموں کی تاریخوں میں اس کو ڈھونڈنا۔ تجربہ اور روزانہ مشاہدہ کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بعینہ ایسا ہوگا۔ جیسے کوئی ہندوؤں کے حالات مسلمانوں کی تاریخ میں ٹٹولے۔ اور چینیوں کے واقعات ہندوستان کی تاریخ میں تلاش کرے۔

نیز ہم نے قرآن کریم کی ان آیتوں کے متعلق جن میں کسی جماعت کی خفیہ کارروائیوں اور دلی بھیدوں اور رازداری کی باتوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے سکوت اور انکار کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ایسے حالات بہم پہنچائے ہیں۔ جن سے ان خبروں کی تصدیق اور ان کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اس بات کا بھی خاص طور پر التزام کیا ہے کہ کوئی بات بلا تحقیق اس کتاب میں درج نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بات پر کسی نہ کسی معتبر کتاب کی سند ضرور پیش کر دی گئی ہے۔

اس کتاب کو سہل اور آسان بنانے کی حتی الوسع پوری کوشش کی ہے اگر اس کے بعد بھی کسی جگہ مطلب کی ادائیگی میں کوتاہی یا قصور نظر آوے تو

اس کو بشری کمزوری پر محمول کرتے ہوئے ناظرین معاف فرما دیں۔ مجھے اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا خود اعتراف ہے اور خصوصاً کلام آلہی کے رموز اور نکات تک رسائی حاصل کرنا میری عقل کی پرواز سے کوسوں دُور ہے۔ بیت

وما انا الا جاهل بكتابه والعلم عند الله جل جلاله

اخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا من خلق الانسان وعلمہ ما لم یعلم وانطقہ
با فصاح مرادہ وافہمہ ما لم یفہم فخص منہم
العلماء بمطالب کتابہ وخبایاہ حتی کشفوا الاستار
عن وجوہ خرائدہ فتجلی لنا ضرایاہ۔ لک الحمد
لیس لہ النہایہ والشکر علی الائک بالغاً الی غایہ
نعلمنی القرآن وتادیلہ واوصلنی الی الحق وادنی
سبیلہ یا من بیدہٖ ملکوت کل شیءٍ وتقبلہ منّی انہ جمید مقل کما تقبلت من
خلیلک ابراھیم وحبیبک محمد صلی علیہما کما تحب وترضی کلما اکتبا من خیر العمل
بجاہ من ختمت بہ البنین وارسلتہ رحمۃ للعالمین
وجعلتہ سید الاوّلین والاخرین واعلیت درجتہ فی العلّیین
فصل علیہ وعلیٰ سائر الانبیاء والمرسلین وارزقنا شفاعتہ
یوم الدین ثم انزل رحمۃ منک علیٰ اصحابہ الابرار
وآلہ الاخیار وعلیٰ الائمۃ الہداۃ الیٰ یوم القرار
رب ھب لی من لدنک اخلاصاً فی العمل وجنبنی
عن الریاء والسمعہ وطول الامل۔ اٰمین
برحمتک یا ارحم الراحمین

قرآن خدا کی کتاب ہے اسی نے اس کو نازل کیا اور وہ ہی اس کلام کے ساتھ متصف ہے۔ مخلوقات میں سے کسی شخص نے اس کو نہیں بنایا اور نہ ہی کسی انسانی ہاتھ کا اس کلام کی تالیف اور ترتیب میں کوئی دخل ہے۔

اس دعوے کے ثبوت میں قرآن عزیز کے ان اوصاف اور خوبیوں کو پیش کیا گیا جن کا ظاہر ہونا خدائی طاقت کے سوا کسی اور طاقت سے ناممکن ہے چونکہ وہ اس وجہ سے ایسے کمالات پر حاوی ہے جن کی مثال مخلوقات میں سے کوئی شخص پیش نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ کلام خدائی چیزوں کی طرح یگانہ اور بے مثل ہے۔ یعنی جس طرح خدا کی طرف منسوب ہونے والی چیزیں بے مثل اور یگانہ ہوتی ہیں۔ اور مخلوقات میں سے کوئی شخص اس کی نقل نہیں اُتار سکتا۔ بعینہٖ اسی طرح دنیا کی تمام علمی قوتیں قرآن شریف کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور اس کی نقل اُتارنے سے قطعی طور پر مجبور اور درماندہ ہیں۔

قرآن مجید کے ان اوصاف اور خصوصیتوں میں سے جن سے اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے ایک صفت یہ ہے کہ اس میں بہت سے آئندہ آنے والے واقعات اور حالات کی ایسی اطلاعیں دی گئیں جن کا کبھی خلاف نہیں ہوا اور ان میں سے ہر ایک پیشین گوئی اپنے وقت پر پوری ہوتی رہی۔

سوال:۔ غیب کی خبریں نجومی اور رمال وغیرہ بھی دیا کرتے ہیں ایسی خبروں سے قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا کیونکر ثابت ہوتا ہے۔

جواب:۔ نجومی اور رمال۔ کاہن اور جفار وغیرہ آئندہ حالات کی خبریں دیتے ہیں۔ مگر ان کی ہر ایک خبر سچی نہیں ہوتی۔ اور اگر کوئی خبر کسی وقت سچی نکل آتی ہے۔ تو اس میں بھی ایک حصہ سچائی اور دس حصہ جھوٹ ہوتا ہے۔ لیکن خدا کی بتائی ہوئی خبریں ایسی نہیں ہوتیں۔ اس کی ہر ایک پیشین گوئی پوری ہونے والی اور اس کی ہر ایک خبر سچی ہوتی ہے۔ وہاں کذب اور جھوٹ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

دوسرے کبھی نجومی یا رمال کسی خاص شخص کے متعلق ایسی خبر نہیں دیتا کہ جن کا بدلنا یا نہ کرنا اس شخص کے اختیار میں ہو جس کے متعلق وہ پیشین گوئی کرنا چاہتا ہے۔

مگر خدا تعالیٰ صاف طور پر کسی خاص آدمی یا جماعت کے بارے میں یہ خبر دیتا ہے کہ وہ ایسا کرے گا۔ باوجودیکہ وہ ایسی خبر ہوتی ہے کہ اگر وہ اس کو بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے۔ اور اس کو اس پیشین گوئی کا علم بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اس خبر کو پورا ہونے سے نہیں روک سکتا۔ اور وہ پیشین گوئی اسی طرح پوری ہو کر رہتی ہے۔ جس طرح کہ حق تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ کاہن اور نجومی وغیرہ کسی خاص قوم یا جماعت کی قسمت کا فیصلہ قیامت تک کے واسطے نہیں کر سکتے۔ ان کے ذرائع معلومات چند قاعدے اور حسابات ہیں جو ایک خاص وقت کے متعلق کچھ ظاہر کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی قوم کے بارے میں زمانہ دراز کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

مگر خدا تعالیٰ کی پیشین گوئیوں کا حال بالکل اس سے جدا ہے۔ وہ قوموں کے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہے۔ قریب اور بعید دور و نزدیک کی خبریں دیتا اور ہر زمانہ کے متعلق ایک قطعی حکم سناتا ہے اور وہ جو خبر دیتا ہے اس کا ہر جزء صادق اور سچا ہوتا ہے۔ نجومی اور جفار کی طرح کوئی بات سچی اور کوئی جھوٹی نہیں ہوتی بلکہ اس کی ہر ایک پیشین گوئی اور غیب کی خبر درست اور پوری ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں بھی جس قدر غیب کی خبریں اور آئندہ کے متعلق پیشین گوئیاں ہیں وہ اسی قسم کی ہیں جن سے ان کا خدائی خبریں اور اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ باب اولا

الاخبار بما هو كائن سواء كان تغير في ايدى الناس

یعنی ان آنے والے حالات اور واقعات کا بیان جن کی اطلاع قرآن مجید میں وقت سے پہلے دی گئی اور ان میں سے ہر ایک پیشین گوئی اپنے وقت پر پوری ہوئی۔

ان پیشین گوئیوں میں بعض ایسی پیشین گوئیاں ہیں جن میں کسی قوم یا شخص کی فتح اور نصرت کا وعدہ کیا گیا یا کسی جماعت کے متعلق شکست کی خبر دے گئی ہے اور ان میں ایسی پیشگوئیاں بھی ہیں جن کا پورا کرنا یا نہ کرنا اور اس کو بدل دینا ان لوگوں کے اختیار میں تھا۔ جن کی بابت وہ پیشنگوئی ہوئی تھی۔ اور بعض پیشنگوئیاں ایسی ہیں جنمیں آنیوالے واقعات کی قبل از وقت اطلاع دی گئی۔ اور وہ کچھ عرصہ کیبعد حرف بحرف پوری ہوئیں۔ ان تین قسم کی پیشنگوئیوں سے ہر ایک قسم کی پیشنگوئیاں الگ الگ تین فصلوں میں بیان کی جائیں گی۔

فصل اوّل

ان پیشین گویوں اور غیب کی خبروں میں جن میں کسی قوم کی فتح اور شکست کی اس وقت خبر دی گئی جبکہ ایک جماعت کی فتح اور نصرت اور دوسرے کی شکست کے کوئی آثار یا نشانات موجود نہ تھے۔ مخالفین اس خبر پر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور ان پر پھبتیاں کستے تھے۔ لیکن عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ جو ضعیف اور کمزور تھے وہ طاقتور دشمنوں کے مقابلہ میں کیونکر فتح مند اور کامیاب ہوئے اور جنہیں اپنی قوت اور طاقت پر ناز تھا وہ کس طرح ہمیشہ کے لئے رسوا اور ذلیل ہو گئے۔ اس قسم کی پیشنگویوں میں ایک پیشین گوئی یہ ہے۔

(۱) جب مکہ کی گلیوں میں محمد عربی صلعم نے حق کی آواز اٹھائی اور صفا پہاڑ کی چوٹی پر توحید کا جھنڈا بلند کیا تو درخت اور پتھروں کے پوجنے والوں میں کھلبلی اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ مکہ کے سرداروں نے مخالفت پر کمر باندھی آپ کے رسولؐ ہونے سے انکار کیا اور قرآن کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اس وقت خدا کے ایلچی حضرت محمد صلعم نے حق کے مخالفوں اور سچائی کے انکار کرنے والوں کو اس کا یہ پیغام سنایا۔ لَقَدْ اَھْلَکْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ پ۱۱ ع

(اے مکہ کے رہنے والو) ہم نے تم سے پہلے ایسی جماعتوں کو ہلاک کیا ہے جو آنے والے رسولوں کی باوجود سچائی کی نشانیوں کے نافرمانی کرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ ہر مجرم اور نافرمان قوم کے ساتھ ہماری یہی عادت رہی ہے۔

رسول کی مخالفت کرنے اور قرآن کی آیتوں کو جھٹلانے کے خطرناک انجام سے ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار ان کو مطلع اور خبردار کیا گیا۔ لیکن ان کی عداوت اور سرکشی روز بروز بڑھتی رہی اب انہوں نے مسلمانوں کو ستانا اور توحید پرستوں کو ایذا دینا

شروع کردی۔ خدا کے سچے رسولؐ کی ہنسی اڑاتے اور ان کو ایسی تکلیفیں دیتے۔ جو برداشت سے باہر ہوتیں۔ اس وقت ان کو ان تکالیف پر تسلی دینے اور ان سے فتح و نصرت کا وعدہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ پ ۲۳ ع ۵۔ رسولوں کے حق میں ہمارا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ مظفر اور منصور رہوں اور ہمارا لشکر مخالفین پر غالب رہے (اے محمدؐ) آپ کچھ دن کے لئے ان سے اعراض فرمائیے۔ یہ فتح اور کامیابی کی خوشخبری تھی۔ جو مسلمانوں کو سنائی گئی۔ مگر اس قسم کی پیشین گوئیوں سے اہل مکہ کے غصہ اور غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ ان کو زیادہ تکلیفیں دینے لگے۔ جب مسلمانوں کی مصیبتیں حد سے گزر گئیں اور غضب الٰہی نے کفاروں سے اس کا بدلہ اور انتقام لینا چاہا تو پیغمبر خداؐ اور ان کے متبعین کو مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کی ہدایت فرمائی اور اہل مکہ[۱] کے مقابلہ میں فتح اور نصرت کی یہ پیشین گوئی سنائی۔ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا پ ۱۵ ع ۸۔ قریب ہے کہ سرداران مکہ آپ کو برانگیختہ اور پریشان کر کے مکہ سے نکالیں۔ لیکن اس صورت میں وہ بھی دیر تک نہ رہیں گے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے وقت آپ کی نبوت کو ظاہر ہوئے تیرہ[۲] برس ہو چکے تھے مگر مسلمان اسی طرح کمزور اور دشمن ان کے مقابلہ میں قوی تھے۔ اور اس وقت اسلام کی کس کو اطلاع تھی۔ کہ مسلمان اس درجہ کمزور اور ضعیف ہونے کے باوجود کسی وقت اہل مکہ کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ لیکن اس[۳] خبر کے ایک سال بعد بدر کی لڑائی ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو فتح اور کافروں کو سخت نقصان اٹھا کر بھاگنا پڑا۔

اس سے پہلے اسی فتح کے متعلق یہ پیشین گوئی ہو چکی تھی۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ پ ۲۷ ع ۱۰۔ قریب ہے کہ کفاروں کی جماعت کو شکست ہو

۱؎ بیضاوی مطبوعہ مصر ص ۱۲۱ ۲؎ بیضاوی

اور وہ پشت دکھا کر بھاگیں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مجھے اس بات کا بڑا تعجب تھا کہ ضعیف اور کمزور مسلمان قوی اور زبردست دشمن کے مقابلہ میں کس طرح فتح مند اور کامیاب ہوں گے۔ مگر جس وقت بدر کے میدان میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے رسالت پناہ صلعم کو یہ آیت تلاوت کرتے سُنا۔ تو اس وقت سمجھا کہ یہ آیت اسی دن کے لئے اُتری تھی۔ اور اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا یہی وقت ہے۔ بخاریؒ کا بیان ہے کہ مکہ میں سُورۃ دخان کی یہ آیت یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ پ ۲۵ ع ۲ (ہم اہل مکہ سے سخت پکڑ کے دن بدلہ لیں گے) جنگ بدر کے متعلق فتح کی خبر دینے کے واسطے نازل ہوئی تھی۔

غرض اس قسم کی آیتوں کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلعم نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو اس بات کی خبر دی کہ عنقریب تمہارے ہاتھوں سے مکہ کے بڑے بڑے سردار ہلاک اور قتل کئے جائیں گے۔

پھر بدر کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے یہ بھی بتادیا کہ ابوجہلؓ، عتبہؓ، شیبہ پسران ربیعہؓ، ولید بن عتبہؓ، امیہ بن خلفؓ، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ سرداران مکہ کے قتل ہونے کی فلاں فلاں جگہ ہے حضرت انس جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے دیکھ لیا۔ کہ ہر ایک کی لاش اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جس جگہ نبی کریم صلعم نے نشان لگایا تھا۔

چونکہ ان پیشین گوئیوں کے ظاہر ہونے کا وقت آگیا تھا اور خدا نے جو مسلمانوں سے فتح اور نصرت کا وعدہ کر رکھا تھا۔ اس کے پورے ہونے میں اب دیر نہ رہی تھی اس لئے بدر کے میدان میں دونوں طرف کے لشکروں کا دفعتہً اور اچانک مقابلہ ہو گیا۔ ابوجہلؓ کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ اور مسلمانوں کا استیصال اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی غرض سے آیا تھا۔ اور ادھر مسلمانوںؓ کی جمعیت بالکل تھوڑی تھی۔ ان کے پاس لڑائی کا بھی کوئی سامان نہ تھا۔ وہ اپنی کمزوری اور دشمن کی طاقت کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے لیکن

۱؎ ابن کثیر و بیضاوی صفحہ ۲۵۵ ، ۲؎ بخاری صفحہ ۲/۱۷۰ ، ۳؎ رواہ مسلم ، ۴؎ مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۳ ، ۵؎ تفسیر کبیر ج ۴

جبؐ خدا کے رسول نے جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔ فتح اور کامیابی کی خوش خبری سنائی تو مسلمان توکل بخدا ہتھیلی پر سر لئے طاقت ور دشمن کے مقابلہ میں شیروں کی طرح میدان میں کود پڑے مسلمانوں کی ساری جمعیت تین سو تیرہ[۱] تھی۔ ۷۰ اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ دو، دو چار چار آدمیوں کے حصہ میں آیا ہوا تھا جس پر وہ باری باری سے سوار ہوتے تھے لڑائی کے سامان میں ۶ زرہیں اور ۸ تلواریں ان کے پاس تھیں دو گھوڑے تھے۔ جو اپنے اپنے مالک مرثد بن مرثد اور مقداد بن عمرو کے قبضہ میں تھے۔ مشرکین کی تعداد ۹ سو اور دس سو کے درمیان تھی۔ جو سب کے سب جنگ آزما بہادر اور نوجوان تھے۔ ان کے پاس سو گھوڑے تھے۔ جن میں سے تیس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور ۷۰ بچکر مکہ پہنچے۔ سات سو اونٹ سواری کے تھے۔ اس کے علاوہ تقریباً دہ پانچ دن بدر کے میدان میں ٹھیرے۔ ہر روز نو یا دس اونٹ ذبح کرتے تھے۔ مگر ایسے زبردست دشمن کے مقابلہ میں مسلمان کامیاب رہے اور مخالفین سخت نقصان کے ساتھ پسپا ہوئے اور ان کے ۷۰ آدمی قید اور ۷۰ ہی نامور سردار تلوار کے گھاٹ اتارے گئے مسلمانوں کے صرف ۱۴ آدمی شہید ہوئے قرآن کا وعدہ پورا ہوا اور مسلمان باوجود ضعیف اور کمزور ہونے کے قوی اور طاقت ور دشمن کے مقابلہ میں فتح مند اور کامیاب ثابت ہوئے۔

(۲) ۸ رمضان سنہ ۲ ھ کو مدینہ میں یہ خبر پہونچی کہ مکہ والوں کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں تجارت کر کے شام سے مکہ کی طرف جا رہا ہے مسلمانوں نے ان کا راستہ روکنا چاہا اور نبی علیہ السلام اس ارادہ سے رمضان کی آٹھویں تاریخ کو تین سو تیرہ ۳۱۳ آدمی لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ لیکن ابوسفیان کو مسلمانوں کے اس ارادہ کی اطلاع ہو گئی اس نے ضمضم بن عمرو الغفاری کو اجرت دے کر مکہ والوں کے پاس مدد کے لئے بھیجا۔ اور اپنے آپ مدینہ کا راستہ چھوڑ کر دریا کے کنارے کنارے سلامتی کے ساتھ صاف نکل گیا۔
اہل مکہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ تو وہ ایک ہزار کی جمعیت سے لے کر

---

[۱] تفسیر ابن کثیر، [۲] ماخوذ از تاریخ ابن خلدون[۳] وغیرہ ابن ہشام ابوالمسعود وغیرہ۔
[۳] تفسیر ابن کثیر و تاریخ ابن خلدون۔

مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑے

اگرچہ راستہ میں ان کو یہ علم ہو چکا تھا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی بخیر و عافیت مکہ پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ بعضوں نے واپسی کا مشورہ بھی دیا۔ لیکن ابوجہل نے یہ کہہ کر اس مشورہ کو رد کر دیا کہ آج ہم محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا استیصال کر کے واپس ہوں گی۔

غرض اہل مکہ منزلیں طے کرتے ہوئے بدر کے میدان میں پہنچ کر ٹھہر گئے مسلمان جو بہت تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ آئے تھے۔ جن کے پاس لڑائی کا سامان بھی کافی نہ تھا جب انہوں نے دیکھا کہ تجارتی قافلہ بچ کر نکل گیا ہے۔ اور اس کی جگہ ایک قوی اور زبردست دشمن سامنے ہے۔ تو مسلمان لڑائی سے جی چرانے لگے اور چاہتے تھے کہ بغیر مقابلہ کئے مدینہ واپس چلے جائیں۔ اس وقت مسلمانوں کو فتح اور کامیابی کی خوشخبری سنانے کے لئے یہ آیت اتری۔ اذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انہا لکم[1] اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ دو جماعتوں میں ایک جماعت پر تمہارا ضرور غلبہ ہوگا۔ اگر کمزور اور نہتے تمہارے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے ہیں تو دوسری جماعت کے مقابلہ میں جو قوی اور زبردست ہے یقیناً تمہیں فتح حاصل ہوگی۔

دنیا نے دیکھ لیا کہ قرآن کا یہ وعدہ طاقتور دشمن کے مقابلہ میں کس طرح پورا ہوا۔ ضعیف اور کمزور ہاتھوں نے کیونکر قوی اور زبردست دشمنوں کا سر کچلا۔ اگر یہ وعدہ حضرت محمد صلعم کی طرف سے ہوتا تو وہ اس بے سروسامانی میں کبھی کامیاب نہ ہوتے۔ اور نہ ان میں اس وعدہ کو پورا کرنے کی کوئی ظاہری طاقت تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ وعدہ خدا ہی کا وعدہ تھا اور اسی نے یہ آیت نازل کی تھی۔

(۳) مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع۔ بنو نضیر۔ بنو قریظہ آباد تھے اور انصار کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے۔ تو انصار کے دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے اور یہودی اسی طرح اپنے دین پر قائم رہے۔ یہودیوں نے ایک مدت کے لئے رسول خدا صلعم سے اس بات پر صلح کر لی کہ فریقین

---

[1] تفسیر کبیر۔

میں سے کوئی جماعت دوسرے فریق کی مخالفت نہ کرے اور نہ مخالفین کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لے۔ ایک[1] دن رسُول خدا صلعم نے بدر کی مہم سے فارغ ہو کر بنی قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کے سچے دین کو اختیار کرو۔ ورنہ تم بھی اہل مکہ کی طرح تباہ اور ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

یہودی[2] جو مسلمانوں کی فتح اور کامیابی پر پہلے ہی بھرائے ہوئے تھے یہ بات سُنکر آگ بگولہ ہو گئے اور سختی کے ساتھ جواب دیتے ہوئے یہ کہا کہ اے محمد (صلعم) چند ناتجربکاروں کے مقابلہ میں کامیاب ہو جانے سے آپ مغرور نہ ہوں۔ اگر کہیں ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو گیا تو تمہیں اپنی قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو یہ سُن کر خاموش ہو رہے۔ مگر قرآن میں ان کی تعلّی کا یہ جواب دیا گیا۔ قل للذین کفروا ستغلبون۔ (پ ۳ ع ۱۰) اے محمد کافروں سے کہدو کہ تم عنقریب مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب کئے جاؤ گے اس آیت میں مسلمانوں کو یہودیوں کے مقابلہ میں فتح اور نصرت کی خبر دی گئی اور یہ بتایا گیا کہ جب کبھی مسلمان اور یہودیوں کی جنگ ہو گی تو مسلمان ہی غالب رہیں گے۔

اس پیشین گوئی کو نازل ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ یہودیوں[3] نے بنی قینقاع کے بازار میں ایک غریب مسلمان کو جان سے مار ڈالا۔ اور معاہدہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ابن ہشام نے اپنی سیرۃ میں لکھا ہے کہ مسلمان عورت کی اس بازار میں یہودیوں نے بے عزتی اور پردہ دری کی تھی۔

غرض جب یہودیوں نے عہد شکنی میں ابتدا کی اور معاہدہ کو توڑ ڈالا تو اس وقت مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ۔ پ ۱۰ ع ۳۔

---

[1] رواہ ابن کثیر عن ابن عباس۔ مغازی ابن اسحاق۔ سیرۃ ابن ہشام وغیرہ۔
[2] ابن خلدون صفحہ ۱۰۴۔ [3] بیضاوی تفسیر ابن کثیر، ابن خلدون۔

اگر آپ کسی قوم کی عہد شکنی سے ڈریں۔ تو ان کے عہد کو پھینک دیجئے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کافروں کی جماعت اس خیال میں نہ رہے کہ وہ خدا سے بچ کر نکل جائے گی وہ اپنے پکڑے جانے سے اللہ کو کبھی عاجز نہیں کر سکتے۔ اس آیت میں بھی صاف طور پر بتا دیا کہ یہودیوں کی طاقت اور قوت ان کو خدا کی مقرر کردہ سزا سے جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے دی جانے والی ہے نہیں بچا سکتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب مسلمان اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان سے لڑنے کے لئے بنو قینقاع کے محلوں میں پہنچے جو مدینہ کے اطراف اور جوانب میں تھے۔ تو یہ قوم اپنے گھروں میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہی چونکہ یہ واقعہ جنگ بدر کے دو یا اڑھائی مہینہ بعد ہوا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی حالت بدر کی طرح کمزور اور ضعیف تھی اس کے خلاف یہودیوں میں ۷۰۰ آدمی جنگ جو اور تین سو زرہ پوش جوان تھے۔ لیکن باوجود ان تمام واقعات کے اس جماعت کو مسلمانوں سے لڑنے اور ان سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ مسلمانوں نے پندرہ روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ سولھویں دن یہودیوں نے محاصرہ سے تنگ آکر اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ جب یہودیوں کی مشکیں باندھ کر رسول اللہ صلعم کے سامنے لائی گئیں تو آپ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا۔ صرف اتنی سزا دی کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ چلے جائیں چنانچہ یہاں سے اُٹھ کر وہ خیبر چلے گئے۔ اور وہیں جا کر آباد ہو گئے۔ قرآن نے جو مسلمان کے غلبہ کی خبر دی تھی وہ پوری ہوئی۔ یہودیوں کی طاقت اور قوت اس پیشین گوئی کو پورا ہونے سے نہ روک سکی۔

(۳) بدر کی لڑائی میں جو کافروں کو شکست اٹھانی پڑی۔ اس کا مکہ والوں کو سخت رنج تھا۔ وہ مسلمانوں سے اس ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے نہایت بے چین تھے۔ انہوں نے ایک سال تک مقابلہ کی تیاری کی۔ جب ان کے پاس اطمینان کے قابل مال و دولت اور لڑائی کا سامان جمع ہو گیا تو وہ شوال ۳ھ کو رسول خدا صلعم سے لڑنے کے لئے مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس دفعہ مکہ والوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں سے سات سو

۱؎ ابن خلدون۔ ۲؎ ایضاً

زرہ پوش جوان اور بہادر اور دو سو سوار تھے۔ ابوسفیان لشکر کا سپہ سالار تھا۔ ان کے ساتھ ۱۵ عورتیں دف لئے ہوئی تھیں۔ جو بدر میں قتل ہونے والوں پر روتیں اور ان کو لڑائی پر ابھارتیں اور غیرت دلاتی تھیں۔ یہ پیدل اور سواروں کا گروہ ۱۲ شوال[1] بدھ کے دن اُحد پہاڑ کے نزدیک ذوالحلیفہ (بطن سنجہ) میں پہنچ کر ٹھہر گیا۔ نبی علیہ السلام کو بھی اس لشکر کے آنے کی خبر ہو گئی۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے بطور مشورہ فرمایا۔ کہ مدینہ میں قلعہ بند ہو کر لڑنا میرے خیال میں باہر جا کر لڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔ انصار میں سے اکثر لوگوں نے اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا۔ آپ نے[2] یہ بھی فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک گائے ذبح کی ہوئی میرے پاس پڑی ہے۔ جو بہترائی اور خیر کی علامت ہے اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار کند ہو گئی۔ اور اس میں دندانے پڑ گئے ہیں۔ جن کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں ہزیمت اٹھانی پڑے گی۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں چھپا لیا ہے۔ وہ زرہ مدینہ ہے۔ اس لئے مدینہ میں رہنے سے میرے نزدیک امن رہے گا۔ اور اس سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے لیکن بعض جوشیلے اور نوجوان مسلمانوں نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ وہ مدینہ سے باہر میدان میں نکل کر لڑنا چاہتے تھے۔ نعمان بن مالک انصاری نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ ہمیں درجۂ شہادت کے حاصل کرنے سے نہ روکئے اور کھلے میدان میں کافروں سے لڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ رسول خدا صلعم نے ان لوگوں کے اصرار پر میدان میں لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔[3] چنانچہ آپ سات سو آدمیوں کی جمعیت لے کر ۱۴ شوال ۳ھ کو بعد نماز جمعہ مدینہ سے باہر نکلے۔ اس مہینہ کی پندرہویں تاریخ کو ہفتہ کے دن صبح سویرے اُحد پہاڑ کی ایک گھاٹی کے قریب اُتر پڑے۔ مسلمانوں کے اس لشکر میں پچاس تیرانداز اور پچاس سوار تھے۔ اور باقی ساری فوج پیدل تھی۔ ابن[4] عباس فرماتے ہیں کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں

---

[1] ابن خلدون نے ۴ تاریخ لکھی ہے مگر عام اہل سیر اور مفسرین ۱۲ شوال لکھتے ہیں۔

[2] ابوالسعود جلد ۲ صفحہ ۳۷۷ [3] تفسیر ابوالسعود ابن خلدون [4] رواہ ابن کثیر فی تفسیرہ۔

کو فتح اور کامیابی کی خبر دینے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ بَلٰۤی اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا پ ۴ ع ۴۔ اگر تم نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کی تو تمہاری کامیابی یقینی ہے۔ پیغمبر خدا صلعم نے بھی درّہ کی حفاظت کے لئے تیر اندازوں کی جماعت کو متعین کرتے ہوئے فرمادیا تھا کہ ہم اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اس درہ کو نہ چھوڑو گے۔ چونکہ اس جنگ میں فتح اور نصرت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ اگر مسلمان رسول خدا صلعم کے حکم پر چلتے رہے اور ان کی نافرمانی نہ کی تو کامیابی کا سہرا مسلمانوں کے سر رہے گا۔ ورنہ وہ فتح اور نصرت کی خوشی سے محروم کر دیئے جائیں گے اس لئے اس پیشین گوئی کے دو حصے ہو گئے تھے۔ (الف) اطاعت اور فرمانبرداری کی صورت میں فتح اور کامیابی (ب) رسول خدا صلعم کے حکم کو نہ ماننے اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے شکست کا ہونا یہ دو پیشین گوئیاں تھیں جو اس جنگ میں پوری ہوئیں۔ چنانچہ جب رسول خدا صلعم اپنی جماعت کے ساتھ اُحد پہاڑ کے قریب اُترے تو اپنے تیر اندازوں کی جماعت کو درہ کی حفاظت کے واسطے متعین فرمایا تاکہ مخالفین کا لشکر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ اور عبد اللہ ابن جبیر کو اس جماعت کا افسر مقرر کر دیا اور فرمایا کہ ہماری خواہ فتح ہو یا شکست۔ مگر تم اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا اور آپ ساڑھے چھ سو کی جمعیت لے کر آگے بڑھ گئے۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اور لڑائی شروع ہو گئی۔ تو تین چار گھنٹے تک نہایت خون ریز جنگ ہوتی رہی۔ ابو دجانہؓ جن کو رسول خدا صلعم نے اپنی تلوار مرحمت فرمائی تھی۔ حضرت علیؓ اور امیر حمزہؓ اور دیگر اصحاب کبار کا ایک گروہ لڑتا ہوا کافروں کے لشکر میں گھس گیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا، رؤسا قریش اور لشکر کے سرداروں کو مار آیا اس جرأت اور بہادری کو دیکھ کر کافروں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کی مدد کی۔ مکہ والوں کو شکست ہوئی۔ عورتیں بھاگ بھاگ کر ٹیلوں پر جا چڑھیں۔ جب تیر اندازوں کی جماعت نے جو دَرّہ پر متعین تھی۔ کافروں کو بھاگتے اور

---

[۱] ابو السعود ص ۲۳۴ [۲] تفسیر ابن کثیر بیضاوی خازن معالم وغیرہ۔

مسلمانوں کو ان کا مال اسباب لوٹتے ہوئے دیکھا۔ تو کہنے لگے کہ لڑائی ختم ہو گئی۔ کفار بھاگ رہے ہیں۔ ہمیں یہاں بیٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہمیں بھی مال غنیمت لوٹنا چاہیئے۔ افسر نے ان کو ہر چند روکا مگر ان میں سے ۳۰ آدمی نیچے اُتر آئے۔ خالد[1] بن ولید جو مکہ والوں کی طرف سے لشکر کے ایک حصہ کی کمان کر رہا تھا۔ جب اس نے درہ کو محافظین کی جماعت سے خالی دیکھا تو وہ دو سو آدمیوں کی جمعیت لے کر اوپر چڑھ گیا۔ اور ان باقی ماندہ بیس آدمیوں سے لڑنے لگا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے تیراندازوں کی جماعت کو خالد سے لڑتے ہوئے دیکھ کر موقعہ کو غنیمت جانا۔ اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ ادھر خالد بن ولید بھی تیراندازوں کی جماعت کو شہید کر کے عکرمہ سے آملا۔ ابوسفیان نے جب رنگ بدلا ہوا دیکھا۔ تو اس نے بھی سامنے سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور جن مصائب میں مسلمانوں کو مبتلا ہونا تھا ہو گئے اور اس طرح ان کی فتح شکست سے بدل گئی۔ یہ اسی نافرمانی کا نتیجہ تھا۔ جو انہوں نے نبی علیہ السلام کے حکم کے خلاف درہ کو چھوڑنے میں کی تھی اور لڑنے والوں کی جماعت میں بغیر ان کی مرضی کے آملے تھے۔ باوجودیکہ مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ اور لڑائی کا سامان ان کے پاس مکہ والوں کے مقابلہ میں بہت تھوڑا تھا۔ لیکن جب تک انہوں نے کوئی کام رسول خدا صلعم کے خلاف نہیں کیا تھا۔ وہ طاقتور دشمن کے مقابلہ میں کامیاب رہے اور جب ان کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ تو اس کے لئے مصیبتوں کا سامنا ہو گیا اور یہی پیشین گوئی تھی۔ اگر یہ پیشین گوئی خدا کی طرف سے نہ ہوتی۔ تو اس طرح ترتیب کے ساتھ حرف بحرف کبھی پوری نہ ہوتی۔

(۵) ایک مسلمان کے ہاتھ سے دو یہودیوں کا قتل غلطی سے ہو گیا۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ مخالف جماعت کے لوگ ہیں اور وہ درحقیقت بنی نضیر کی قوم کے آدمی تھے۔ جن سے نبی علیہ السلام کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ جب آپ کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو آپ ان دونوں مقتولوں کا خون بہا اور دیت دینے کے واسطے بنی نضیر کے قبیلے میں تشریف لے

---

[1] یہ وہ خالد ہیں جو اسلام لانے کے بعد اکثر اسلامی جنگوں میں مسلمان فوجوں کے سپہ سالار رہے ہیں۔

گئے آپ کے ہمراہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ رسول خدا صلعم نے اپنے آنے کی وجہ بیان فرمائی۔ اور دیت پیش کردی۔ بنی نضیر نے یہ سن کر کہا کہ آپ اس دیوار کے سایہ میں تشریف رکھیں۔ ہم اپنی قوم سے اس کے متعلق مشورہ کرکے تھوڑی دیر میں آپ کو جواب دیتے ہیں حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت دیوار کے سائے میں جا بیٹھے بنی نضیر نے ایک آدمی کو جس کا نام عمرو بن محاسن تھا۔ اشارہ کیا کہ دیوار کے اُوپر سے ایک بڑا سا پتھر ان چاروں پر گرا دے۔ حق تعالےٰ نے بذریعہ جبرئیل امین اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔ آپ وہاں سے اُٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے۔ اور اس غداری اور بدعہدی کی سزا دینے کے لئے ان سے لڑنے کی تیاری شروع کردی قرآن مجید میں یہودیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح اور نصرت کی خبر دیتے ہوئے کچھ عرصہ پہلے یہ خبر دی گئی تھی۔ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ پ۴ع۲

اگر وہ کبھی تمہارے مقابلہ پر لڑنے کے لئے آئیں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی کبھی مدد نہ کی جائے گی۔ ادہر سورت حشر میں جو خاص طور پر بنی نضیر کے واقعہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس پیشین گوئی کو دُہراتے ہوئے یوں فرمایا تھا۔ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ پ۲۸ع۵۔ اگر منافقین یہودیوں کی مدد کریں گے۔ تو سب کے سب تمہارے مقابلہ میں پشت دکھا کر بھاگیں گے۔ اور پھر کبھی ان کی مدد نہ کیجائے گی۔ چونکہ ان پیشین گوئیوں کے پُورا ہونے کا وقت آگیا تھا اس لئے ربیع الاول ۴ھ نبی علیہ السلام مسلمانوں کی جمعیت لے کر قبیلہ بنی نضیر میں پہنچے۔ بنی نضیر کو اپنے استحکامات پر بڑا ناز تھا۔ اس لئے انہوں نے میدان میں جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بلکہ قلعہ کا دروازہ بند کرکے بیٹھ گئے۔ مسلمانوں نے چھ دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا جب ساتواں دن ہوا تو یہودیوں نے صلح کی درخواست کی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم مدینہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ لیکن جان کی حفاظت کے ساتھ ہمیں اس قدر مال لے جانے کی اجازت دی جائے۔ جتنا کہ ایک اونٹ پر آسکے۔ پیغمبر خدا صلعم نے از روئے ترحم ان کی اس

---

[۱] ابن خلدون و بخاری۔

درخواست کو منظور فرمالیا اور یہ پیشین گوئی بھی وعدہ الٰہی کے موافق اس طرح پوری ہوگئی۔

(۶) ابوسفیان مختلف قبیلوں کے دس ہزار آدمی لے کر شوال ۵ھ کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور اُحد پہاڑ کے سامنے جاکر ٹھہر گیا۔ بنی قریظہ جو قوم کے یہودی اور مسلمانوں کے ابھی تک وفادار اور حلیف تھے۔ اہل مکہ کی کثرت اور غلبہ کو دیکھکر ان کے ساتھ ہوگئے اور مسلمانوں کے عہد کی انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ ان کے مل جانے سے مخالفین کی تعداد ۱۲ ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ لڑائی کا سامان بھی ان کے پاس کافی ہوگیا۔ اب مکے والوں نے مدینہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا۔ نبی اکرم صلعم بھی ۸ ذیقعدہ کو تین ہزار کی جمعیت لے کر مدینے سے باہر مقام صلع میں اُحد کے قریب پہنچ کر اتر پڑے۔ لیکن مسلمانوں نے دشمنوں کی آمد سُن کر پہلے ہی مدینہ کے اردگرد خندق کھود رکھی تھی۔ جس کے کھودنے اور مٹی وغیرہ کے اٹھانے میں نبی علیہ السلام بھی عام مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے اس لئے دونوں لشکروں کے درمیان خندق حائل رہی مدینے سے باہر احد کی طرف مکہ والے اور خندق کے دوسری طرف مدینہ کی جانب مسلمانوں کا لشکر تھا۔ مسلمانوں کی حالت اس غزوہ میں اس درجہ ضعیف اور کمزور تھی کہ دشمنوں کے حملے سے بچنے اور جان سلامت لے جانے کی مسلمانوں کو مطلق اُمید نہ رہی تھی۔ بعضوں کا خیال تھا کہ آج اسلام کا نام صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ بہت آدمی ایسے تھے جنہوں نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ رسُول خدا صلعم کو کئی وقت کا فاقہ تھا۔ آپ کے پیٹ پر بھی دو پتھر بندھے ہوئے تھے[۱]۔ اس خستہ حالی اور مایوسی کے وقت مسلمانوں کو تسلی دینے اور فتح کی خوش خبری سنانے کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔[۲] پ ۲ ع ۱۰۔

---

[۱] بیضاوی ابن خلدون وغیرہ۔ [۲] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۰۶۔

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ بغیر تکلیف اٹھائے تم جنت کے حق دار بن جاؤ گے ہرگز نہیں تم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں گزری ہیں ان کو بھی دین حق کے پھیلانے میں سخت مصیبتیں اٹھانی پڑی ہیں جس سے ان کے قدم ڈگمگائے۔ اور وہ وعدۂ الٰہی کو بھلا بیٹھے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد خدا نے ان کی مدد فرمائی۔ اس طرح تم سے بھی خدا کی نصرت اور مدد دور نہیں ہے۔ نبی[1] علیہ السلام نے بھی مخالفین کے جمع ہونے سے پہلے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ قبائل عرب کے جمع ہونے سے پہلے تمہیں سخت تکلیفیں پہنچیں گی۔ لیکن انجام تمہارے حق میں ہوگا۔ اس قسم کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی ڈھارس بندھی ہوئی تھی انہوں نے اپنی کمزوری اور ضعف کی طرف نظر نہ کی۔ اور خدا کے بھروسہ پر دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ طرفین[2] کے لشکر خندق کی وجہ سے ایک دوسرے کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے اس لئے دست بدست لڑائی کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ البتہ دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ اور ایک دوسرے پر پتھر پھینکتے رہے۔ کفار نے تقریباً ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ رکھا۔ مگر ان کو اس محاصرہ سے خاطر خواہ فائدہ نہ پہنچا۔ بلکہ اس عرصہ میں ان کے اندر پھوٹ پڑ گئی اور کسی کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ رہا۔ بنی قریظہ نے بھی مکہ والوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہ پہلی غیبی امداد تھی جو مسلمانوں کو قدرتی طور پر نصیب ہوئی[3]۔ نیز انہی دنوں میں ایک رات جبکہ سردی پڑ رہی تھی اور اندھیری چھائی ہوئی تھی۔ سخت آندھی چلی جس کا اثر مشرکین کے لشکر تک محدود رہا۔ اور مسلمانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس آندھی سے مشرکین کے خیمے اکھڑ گئے۔ ان کی آگ بجھ گئی۔ آدمی اڑ گئے۔ بعضوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر یا زمین پر لیٹ کر جانیں بچائیں۔ جانور تتر بتر ہو کر کہیں کے کہیں چلے گئے۔ اسی بدحواسی میں طلحہ بن خویلد اسدی نے جو کافروں کے لشکر میں ایک سردار تھا۔ پکار کر کہا۔ اما محمد فقد بدأکم بالسحر فالنجاء۔ محمد صلعم نے تم پر جادو کر دیا ہے بھاگو بھاگو۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں نے بمشکل اسباب باندھا اور مکہ کا راستہ لیا۔ اہل مکہ اور دوسرے قبیلے سفر کی صعوبتیں اور مسافرت کی تکلیفیں اٹھا کر بے نیل،

---

[1] بیضاوی صہ ۱۶۲ [2] ابن خلدون سیرت ابن ہشام۔ [3] بیضاوی صہ ۲ صہ ۱۶۱ وسیرۃ ابن ہشام۔

مرام ذلت اور رسوائی کے ساتھ بھاگے اور مسلمانوں کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور یہی خُدا کا وعدہ تھا جو آخر کار پُورا ہُوا۔

(۲) مدینہ کے یہودیوں میں سے جن جن قبیلوں نے مسلمانوں سے بدعہدی کی تھی اور وہ اپنی سزا کو پہنچ چکے تھے۔ بنی قریظہ ہی ایک ایسی جماعت تھی جو ابھی تک اپنے عہد پر قائم تھی اور جس نے مسلمانوں کی مخالفت میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ لیکن جب عرب کے مختلف قبیلے مدینہ پر چڑھ کر آئے تو یہ جماعت مشرکین کے ساتھ مل گئی۔ اس عہد شکنی کی سزا دینے کے واسطے رسول خُدا صلعم مسلمانوں کا لشکر لے کر عصر کے وقت بنی قریظہ کے محلوں میں پہنچے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کو دیکھ کر قلعہ میں پناہ لی اور اس کا دروازہ بند کر لیا۔ خُدا نے ان واقعات کے ظاہر ہونے سے ایک عرصہ پہلے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ان کو تمام یہودیوں کے مقابلہ میں فتح اور کامیابی دی جائے گی۔ اور اس وعدہ کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ۔ اے محمد اللہ تعالیٰ یہودیوں کے مقابلہ میں آپ کے لئے کافی ہے۔ جس کی تصدیق بنی قینقاع اور بنی نضیر کی جلاوطنی اور شکست سے ہو چکی تھی۔ لیکن ابھی تک بنی قریظہ باقی تھے۔ جن پر کامیاب ہونے سے وعدہ الٰہی کی تکمیل ہونے والی تھی۔ اس لئے مسلمانوں نے جنگ کو جاری رکھتے ہوئے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پچیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ چھبیسویں دن بنی قریظہ نے حصار سے گھبرا کر اپنی قسمت کا فیصلہ سعد بن مُعاذ کی رائے پر چھوڑ دیا۔ اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے سُپرد کر دیا۔ سعد بن معاذ انصاری نے جو قبیلہ اوس کے سردار اور اسلام لانے سے پہلے بنی قریظہ کے حلیف اور دوست تھے۔ قتل کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ان کی گردنیں ماری گئیں۔ عورتیں اور بچے قید کر دیئے گئے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ اس وقت کس کو یقین تھا کہ ضعیف اور کمزور مسلمان اتنی بڑی جماعت کے مقابلہ میں کسی دن کامیاب ہوں گے۔ مگر چونکہ یہ وعدہ کسی انسان کا نہیں تھا۔ بلکہ خُدا کا وعدہ تھا۔ اس لئے پُورا ہو کر رہا۔

---

[۱] ابن خلدون۔ [۲] مدارک۔

(۸) ذی قعدہ ۶ھ کی پہلی تاریخ کو پیر کے دن نبی علیہ السلام بیت اللہ کی زیارت کرنے کے واسطے مدینہ سے باہر نکلے۔ تقریباً پندرہ سو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ مدینہ سے تین میل باہر ذوالحلیفہ میں آپ نے احرام باندھا۔ مگر جب مکہ والوں کو اس کا علم ہوا۔ تو وہ مکہ میں داخل ہونے سے مانع ہوئے۔ اور حدیبیہ میں جو مکہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا۔ آکر ان کو روک لیا۔ مسلمان پہلے ہی سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے طرفین میں دس سال کے واسطے صلح ہو گئی۔ صلح کی دس شرطیں تھیں۔ جن میں ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آکر زیارت کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہریں۔ اس قسم کی اور بھی چند شرطیں تھیں۔ جن میں مسلمانوں کا پہلو دبا ہوا تھا۔ جوشیلے مسلمان ایسی شرطوں پر صلح ہونے سے رنجیدہ تھے۔ حضرت عمرؓ بھی دب کر صلح کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصالح اور حکمتوں کے سامنے جو آگے چل کر درست اور صحیح نکلیں خاموش ہو گئے۔ رسول خدا صلعم نے صلح سے فارغ ہو کر ذی الحج کے شروع میں مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ ابھی آپ راستہ ہی میں تھے کہ سورۃ فتح نازل ہو گئی۔ اس سورۃ میں مسلمانوں کو مکہ اور خیبر دونوں کے فتح ہو جانے کی خوشخبری سنائی گئی۔ وہ آیت جس میں خیبر کے فتح ہونے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ تھی۔ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّاْخُذُونَهَا پ۲۶ ع۱۱۔ اللہ مسلمانوں کو ایک قریب زمانہ میں فتح عنایت فرمانے کا وعدہ کرتا ہے۔ جس میں وہ بہت سا مال غنیمت حاصل کریں گے۔ اسی سورت میں اس زمانہ کی قربت اور نزدیکی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت بیان فرمائی۔ فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَالِكَ فَتْحًا قَرِيبًا۔ پ۲۶ ع۱۲۔ اللہ نے مکہ داخل ہونے سے پہلے اس فتح کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ یعنی اگلے سال جب کہ تم بیت اللہ کی زیارت کرنے کے واسطے مکہ میں داخل ہو گے اس سے پہلے تمہیں ایک زبردست فتح حاصل ہو گی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اس مہینہ کے اخیر میں مدینہ منورہ پہنچے۔ بیس محرم ۷ھ تک آپ نے وہاں قیام

---

(۱) سیرۃ حلبی۔ بیضاوی۔

فرمایا۔ ۲۱ محرم کو مسلمانوں کی اس جماعت کو لے کر جو آپ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک تھی۔ خیبر[۲] کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ پندرہ[۳] سو کی جمعیت تھی۔ جس میں دو سو سوار اور باقی پیادہ تھے۔ جب مسلمانوں کا لشکر خیبر میں داخل ہوا اور یہودیوں کو ان کے آنے کی خبر ہوئی۔ تو وہ قلعہ بند ہو کر لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں نے بھی جنگ شروع کر دی اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ تقریباً پندرہ روز کے بعد تمام قلعے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ بہت سے یہودی جنگ میں مارے گئے اور بقیۃ السیف نے مسلمانوں کی سیادت تسلیم کرتے ہوئے صلح کر لی۔ مسلمانوں[۴] میں سے صرف بیس آدمی شہید ہوئے اور باقی مسلمان بہت سا مال غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ کی طرف واپس ہوئے قرآن میں جو فتح اور نصرت کا وعدہ ڈیڑھ مہینہ پہلے مسلمانوں سے ہوا تھا اور کہا تھا کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ فتح ہو جائے گی۔ ویسا ہی ہوا۔

(۹۱) صلح حدیبیہ[۵] میں جن شرطوں پر اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت ہوئی تھی۔ ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین میں کوئی جماعت دوسرے کے حلیف کے خلاف تلوار نہ اٹھائے۔ مکہ والوں کے حلیف بنوبکر اور مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ کے لوگ تھے۔ قبیلہ بنوبکر اور بنوخزاعہ میں پرانی دشمنی تھی۔ مدت سے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑتے چلے آئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ان دونوں جماعتوں میں ایک آدمی کے قتل ہونے پر جنگ چھڑ گئی۔ بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس حملہ میں اہل مکہ بھی بنوبکر کے ساتھ شریک تھے۔ باوجودیکہ

---

[۱] سیرۃ حلبی [۲] خیبر مدینہ سے ۹۶ میل پر شام کی جانب ایک بڑا شہر ہے اس زمانہ میں اکثر آبادی یہودیوں کی تھی اس شہر میں پانچ زبردست اور مضبوط قلعے تھے جن پر الگ الگ رئیسوں کا قبضہ تھا۔ غزوہ خندق میں عرب کے مختلف قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے اور ان کے ساتھ مل کر مدینہ پر چڑھائی کرنیوالے خیبر کے رہنے والے یہودی تھے ان کو اس شرارت کی سزا دینی بھی ضروری تھی اس لئے رسول خدا صلعم کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ماخوذ از سیرۃ حلبی، [۳] ابن خلدون [۴] ابن خلدون۔ [۵] ایضاً۔

انہیں صُلح حدیبیہ کی رُو سے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے معاہدہ کی پابندی کا کوئی خیال نہ کیا۔ جب اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد بنو خزاعہ کے چند آدمی نبی علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ پہنچے۔ بنو بکر کے ظلم و ستم اور قریش کی عہد شکنی کی شکایت کی اور آپ سے امداد کے طالب ہوئے تو اُس وقت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ پ۱۰ ع۸۔

یعنی انہوں نے عہد شکنی میں ابتدا کی ہے۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ مسلمانوں کو خدا کے سوا کسی کا ڈر دِل میں نہ رکھنا چاہیئے۔ ان سے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دیگا رسوا اور ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔ جس سے مسلمانوں کے دل ٹھنڈے اور مصیبت زدوں کا غم دُور ہوگا۔ یہ مکہ فتح ہو جانے کی خوش خبری تھی۔ جو مسلمانوں کو اہل مکہ کے خلاف جنگ پر اُبھارتے ہوئے سنائی گئی۔[1] اس سے پہلے حدیبیہ کی صُلح سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ کے رستہ میں سورۃ فتح نازل ہو چکی تھی۔ جس میں اس طرح کہا گیا تھا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا پ۲۸ ع۹۔ ہم نے اے محمد صلعم۔ آپ کو کھلی ہوئی فتح عنایت فرمائی ہے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلعم دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر رمضان ۸ھ کی دسویں تاریخ کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے رسُول خدا صلعم نے مکہ کے قریب پہنچ کر اسلامی لشکر کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا میمنہ پر خالد بن ولیدؓ اور میسرہ پر زبیر بن العوامؓ اور مقدمۃ الجیش میں ابو عبیدہ بن الجراح کو متعین فرمایا۔ اور خود بنفس نفیس ابو بکرؓ اور عمرؓ، عثمانؓ کے ساتھ قلب لشکر میں رونق افروز ہوئے۔ اسلامی عَلَم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ زبیر کو بالائے مکہ اور

---

[1] ابن کثیر و بیضاوی وغیرہ۔

خالدبن ولیدؓ کو نشیبی مکہ کی طرف داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ اور یہ ہدایت کی کہ جو شخص تم سے تعرض کرے اور مکہ میں داخل نہ ہونے دیئے۔ اس سے جنگ کرد۔ حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ذی طوی کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے۔ عکرمہ ابوجہل کے بیٹے اور صفوان بن امیہ اور سہل بن عمر وغیرہم نے کچھ آدمیوں کو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے واسطے جمع کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کا مقابلہ خالدبن ولیدؓ سے ہوگیا۔ اس جنگ میں تین مسلمان شہید ہوئے۔ اور مشرکین کی طرف سے تیرہ ۱۳ آدمی مارے گئے۔ باقی آدمیوں کو امن دینے کے بعد اسلامی لشکر اس مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو فاتحانہ مکہ میں داخل ہوا۔ اور قرآن میں جو فتح کا وعدہ ہوا تھا۔ اس کے پورا ہونے سے کوئی چیز اس کو نہ روک سکی۔

(۱۰) نبی کریم صلعم کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ قیصر کی حکومت روم اور شام اور عرب کے اکثر حصہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ رومتہ الکبریٰ (اٹلی) اس کا پایۂ تخت تھا۔ کسریٰ ملک فارس اور عراق عرب کا واحد مالک تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں پر بھی اس کی حکومت تھی۔ سامان حرب اور آلات جنگ میں کوئی طاقت ان دونوں سلطنتوں کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ یہ دونوں طاقتیں بیک وقت ۴ یا ۵ لاکھ آدمیوں کی فوج میدان جنگ میں لا سکتی تھیں ضرورت کے وقت وہ جتنا چاہتے لشکر جمع کر سکتے تھے۔ کسریٰ کے پاس زبردست ہاتھیوں کا لشکر تھا۔ بڑی بڑی سلطنتیں ان سے لرزتی تھیں مٹھی بھر مسلمانوں کی ان کے سامنے کیا طاقت تھی۔ جو ان سے منہ ملا سکتے۔ مگر اس بے سروسامانی اور ناامیدی کی حالت میں مسلمانوں سے قرآن میں یہ وعدہ ہوا۔ کہ اگر وہ دیانت داری اور تقویٰ پر قائم رہے اور انہوں نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کی تو ان دونوں سلطنتوں کا ان کو مالک بنا دیا جائے گا۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ پ ۱۸ ع ۱۳۔ اللہ نے مومنین سے جن کے عمل نیک ہیں یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین میں سلطنت اور

حکومت عنایت فرمائے۔ یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے کسی شخص کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا تھا کہ مسلمان اس کمزوری اور ضعف کے باوجود قیصر و کسریٰ جیسی زبردست سلطنتوں پر کسی وقت غالب ہوں گے۔ چنانچہ[1] غزوہ خندق میں جب نبی کریم صلعم نے خندق کو کھودتے ہوئے پتھر پر کدال ماری تو اس میں روشنی ظاہر ہوئی آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں حیرہ[2] کے محلات نظر آتے ہیں۔ دوسری دفعہ کدال مارنے سے پھر روشنی پیدا ہوئی۔ تو فرمایا کہ ملک روم کے مکانات دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح پھر تیسری دفعہ روشنی ہوئی۔ تو ارشاد فرمایا کہ صنعا یمن کے گھر نظر آرہے ہیں۔ اور فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ یہ تمام جگہیں میری اُمت کے قبضہ میں آجائیں گی۔ اگرچہ مخلص مسلمانوں کو یہ بات سُن کر خوشی ہوئی مگر کفار اور منافقین نے ہنسی اڑاتے ہوئے یہ کہا کہ ایک طرف مدینہ میں بیٹھے ہوئے کسریٰ کے مکانات نظر آرہے ہیں۔ رُوم اور فارس کے فتح ہو جانے کی خوشخبری دی جارہی ہے۔ طرف یہ حالت ہے کہ وہ دشمنوں سے ڈر کر خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں اور ان کے خوف سے رفع حاجت کے لئے باہر نہیں نکل سکتے یہ تعجب ان کو اس لئے تھا کہ مسلمانوں کی ظاہری حالت اس قابل نہ تھی کہ جس سے اس وعدہ کے پورا ہونے کی اُمید کی جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ اس وعدہ کو سُنکر نہ صرف دشمنوں کو شک ہُوا۔ بلکہ بعض مسلمانوں کو بھی اس کا تعجب تھا چنانچہ جب[3] مشہور حاتم طائی کے بیٹے عدی مسلمان ہوئے تو آپ نے ان کو فرمایا کہ عدی وہ وقت قریب ہے جبکہ کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگا۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے تعجب سے پُوچھا کہ کسریٰ کے خزانوں پر؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ عدی کہتے ہیں کہ واللہ یہ سماں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خود مسلمانوں کے ساتھ کسریٰ کے خزانے لوٹنے میں شریک ہُوا۔ اسی طرح جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوبکر کو لے کر ہجرت کے وقت مکہ سے نکلے تو ابوجہل نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص ان دونوں کو

---

[1] تفسیر ابوالسعود و تفسیر کبیر۔ [2] حیرا ملک فارس میں ایک شہر کا نام ہے۔
[3] تفسیر ابن کثیر۔

پکڑ کر لائے گا۔ اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن مالک کہتا ہے کہ میں نے رات کے وقت دو آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا تھا خیال ہوا کہ وہ دونوں جانے والے آدمی وہی ہوں گے۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے دوڑا۔ اور اگلے دن ظہر کے وقت ان کو جا لیا۔ جب اس نے حضور علیہ السلام کو پکڑنا چاہا۔ تو آپ نے بد دعا فرمائی۔ فوراً زمین نے اس کے گھوڑے کے سم پکڑ لئے۔ قریب تھا کہ سراقہ ہمیشہ کے واسطے زمین میں غائب ہو جاتا۔ مگر اس نے حضور سے امن چاہا اور وعدہ کیا۔ کہ میں اس راستہ پر کسی کو نہ آنے دوں گا۔ آپ نے دعا فرمائی زمین نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب واپس ہونے لگا تو آپ نے فرمایا۔ کہ سراقہ وہ دن بھی آنے والا ہے جبکہ کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھ میں پہنائے جائیں گے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت اس بات کو گپ سمجھا تھا لیکن میں نے یہ وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جب حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں کسریٰ کی دولت۔ اور خزانے لوٹ کر لائے تو میں بھی مسلمانوں کے لشکر میں ایک سپاہی تھا۔ اور میں شروع میں مسلمان ہو چکا تھا۔ جب غنیمت کا مال تقسیم ہونے لگا۔ تو کسریٰ کے کنگن میرے حصہ میں آئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ نے میرے متعلق پیشین گوئی سنی تھی۔ اس لئے انہوں نے وہ دونوں کنگن میرے ہاتھوں میں پہنا دیئے۔ جب میں نے کنگن پہنے تو مجھے وہ وقت یاد آگیا۔ اپنے خیال کی غلطی اور حضور کے ارشاد کی سچائی روز روشن کی طرح نظر آنے لگی۔ یہ شک اور شبہے محض اس لئے تھے کہ مسلمانوں کی مادی طاقت اس درجہ ضعیف اور کمزور تھی کہ اس کو دیکھتے ہوئے کبھی یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ مسلمان کسی وقت قیصر و کسریٰ کے مقابلے میں کامیاب ہوں گے۔ مگر اسی ناداری اور بے سرو سامانی میں دنیا نے دیکھ لیا کہ مٹھی بھر مسلمان کس طرح لاکھوں کے مقابلہ میں فتح مند اور کامیاب ہوئے اور کمزور ہاتھوں نے کیوں کر طاقتور دشمن کا سر کچلا۔ یقیناً خدائی امداد ان کے ساتھ تھی۔ اس لئے کوئی طاقت اس وعدہ کو پورا ہونے سے نہ روک سکی۔ اور جو چیز بڑا زور خرچ کرنے کے بعد بھی نہیں ملتی۔ وہ ان کو اس کمزوری کی حالت میں مل

لہ تفسیر در منثور۔

گئی۔[1] چنانچہ نبی کریم صلعم کے زمانہ میں مکہ اور خیبر۔ بحرین اور یمن جزیرۃ العرب کے بعض حصّوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ روم اور مصر و اسکندریہ حبشہ اور عمّان کے بادشاہوں نے رسُول خدا صلعم کی خدمت اقدس میں تحفے بھیجے حضرت ابو بکر کے زمانہ خلافت میں تمام عرب پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ مصر کا بعض حصہ فتح ہوا۔ بُصریٰ اور دمشق مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ملک فارس کے بعض شہروں پر آپ کا تسلّط ہوا۔ جب زمانہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا آیا تو شام اور مصر کا تمام حصہ فتح ہو گیا فارس کے اکثر شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ کسریٰ کے خزانے لوٹ لئے گئے قیصر کی شان و شوکت خاک میں ملا دی گئی۔ کسریٰ کو پایۂ تخت چھوڑ کر ملک کے دُور دراز حصّہ میں پناہ لینی پڑی۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں سلطنت کے حدود بہت وسیع ہو گئے۔ مشرق میں ملک چین تک اور دوسری طرف بحر محیط تک حکومت پھیل گئی۔ اندلس قبرص اور بلاد قیروان سلطنت کا جز بن گئے۔ عراق اور خراسان اہواز پر مسلمانوں کا تسلّط ہو گیا۔ کسریٰ قتل کر دیا گیا۔ اس کی تمام سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ مشرق اور مغرب کا خراج امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی خدمت میں آنے لگا غرض دُنیا کے ایک بڑے حصّہ پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی اور قرآن کا جو وعدہ تھا وہ پُورا ہو گیا۔ اگر یہ وعدہ خدا کا وعدہ نہ ہوتا۔ اور محمد صلعم کا اپنا وعدہ ہوتا تو کبھی پُورا نہ ہوتا۔ اور نہ ان میں پُورا کرنے کی طاقت موجود تھی۔

---

[1] ابن کثیر۔ اعجاز القرآن للباقلانی۔

فصل دوم

ان پیشین گوئیوں کے بیان میں ہے۔ جن کا بدلنا ان لوگوں کے اختیار میں تھا جن کے بارہ میں وہ پیشین گوئیاں کی گئی تھیں۔ باوجودیکہ ان پیشین گوئیوں کی ان کو خبر ہو چکی تھی۔ اور وہ ہمیشہ ایسی بات کی تلاش میں رہتے جس سے نبی عربی صلعم کو ان کے دعوے میں جھوٹا ہونا ثابت کریں لیکن وہ ان پیشین گوئیوں کو پورا ہونے سے نہ روک سکے اور ہمیشہ وہی ہوا جس کی ان پیشین گوئیوں میں خبر دی گئی تھی۔ یقیناً جس کے ہاتھ میں انسانی ارادوں کی ڈور ہے اسی کا فیصلہ ان کے ارادوں اور تمناؤں پر غالب آسکتا تھا۔ کسی غیر کا ارادہ دوسروں کے ارادوں پر کبھی غالب نہیں آسکتا۔ اور وہ خدا ہی کی ذات ہے۔ جو سب پر غالب ہو کر رہتی ہے۔ اس لئے اس طرح کی غیب کی خبروں کو خدا ہی کی خبریں کہہ سکتے ہیں کسی انسان کی پیشین گوئیاں نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ کرے کہ جن کی بابت پیشین گوئی کی گئی تھی ممکن ہے کہ اس کو اس پیشین گوئی کا علم نہ ہوا ہو۔ اگر علم ہوتا تو اس کو پورا ہونے سے ضرور روکتا۔ ایسا شبہ اس شخص کے بارے میں کرنا کہ جو حق اور سچائی کی آواز اٹھانے سے اس وقت خاموش نہیں ہوتا جبکہ یاس اور ناامیدی کا اس پر ہجوم ہے چاروں طرف سے دشمن کے نرغہ میں پھنسا ہوا ہے۔ تن تنہا صفا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنی قوم کو ایسی چیز کی طرف بلاتا ہے۔ جس سے ان کو سخت نفرت ہے۔ اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس نے اس طرح کی پیشین گوئیوں کو ظاہر کرنے سے گریز کیا ہوگا بعید از عقل ہے خصوصاً جب وہ اپنی زبان سے خدا کا یہ پیغام سنا رہا ہو۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ پ ۶ ع ۱۲۔ یعنی جو خبر خدا کی طرف سے آپ کے پاس بھیجی جائے۔ اس کو لوگوں تک پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ احکام الٰہی کے پہنچانے میں قاصر سمجھے جائیں گے۔ تو اس

حالت میں یہ شبہ اور بھی زیادہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جو شخص یہ خیال کرے کہ شاید رسول خدا صلعم نے وحی الٰہی میں سے کوئی آیت چھپائی ہوگی۔ وہ شخص بڑا جھوٹا اور کذاب ہے اگر آپ کو کوئی آیت چھپانی ہوتی۔ تو یہ آیت چھپاتے تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ پ۲۲ ع۲ آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا ہے لیکن یہ آیت نہیں چھپائی۔ اس کے علاوہ ایسے واقعات بکثرت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ایسی پیشین گوئیوں کا علم ہوتا رہا ہے چنانچہ امیہ بن خلف کو سعد بن معاذؓ انصاری نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جانے کی خبر دی۔ اسی طرح جب ان سے قرآن مجید کی مانند کلام بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں یہ کہا۔ لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَآ۔ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام بنا سکتے ہیں اس قسم کے اور بہت سے حالات ہیں جو انشاء اللہ کتاب میں ذکر کئے جائیں گے۔ غرض اس قسم کی پیشین گوئیاں قرآن مجید میں جن سے ان کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ ہیں:۔

۱۱ــــ (۱) ابوجہل۔ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ۔ ولید بن عتبہ و امیہ بن خلف عقبہ بن ابی معیط سرداران مکہ کی نسبت قرآن عزیز میں یہ خبر دی گئی کہ یہ لوگ کفر پر مریں گے۔ ہدایت اور ایمان کی دولت کبھی ان کو نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ اس واقعہ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ۔ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں مگر یہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ قرطبی اور ابن کثیر ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ان کافروں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جو بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ ایمان لانا ان کا اختیاری فعل تھا۔ اگر وہ چاہتے تو کلمہ شہادت پڑھ کر قرآن کے اس فیصلہ کو جھوٹا ثابت کر سکتے تھے۔ اگرچہ کلمہ شہادت کا زبان پر جاری کرنا منافقانہ اور ریاکاری ہی کے طور پر ہوتا۔ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ نہ ہوتا مگر وہ

۱؎ رواہ مسلم و ابن جریر و ذکرہ الرازی فی تفسیرہ جلد ۵ ص۴۳۱ ۲؎ تفسیر مدارک و بیضاوی وغیرہ۔

ایسا کرنے سے بھی عاجز رہے۔ جان اور مال عزت اور آبرو سب کچھ اسلام اور نبی کریم صلعم کی عداوت اور دشمنی میں خرچ کر دیا۔ لیکن وہ قرآن کے اس دعوے کو جھوٹا ثابت نہ کر سکے۔ اگر یہ خبر خدا کی بتائی ہوئی نہ ہوتی اور یہ فیصلہ خدائی فیصلہ نہ ہوتا۔ تو کوئی طاقت ان کو اس کے خلاف کرنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ مگر وہ اس خبر کو جھوٹا نہ کر سکے اور قرآنی فیصلہ کے مطابق وہ سب کے سب کفر کی حالت میں مارے گئے۔ عبد اللہ بن مسعود صحابیؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ان سب کی لاشیں بدر کے ایک گڑھے میں پڑی ہوئی دیکھیں۔

۱۴۔۔۔۔۔(۲) جب کفار مکہ نے قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کیا اور اس کو حضرت محمد صلعم کی بنائی ہوئی کتاب سمجھا۔ تو اس وقت قطعی فیصلہ کیواسطے یہ ضابطہ اور نظریہ قرآن نے ان کے سامنے پیش کیا کہ اگر تمہیں اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے اور اس کو محمد صلعم کی بنائی ہوئی کتاب سمجھتے ہو۔ تو ان کی کلام کی نقل اتارنا اور اس جیسا کلام بنانا فصیح اور زبان دان آدمی کے واسطے آسان اور سہل ہے۔ اس لئے تم بھی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مانند کوئی کلام یا جملہ بنا کر جو فصاحت اور بلاغت میں اسی کے ہم پلہ اور برابر ہو۔ اس کا انسانی کلام ہونا ثابت کرو۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا پ۱ ع۳۔ اگر تم اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور یقیناً نہ کر سکو گے اور پھر بھی اس کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرتے رہے تو تمہیں عذاب الٰہی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اس میں لَنْ تَفْعَلُوْا ہرگز نہ کر سکو گے۔ ایک ایسا جملہ ہے جس میں انکے قوی علمیہ اور جذبات مقابلہ کو برانگیختہ کرتے ہوئے اس بات کی قبل از وقت خبر دی ہے کہ وہ آخری دم تک قرآن عزیز کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام کے مٹانے کے واسطے انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی دی لیکن قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے ان میں سے ایک بھی سامنے نہ آیا۔ باوجودیکہ ان میں بڑے بڑے فصیح اور زبان دان موجود تھے۔

۱؎ مشکوٰۃ۔

ولید بن مغیرہ جس کے سامنے فصحاء عرب اپنا کلام اصلاح کی غرض سے پیش کرتے تھے جس کو اپنی زبان دانی محاورات سے واقف ہونے کا بڑا دعوٰے تھا۔ اس وقت ان میں موجود تھا۔ اور جن شاعروں نے اپنے اشعار اور قصیدے مقابلہ طلب کرنے کے واسطے بیت اللہ کے دروازہ پر لٹکا رکھے تھے۔ ان میں سے بعض ابھی تک موجود تھے۔ اور جن کو اس بات کا دعوٰے تھا کہ دنیا میں نطق اور گویائی انہی کے حصہ میں آئی ہے اور باقی سب کے سب بے زبان اور گونگے ہیں۔ وہ لوگ ابھی تک زندہ تھے۔ مگر قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے ان میں سے کوئی شخص بھی تیار نہیں ہوا۔ اگر ان میں قرآن کے مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی تو وہ کبھی اس کام سے جی نہ چراتے اور قرآن جیسا کلام بنا کر اس دعوٰے کو جھوٹا ثابت کرتے۔ مگر ان کا قرآن کی نقل اُتارنے اور اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہنا اور قرآنی فیصلہ کو جھوٹا نہ ثابت کر سکنا۔ اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے۔ بلکہ رب العزت کی نازل کی ہوئی کتاب ہے غرض[۱] لَنْ تَفْعَلُوْا میں قرآن مجید کے سچے ہونے کی تین دلیلیں ہیں :-

(۱) اس جملہ میں یقین اور پختگی کے ساتھ اس بات کی خبر دی گئی کہ وہ ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس طرح کے جزم اور یقین کے ساتھ وہی شخص کہہ سکتا ہے۔ جو آئندہ کے حالات سے باخبر اور واقف ہے ورنہ فصیح اور بلیغ انسانوں کے مقابلہ میں قطعی طور پر ایسا دعوٰے کرنے کا حوصلہ کسی آدمی کو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسا دعوٰے کرنا خدائے قدوس ہی کا کام ہے۔

(۲) جب عرب کے بڑے بڑے فصیح اور بلیغ قرآن کی مثال لانے سے عاجز ہو گئے اور بار بار اس کا مطالبہ کرنے کے باوجود مقابلہ نہ کر سکے تو معلوم ہوا۔ کہ یہ کلام خدا کی مصنوعات کی طرح بے مثل ہے انسانی خصوصیت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔

(۳) اس آیت میں وقت سے پیشتر غیب کی خبر دی تھی کہ اہل مکہ اس کلام کی مثال نہیں لا سکتے۔ چنانچہ وہ آخری دم تک قرآن کی نقل اُتارنے اور اس کا جواب لانے

---

[۱] اعجاز القرآن للباقلانی۔ [۲] مدارک و ابن کثیر

سے عاجز رہے اور قرآن نے جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی۔

۱۳ــــ(۱۳) ایک دن کچھ یہودی مجلس نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ تمام دینوں میں سچا دین یہودیوں کا ہے۔ یہودی خدا کے محبوب اور چہیتے بندے ہیں۔ جنت انہی کے لئے بنائی گئی ہے۔ دوسرے مذہب والے ان نعمتوں سے محروم ہیں۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اگر تم اس دعویٰ میں اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہو اور اسلام تمہارے خیال میں جھوٹا مذہب ہے۔ تو تم یہ دعا کرو کہ خدایا مسلمانوں اور یہودیوں میں جو جماعت جھوٹی ہو اُس کو ہلاک اور برباد کر دے۔ یہودی اس بات کو سُنکر خاموش ہو گئے۔ اور اس قسم کا مباہلہ کرنے کے واسطے ہرگز تیار نہ ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا۔ اگر یہودی اس دفعہ موت کی آرزو کرتے۔ تو زمین پر کوئی یہودی زندہ نہ رہتا۔ سب کے سب ہلاک کر دیئے جاتے۔ خدا نے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ زندگی اُن کے نزدیک نہایت عزیز اور پیاری چیز ہے۔ موت کی دُعا کرنے کے واسطے وُہ کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔ یہ آیت نازل فرمائی وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (پ ۱ ع ۱۱) وُہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مرنے کی آرزو کبھی نہیں کریں گے۔ آرزو کرنا اختیاری فعل تھا۔ اگر یہودی زبان سے آرزو کر کے اس خبر کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے کیونکہ آرزو کرنے سے مر جانا یقینی امر نہیں تھا۔ لیکن قرآن کا فیصلہ ان کے ارادوں پر غالب رہا۔ اور انہوں نے آخری دم تک مرنے کی تمنا اور آرزو نہیں کی۔[1] اور یہی پیشین گوئی تھی۔

۱۴ــــ(۱۴) جب یہودیوں نے اسلام کے متعلق اپنی دلی عداوت اور باطنی بغض و عناد کا اظہار کیا اور مسلمانوں سے عہد شکنی کر کے لڑنے کے واسطے تیار ہوئے تو قرآن نے یہ خبر دی کہ مسلمانوں کا رُعب یہودیوں کے دلوں پر اس درجہ چھایا ہُوا ہے۔ کہ قلعوں میں گھس کر جاری رکھ سکیں گے۔ کھلے میدان میں لڑنے کی ان کو کبھی ہمت نہ ہو گی۔ اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا

---

[1] ابن کثیر [2] بیضاوی

اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ پ۲۸ ع۵۔ یہودی جب تم سے لڑیں گے۔ تو قلعوں میں گھس کر یا دیواروں کے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا بنو قینقاع اور بنو نضیر۔ بنو قریظہ اور یہود خیبر ان چاروں یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کی الگ الگ جنگ ہوئی تاریخ شاہد ہے کہ ہر دفعہ یہودی قلعہ بند ہو کر لڑے اور کبھی انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ میدان میں نہیں کیا۔ باوجودیکہ ان کی جنگی طاقت مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر مرتبہ زیادہ ہوتی تھی۔ مگر مسلمانوں کی ہیبت اور ان کا رعب یہودیوں کو باہر نہیں نکلنے دیتا تھا۔ اس لئے یقیناً ان کے متعلق قرآن میں جو کچھ فیصلہ کیا تھا۔ وہ خدائی فیصلہ تھا۔ اور اسی نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ ورنہ یہودیوں کے واسطے یہ امر بہت آسان تھا کہ قلعوں سے نکل کر میدان میں لڑتے اور قرآن کی اس خبر کو جھٹلا کر اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت نہ ہونے دیتے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور ان کا ایسا نہ کر سکنا قرآن مجید کے سچے ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

۱۵ (۵) مدینہ کے یہودیوں میں سے جب بنو نضیر نے مسلمانوں سے بدعہدی کی اور ان سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے تو عبداللہ بن ابی اور اس کی جماعت کے دوسرے منافق آپ کے پاس گئے اور یہ کہا کہ ہم مسلمانوں کے مقابلہ میں تمہاری رسوائی کسی طرح نہیں دیکھ سکتے۔ اگر تمہارے ساتھ مسلمانوں نے جنگ کی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم بدعہدی اور جنگ کی سزا میں اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ تو ہم اپنا گھر بار چھوڑ کر تمہارے ساتھ ہوں گے۔ مگر قرآن نے یہ خبر دی کہ منافقین جھوٹے ہیں اور انہوں نے جو کچھ یہودیوں سے وعدہ کیا ہے اس کو وہ کبھی پورا نہ کریں گے۔ چنانچہ سورت حشر میں اس واقعہ کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَھُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَھُمْ پ۲۸ ع۵۔ اگر وہ نکالے گئے۔ تو یہ کبھی ان کا ساتھ نہ دیں گے اور نہ کسی قسم کی امداد کریں گے۔ لڑنا اور گھر بار چھوڑ کر نکل جانا دونوں اختیاری فعل تھے۔ منافقین کو چاہیئے تھا کہ عہد کی

لہ بیضاوی و تفسیر ابو السعود۔

پابندی کرتے یہودیوں کو لڑائی میں مدد دیتے۔ یا ان کے ساتھ جلاوطن ہو جاتے خصوصاً جبکہ قرآن نے ان کی بدعہدی اور وعدہ خلافی کی خبر دی تھی۔ تو ان کو اس خبر کے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے وعدہ وفا کرنے کی زیادہ کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور وہی ہُوا جس کی قرآن نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ چنانچہ جب یہودی لڑائی پر آمادہ ہوئے تو کوئی منافق ان کا مددگار اور ساتھی نہ تھا۔ اور جنگ ختم ہونے پر جب وہ گھروں سے نکالے گئے تو ان میں سے کوئی بھی جلاوطنی میں ان کے ساتھ شریک نہ ہُوا۔ اور یہی قرآن کا فیصلہ تھا۔ اگر یہ خبر محمد صلعم کی اپنی طرف سے ہوتی تو وہ ان کے دِلی ارادوں پر کبھی غالب نہ آسکتے۔

۱۶ ـــ (۶۱) جب قریش میں سے قبیلہ مضر نے شرک اور معصیت الٰہی میں غلو اور حد سے تجاوز کیا۔ رسُول خُدا صلعم کو جھٹلایا اور آپ کو تکلیفیں دیں۔ تو رسُول اللہ صلعم نے ان کے حق میں یہ بددُعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَکَ عَلٰی مُضَرَ وَاجْعَلْھَا عَلَیْھِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ۔ اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر دے اور ان پر قحط سالی مسلط فرما جس طرح کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں نافرمان مصریوں پر تُو نے قحط ڈالا تھا۔ آپ کی بددُعا کہاں خالی جانے والی تھی۔ ایسا قحط پڑا کہ لوگوں نے مردار جانور اور راستہ کی پڑی ہوئی ہڈیاں تک پیس کر کھالیں اور بھُوک کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا رہنے لگا۔ بھُوک اور قحط سالی کی مصیبت سے تنگ آکر ابوسفیان اور کعب بن مرہ چند آدمیوں کے ساتھ نبی عربی صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہُوا۔ قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہنے لگا۔ کہ آپ اس مصیبت کے دُور ہونے کی دُعا فرمائیں۔ ہم سچے دل سے اس بات کا وعدہ کرتے ہیں۔ اگر قحط کی مصیبت سے نجات مل گئی۔ تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آنحضرت صلعم نے دُعا کے واسطے ہاتھ اُٹھائے اور خُدا کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی۔ اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ۔ پ ۲۵ ع ۱۴۔ ہم تھوڑی دیر میں قحط کے عذاب کو دور کر دیں گے۔ لیکن تم اپنے ایمان لانے کے وعدہ کو پورا نہ کرو گے پہلے کی طرح شرک اور

---

۱ روی البخاری معناہ ولفظہ من تفسیر ابی السعود بخاری ۲ قسطلانی ابو السعود۔

نافرمانی کرتے رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نبی کریم صلعم کی دعا سے قحط کی مصیبت دور ہو گئی اور مضر اور دوسرے قبیلے اسی طرح کفر اور معصیت میں مبتلا رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بددعا سے قبیلہ مضر کا قحط کی تکلیفوں میں گرفتار ہونا پھر آپ کی دعا پر اس مصیبت سے رہائی پانا نبی علیہ السّلام کی سچائی کا زبردست ثبوت ہے۔

لیکن قرآن نے ان لوگوں کی وعدہ خلافی کے متعلق جو خبر دی تھی۔ اس کا پورا ہونا اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ یہ علام الغیوب کی بتائی ہوئی خبر تھی۔ کسی انسان کی نہیں تھی ورنہ وہ اس کا خلاف کر کے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کر سکتے تھے۔

۱۷ (۸) جس وقت جنگ احد میں کفار مکہ سے لڑنے کے واسطے ایک ہزار مسلمانوں کی جمعیت اکٹھی ہو گئی اور نبی علیہ السلام نے اس ارادہ سے کوچ کی تیاری کی تو جمع ہونے والے لشکر کے متعلق قرآن میں یہ خبر دے گئی۔ وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ پ ۵ ع ۷۔ مسلمانو تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو اس جنگ میں تمہارے ساتھ شریک نہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی روکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رسول خدا صلعم مدینہ اور احد کے وسط میں پہنچے تو عبداللہ بن ابی منافق کے ورغلانے اور بہکانے کی وجہ سے تین سو آدمی لشکر سے جدا ہو گئے اور یہ عذر کیا۔ کہ ہم اصول جنگ سے واقف نہیں ہیں۔ ہمارا جانا بے سود ہے۔ یہ کہہ کر عبداللہ بن ابی کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ لوگ سب کے سب منافق اور ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اور تین سو آدمیوں کے نکل جانے سے مسلمانوں کے لشکر میں محض سات سو آدمی رہ گئے جنہوں نے میدان میں پہنچ کر تین ہزار آدمیوں کا مقابلہ کیا۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو جنگ سے روکنا اور خود شریک نہ ہونا یہ دونوں باتیں اختیاری تھیں اگر وہ چاہتے تو ان دونوں کا خلاف کر سکتے تھے۔ لیکن نہ کر سکے اور یہی قرآن نے خبر دی تھی۔ جو پوری ہوئی۔

۱۹ (۹) ایک دن ثعلبہ بن حاطب نے مجلس نبوی میں حاضر ہو کر افلاس اور تنگدستی

---

[۱] ابن خلدون۔ [۲] تفسیر ابی السعود۔

فصل سوم

ان واقعات اور حالات کے بیان میں جن کی خبر وقت سے پہلے دی گئی اور وہ خبریں کچھ عرصہ کے بعد حرف بحرف پوری ہوئیں۔

۲۰ـــ (۱) قرآن عزیز میں یہودیوں کے متعلق یہ خبر دی گئی کہ وہ ہمیشہ دُنیا میں ذلیل و خوار رہیں گے۔ کبھی ان کو سلطنت اور حکومت نصیب نہ ہو گی۔ اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ [۱] پ ۱ ع ۷۔ ان کے لئے ذلت و خواری ہمیشہ کے واسطے لازم کر دی گئی۔ غلامی سے بڑھکر دنیا میں کوئی ذلت خواری نہیں ہے۔ نبی کریم صلعم کے زمانہ سے لے کر آجتک یہودی ذلت میں گرفتار ہیں آج ساڑھے تیرہ سو برس گذر گئے۔ لیکن کبھی دُنیا کے کسی حصہ پر یہودیوں کی خود مختار حکومت قائم نہیں ہوئی جس جگہ بھی ہیں رسوا اور ذلیل ہی نظر آتے ہیں یا وہ مسلمانوں کے غلام ہیں یا نصاریٰ کے۔ کسی جگہ چپہ بھر زمین کے آزاد اور با اختیار مالک نہیں۔ دُنیا کے ختم ہونے تک ان کا یہی حال رہے گا۔ ظاہر ہے کہ انسان کبھی کسی قوم کی قسمت کا فیصلہ قیامت تک کیلئے نہیں کر سکتا پھر ایسا قطعی فیصلہ جس کا صدیاں گذر جانے کے باوجود کبھی خلاف نہیں ہُوا۔ ایسا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ خُدا کی بتائی ہوئی خبر ہے کسی انسان کی نہیں ہے۔

۲۱ (۲) جب نبی کریم صلعم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے۔ تو آپ سولہ [۲] مہینہ متواتر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر ہمیشہ آپ کی آرزو اور دلی تمنا یہی رہی کہ بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں۔

اس لئے آپ اس بارے میں حکم الٰہی کا نہایت شوق اور بے چینی کے ساتھ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر۔ [۲] رواہ مسلم و ترمذی۔

کی شکایت کرتے ہوئے رسولِ خدا صلعم سے یہ درخواست کی کہ یارسول اللہ دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ میری تنگ دستی دور کرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ثعلبہ تو دولتمند ہونے کے بعد خدا کا شکر نہیں کرے گا۔ اس نے قسم کھائی اور یہ وعدہ کیا کہ یارسول اللہ اگر میں مالدار ہوگیا۔ تو سب کے حقوق ادا کروں گا۔ اور بہت سا مال خدا کے راستہ میں دوں گا۔ آپ نے دعا فرمائی کچھ عرصہ کے بعد وہ بڑا دولت مند بن گیا۔ مگر اس نے مال دار ہوتے ہی نماز پڑھنی چھوڑ دی اور جب صدقہ وصول کرنے کے لئے آپ نے اس کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ تو اس نے زکواۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت خدا کی طرف سے آپ کے پاس یہ حکم نازل ہوا کہ اگر وہ صدقہ لے کر آئے تو آپ قبول نہ فرمادیں۔ کیونکہ اس کے دل میں اخلاص نہیں ہے۔ وہ نفاق کی حالت میں مرے گا جیسا کہ قرآن کی اس آیت سے ظاہر ہے۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ پ۱۰ ع۱۶۔ خدا نے وعدہ خلافی کی سزا میں نفاق ان کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ اسی حالت میں مرجائیں گے۔

قرآن کی یہ خبر صحیح نکلی اور ثعلبہ حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں بحالت نفاق دُنیا سے رخصت ہوا۔ اگرچہ نفاق کو چھوڑ دینا۔ اخلاص اور نیک نیتی حاصل کرنی اس کے اختیار میں تھی۔ اگر وہ چاہتا اس کا خلاف کر کے اس خبر کا جھوٹا ہونا ثابت کر سکتا تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا اور وہی ہوا جس کی قرآن میں خبر دی گئی تھی۔

انتظار فرمایا کرتے تھے قبلہ کا حکم بدلنے سے پہلے قرآن میں یہ خبر دی گئی کہ یہودیوں کی بے وقوف جماعت قبلہ کے بدلنے پر طعنہ زن ہوگی۔ اور تم سے تحویل قبلہ کا سبب دریافت کرے گی۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ سَیَقُولُ السُّفَہَاءُ من الناس ما ولّٰھم عن قِبلَتِہِمُ الَّتِی کَانُوا عَلَیہَا پ۲ ع۱۔ یعنی تحویل قبلہ کے بعد عنقریب تم سے بیوقوف لوگ آکر کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو بیت المقدس سے ہٹایا ہے۔ چنانچہ اس خبر کے چند دن بعد[1] مکہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوگیا۔ بیت المقدس کا رُخ چھوڑکر مسلمان بیت اللہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے لگے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے کہا۔ کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ گیا ہے۔ اسی لئے اس نے بیت المقدس کو چھوڑکر مکہ کی تعظیم کرنی شروع کردی ہے۔ اگر یہ ہمارے ہی قبلہ پر قائم رہتا۔ تو ہمیں اس کے رسُول ہونے کا یقین ہوجاتا۔ اگرچہ ان کا ایسا کہنا۔ توریت کی تصریحات کے خلاف تھا۔ کیونکہ توریت میں نبی آخرالزمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی لکھی ہوئی تھی کہ وہ چند دن بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ کر پھر ہمیشہ کے واسطے مکہ کی جانب مُنہ کرکے نماز ادا کیا کریں گے۔ لیکن ان کا یہ شبہ پیش کرنا قرآن کی اس خبر کی تصدیق کرتا ہے۔ جس میں ان کے اس اعتراض کرنے کی اطلاع قبل از وقت دی گئی تھی۔

تفسیر کبیر میں براء بن عازب سے نقل ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد مشرکین مکہ نے بھی اس قسم کا اعتراض کیا اور یہ کہا کہ وہ ہماری خوشنودی اور موافقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے بیت اللہ کو اپنا قبلہ بنالیا ہے اگر وہ بیت المقدس پر ہی قائم رہتا

---

[1] تفسیر کبیر صہ۳ ۔ [2] قاضی بیضاوی اور امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دوشنبہ کے دن ۱۵ رجب کو جنگ بدر سے دو ماہ پہلے نبی کریم صلعم بنی سلمہ کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ابھی آپ نماز ہی میں تھے کہ بیت اللہ کی طرف مُنہ کرکے نماز کے ادا کرنے کا حکم نازل ہوگیا۔ آپ نے نماز ہی میں اپنا رُخ بدل لیا۔ اور باقی نماز مکہ کی طرف مُنہ کرکے پوری کی اسی لئے اس مسجد کو ذوالقبلتین کہنے لگے۔ ۱۲

تو رسُول ہونے کا دعویٰ صحیح ہوتا۔ غرض قرآن میں اسی قسم کے اعتراضات کی پہلے ہی خبر دی گئی تھی۔ جو بعد میں پوری ہوئی۔

۲۲ (۳۱) جب کفار مکہ کو جنگ اُحد میں غلبہ حاصل ہوا۔ اور مسلمانوں کی طرف سے ستّر آدمی شہید اور اکثر آدمی زخمی ہوئے تو مُسلمان پریشان اور بد دل ہو گئے اور ان میں کفار دل کے ساتھ مقاومت یا مقابلہ کی طاقت نہ رہی۔ اس وقت خدا نے مسلمانوں کو تسلّی دینے اور غیبی امداد فرمانے کا ان لفظوں میں وعدہ کیا سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ پ۴ ع۶۔ ہم بہت جلدی کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب اور ہیبت ڈال دیں گے۔ ابن ابی حاتم[۱] حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ خواجہ دو جہاں صلعم نے فرمایا کہ جتنا تمہیں نقصان پہنچنا تھا۔ پہنچ چکا۔ اللہ نے ابو سفیان کے دل میں رُعب ڈال دیا ہے۔ وہ اب مکہ کو واپس ہو جائے گا۔ چنانچہ مسلمانوں نے باوجودیکہ[۲] کافروں کی زبردست مدافعت نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی ان میں دفاع کی سکت باقی تھی لیکن ابو سفیان اس قدر کامیابی کے باوجود جنگ کو درمیان میں چھوڑ کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ جب مقام رَوحا[۳] میں پہنچا۔ تو اس کو اپنی واپسی پر سخت ندامت ہوئی۔ اور اس نے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم نے باوجود غلبہ کے جنگ چھوڑنے میں سخت غلطی کی ہے۔ مسلمانوں کی حالت نہایت درجہ شکستہ اور خراب تھی۔ اس وقت ان کا استیصال کرنا بہت آسان تھا۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہم مدینہ کی طرف لوٹیں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر کے ان کا کلیۃً استیصال کر دیں۔ سرور دو عالم صلعم کو بھی ابو سفیان کے اس ناپاک ارادہ کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے جنگ اُحد میں شریک ہونے والوں کو جن میں اکثر زخمی تھے۔ ساتھ لیا۔ اور اس سے مقابلہ کرنے کے واسطے مدینہ سے ۸ میل کے فاصلہ پر مقام حمراء الاسد میں اُتر کر ان کا انتظار کرنے لگے۔ جب ابو سفیان کو آنے جانے والے لوگوں سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمادگی جنگ اور انتظار کا علم ہوا۔ تو حوصلے پست ہو گئے۔ اور ایسا رعب اس کے دل پر بیٹھا کہ اس نے مکہ ہی جا کر دم لیا۔

---

۱ رواہ ابن کثیر ۲ بیضاوی و ابوالسعود۔ ۳ تفسیر ابی السعود۔

باوجودیکہ ابوسفیان کی جمعیت تین ہزار تھی۔ سب کے دل فتح اور غلبہ کی وجہ سے بڑھے ہوئے تھے کسی قسم کی کمزوری ان میں نہیں پائی جاتی تھی۔ مگر چھ سو مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کی جن میں اکثر زخمی اور مصیبت زدہ تھے ان کو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ مسلمانوں کی ہیبت اور ان کے رعب کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۲۳ـــ (۴) مدینہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے یہودی بنی قریظہ بنی نضیر بنی قینقاع اور یہود خیبر تھے۔ ان تمام یہودیوں کی نسبت مسلمانوں کو قرآن میں یہ خبر دی گئی۔ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى پ ۴ ع ۲ مسلمانو تمہیں یہودی معمولی تکلیف کے علاوہ زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودی مسلمانوں کو جان و مال کا نقصان نہیں پہنچا سکے۔ گھروں میں بیٹھ کر گالی گلوچ اور طعن و تشنیع کرتے رہے مگر مسلمانوں کے قتل اور ان کے قید کرنے کی قدرت یہودیوں کو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ کیا کسی قوم کے متعلق ایسا قطعی فیصلہ کرنا اور پھر اس کے خلاف نہ ہونے دینا کسی انسان کا کام ہے ہرگز نہیں۔ یہ قدرت خدائے قدوس کو حاصل ہے۔

۲۴ـــ (۵) ان تمام یہودیوں کے بارے میں دوسری خبر قرآن عزیز میں یہ دی گئی وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ پ ۴ ع ۲ اگر یہودی تم سے جنگ کریں تو پشت پھیر کر بھاگیں گے۔ کبھی تمہارے مقابلہ میں نہ ٹھہریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قبائل یہود میں سے کوئی قبیلہ بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر نہیں لڑا۔ ہمیشہ قلعوں میں بند ہو کر دیواروں کے پیچھے لڑائی جاری رکھ سکے ہیں۔ وہ بھی کچھ دیر کے لئے۔ ورنہ اخیر میں اپنے مال و جان کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑتے رہے۔ یہود خیبر لڑائی کے شروع میں مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آتے ہیں۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد پشت دکھا کر بھاگے اور قلعوں میں جا گھسے۔ اس پیشین گوئی کا پورا ہونا بتا رہا ہے کہ یہ خدائی فیصلہ تھا کسی انسان کا فیصلہ نہ تھا۔

لہ تفسیر ابن کثیر۔ تاریخ ابن خلدون۔ سیرۃ ابن ہشام۔ لہ جلالین بیضاوی

لہ ابن کثیر بیضاوی تاریخ ابن خلدون۔

۲۵ ــــ (۶) اسی آیت کے آخیر میں یہودیوں کی بابت اس فیصلہ کی خبر دی گئی ثُمَّ لَا یُنصَرُونَ پ۴ ع۳ مسلمانو تمہارے مقابلہ میں یہودیوں کی کبھی مدد نہیں کی جائیگی۔ سو آج ساڑھے تیرہ سو برس ہونے آئے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں کو کبھی کوئی فتح نصیب نہیں ہوئی اور جو ذلت اور رسوائی کا داغ یہودیوں کی پیشانی پر لگا تھا وہ آج تک نہیں مٹ سکا۔ اور قیامت تک یہی حال رہیگا مسلمانوں کے خلاف کبھی ان کو کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی انسان کا کیا ہوا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ فیصلہ اسی ذات کا کیا ہوا ہے جو تمام جہان کا واحد مالک اور مختار کل ہے۔

۲۶ ــــ (۷) وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا پ۳ ع۱۴ اے عیسیٰ اللہ تعالیٰ تیرے ماننے والوں کو انکار کرنے والوں پر غالب رکھے گا۔ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو وعدہ ان کے مصدقین کو منکرین پر غلبہ دینے کا کیا تھا۔ اس کو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ جماعت جو دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت اور بزرگی تسلیم کرنیوالی ہے وہ مسلمان اور نصاریٰ کی ہے۔ اور انکار کرنیوالی جماعت یہودی ہیں۔ دنیا کی وہ جماعتیں جو نہ اقرار کرتی ہیں اور نہ ان کا خاص طور پر انکار کرتی ہیں۔ وہ آیت کے مفہوم سے خارج ہیں۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ قیامت تک مسلمان اور نصاریٰ کا یہودیوں پر غلبہ رہے گا۔ چنانچہ اسلام کے ظاہر ہونے سے پہلے نصرانی یہودیوں پر غالب رہے اور بعد ظہور اسلام غلبہ مسلمان اور نصاریٰ کے درمیان تقسیم ہو گیا اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

۲۷ ــــ (۸) وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ پ۴ ع۵۔ اگر تم نے اسلام کو نہ چھوڑا اور خدا کے رسول کی مخالفت نہ کی۔ تو تم سب پر غالب اور حکمران بن کر رہو گے یعنی اگر تم نے شریعت محمدی کی پوری پابندی کی اور مخلص مسلمانوں کی طرح خداوندی احکام کی بجا آوری میں مشغول رہے۔ تو فتح اور نصرت تمہاری لونڈی اور غلام بن کر رہے گی۔ ورنہ تم دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ چنانچہ جس وقت جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور لڑائی کا سامان بہت کم تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان لڑائی کے واسطے تیار ہو کر بھی نہیں

۱؎ تفسیر فتح البیان از شوکانی ۲؎ تفسیر بیضاوی تفسیر کبیر ج ۳ ،صفحہ؟

آئے تھے تو وہ قوی اور زبردست دشمن کے مقابلہ میں رسول اللہ صلعم کے حکم پر چلنے کی وجہ سے کامیاب رہے اور جنگ احد میں باوجودیکہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور لڑائی کا سامان بھی کافی تھا جنگ کی تیاری بھی خوب کی گئی تھی مگر جو جگہ تیر اندازوں کے واسطے حضور نے تجویز فرمائی تھی۔ اس کو چھوڑ کر مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کیا تھا۔ اس لئے فتح کے بعد ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اسی طرح جب تک مسلمانوں نے اسلامی اصول کو نہ چھوڑا۔ دنیا پر غالب رہے اور جب سے اسلامی روایات کو خیرباد کہا۔ اسی وقت سے رسوا اور ذلیل ہو گئے اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

۲۹ — (۹) سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ پ۵ ع۹۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہیں گے کہ تمہارے سے امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی بچے رہیں۔ اس آیت میں آنیوالی جماعت کا ذکر کیا ہے جو خدمت نبوی صلعم میں آکر دل سے مسلمان نہ ہو گی بلکہ اپنا اسلام لانا اس غرض سے ظاہر کرے گی کہ وہ ایسا کر کے مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہو جائے اور دوسری طرف اپنی قوم کے ساتھ دل سے ملی ہوئی ہو گی۔ تاکہ وہ ان کی نظر میں بھی سرخرو بنی رہے یہ خبر اس جماعت کے آنے سے پہلے دی گئی تھی۔ جیسا کہ لفظ ستجدون سے ظاہر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند دن کے بعد قبیلہ اسد اور غطفان کے لوگ مدینہ میں وارد ہوئے اور رسول خدا صلعم کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئے۔ اور جب اپنے قبیلہ میں پہنچے تو پھر کافر بن گئے۔[۱]

۲۹ — (۱۰) یہود اور نصاریٰ اور دونوں قوموں کے باہمی تعلقات کی نسبت خدا تعالےٰ نے قرآن میں یہ خبر دی۔ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمَا الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ پ۶ ع۷۔ ہم نے ان دونوں قوموں کے درمیان بغض اور عداوت لازم کر دی ہے اور اسی طرح قیامت تک رہے گی۔ باوجودیکہ صدیاں گذر گئی ہیں۔ لیکن آج

---

[۱] تفسیر کبیر۔ بیضاوی۔

تک[1] اس کے خلاف نہیں ہوا۔ یہود اور نصاریٰ کی باہمی عداوت اور آپس کی دشمنی ہر خاص و عام پر ظاہر ہے ہر ایک جماعت دوسرے گروہ کی سخت دشمن اور خون کی پیاسی ہے اور دنیا کے ختم ہونے تک یہی حالت رہے گی۔ اور یہودی من حیث القوم نصرانیوں سے اور نصرانی یہودیوں سے کبھی خوش نہیں ہوں گے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں قوموں میں ایسی عداوت اور دشمنی ڈال دینا محمد صلعم کا کام ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہ حضرت محمد صلعم کا اپنا فیصلہ ہوتا۔ تو آپ کو اس بات پر کبھی قدرت حاصل نہ ہوتی۔ اور نہ کوئی انسان کسی قوم کے حالات اور واقعات کے متعلق قیامت تک کے لئے ایسی خبر دے سکتا ہے یہ اسی کی طاقت ہے جو انسانی دلوں کا مالک اور ان کے ارادوں پر غالب ہے اور وہ خدا ہی کی ذات ہے۔

۳۰۔۔۔(۱۱) احد کی لڑائی ختم ہونے کے بعد ابوسفیان نے مسلمانوں سے پکار کر کہا۔ کہ آئندہ سال لڑائی بدر میں ہو گی مسلمانوں نے آپ کے مشورہ سے اس اعلان کو منظور کر لیا۔ جب[2] نبی کریم صلعم اگلے سال مسلمان اپنے ہمراہ لے کر بدر کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تو قرآن[3] میں ان سے یہ وعدہ کیا گیا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پ۵ ع۸ مسلمانو اللہ تعالیٰ کافروں کی تکلیف تم سے دور رکھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوسفیان بڑی جمعیت لے کر مکہ سے باہر نکلا۔ مگر اس پر مسلمانوں کی ہیبت اور ان کا خوف اس قدر چھایا کہ اس کو آگے بڑھنے کی جرأت اور ہمت ہی نہ ہوئی اور وہ مرظہران تک پہنچکر مکہ کی طرف واپس ہو گیا۔ مسلمانوں نے ۸ روز تک بدر میں قیام کیا اور تجارت وغیرہ سے بہت سا فائدہ اٹھا کر مدینہ کی طرف واپس چلے آئے۔

۳۱۔۔۔(۱۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ پ۶ ع۱۲۔ مسلمانو اگر تم میں سے بعض آدمی اسلام کو چھوڑ دیں اور کفر اختیار کر لیں تو فکر نہ کرنا۔ خدا تعالیٰ ان سے بہتر اور جانثار لوگوں کو اسلام میں داخل کرے گا اس آیت

---

[1] ابن کثیر ابوالسعود [2] ابن خلدون۔ [3] بیضاوی [4] ابن کثیر۔ مدارک

میں بعض جماعتوں اور آدمیوں کے مرتد ہونے اور دینِ حق سے پھر جانے کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ پیغمبرِ خدا[۱] صلعم کی رحلت اور وفات سے کچھ عرصہ پہلے تین قبیلے اسلام سے پھر گئے۔ ایک بنو مدلج کے لوگ تھے۔ جن کا سردار اسود عنسی تھا۔ اس نے یمن میں نبوت کا دعوٰے کیا۔ اور اس کے بعض شہروں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ آنحضرت صلعم نے فیروز دیلمی کو اپنی حیات کے آخری زمانہ میں یمن کی طرف بنو مدلج سے لڑنے کے واسطے بھیجا۔ جس رات نبی علیہ السّلام کا وصال ہُوا اسی شب کو اسود عنسی فیروز دیلمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ رسُول خدا صلعم نے وفات سے چند لمحے پہلے اس کے قتل کی مسلمانوں کو خبر دی چنانچہ تقریبًا پندرہ روز بعد اس کے قتل ہونے کی خبر مدینہ پہونچی۔ دوسرا قبیلہ بنو حنیفہ کا تھا۔ جو مرتد ہو گیا مسیلمہ کذاب جو اسی قبیلہ کا ایک آدمی تھا۔ یمامہ میں نبوّت کا مدعی ہُوا۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں مسلمانوں نے اس کے ساتھ جنگ کی۔ جس میں مسیلمہ مارا گیا۔ تیسرا قبیلہ بنی اسد کا تھا۔ ان میں طلیحہ بن خویلد نے نبوّت کا دعوٰی کیا۔ سرورِ کائنات صلعم نے خالد بن ولید کو اس سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ طلیحہ لڑائی میں شکست کھا کر ملک شام کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں جا کر اس نے توبہ کی سچّے دل سے مُسلمان ہو گیا اس کے بعد خلیفہ اوّل حضرت ابُوبکرؓ کے زمانہ میں سات قومیں مرتد اور بے دین ہو گئیں۔ بنی فزارہ[۱]، غطفان[۲]، بنی سلیم[۳]، بنی یربوع[۴] بعض بنی تمیم[۵]، کندہ[۶]۔ بنی بجران[۷] میں سے بعض انہی کے زمانے میں مارے گئے۔ اور بعضوں نے توبہ کی۔ اور قبیلے غسان کے بعض آدمی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نصرانی ہو گئے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کو قرآن میں یہی خبر دی گئی تھی۔ کہ تم میں سے بعض آدمی اسلام سے پھر جائیں گے۔ سو وہی ہُوا۔

۴۲ (۱۳۱) جب مسلمانوں کو قرآن میں اس بات کی خبر دی گئی کہ تم سے بعض آدمی مرتد اور بے دین ہو جائیں گے۔ تو مسلمانوں کو اس کا صدمہ اور رنج ہونا لازمی امر تھا۔ اس لئے ان کو اس خبر کے ساتھ ساتھ یہ خوش خبری بھی سُنا دی گئی۔ فَسَوْفَ یَاْتِیْ

---

[۱] بیضاوی۔

اللّٰہ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهٗ پ ۶ ع ۱۲۔ خُداتعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں داخل کرے گا۔ جو خُدا کو پیارے ہیں اور خُدا ان کو پیارا ہو گا۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو ابُوموسیٰ اشعری اس مجلس میں موجود تھے۔ رسُولِ خُدا صلعم نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ هُمْ قَوْمُ هٰذَا۔ وُہ قوم جس کو خُدا دوست رکھے گا۔ اور وہ خُدا سے مُحبت کریں گے۔ اس شخص کی قوم ہے۔ ابُوموسیٰ جو یمن کے رہنے والے اور قبیلہ اشعر کے ایک فرد تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے وطن کے بہت سے آدمی مدینہ پہنچے اور سردار دوجہان صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑے شوق اور محبت سے مُسلمان ہو گئے۔ نبی کریم صلعم ان کے بڑھے ہوئے ذوق و شوق اور سچے اخلاص کو دیکھ کر مسرور ہوئے اور یہ ارشاد فرمایا۔ اَلْاِیْمَانُ یَمَانٌ وَالْحِکْمَۃُ یَمَانِیَّۃٌ۔ حکمت اور ایمان یمن والوں کا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وعدہ اس قوم کے ایمان لانے سے پہلے ہوا تھا۔ جیسا کہ سوف یأتی میں لفظ سوف سے ہویدا ہے کیونکہ عربی زبان میں یہ لفظ استقبال بعید کے واسطے آتا ہے۔ چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا۔ ایک سچے اور مخلص آدمیوں کی جماعت اسلام میں داخل ہو گئی۔ ایسا وعدہ کرنا اور پھر اس کو پُورا کر دینا خُدا ہی کا کام ہے۔ انسان کبھی نہیں کر سکتا۔

۳۳ (۱۴) جب نبی کریم صلعم ہجرت کے بعد مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو وہاں یہودی کثرت سے رہتے تھے۔ چونکہ یہودی حضور کے جانی دشمن تھے۔ اور ان کی طرف سے نقصان پہنچنے کا سخت خطرہ تھا۔ اس وجہ سے مسلمان رات کو آپ کے دولت کدہ کی حفاظت کرتے اور نوبت بنوبت پہرہ دیا کرتے تھے۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ دو سال تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد قرآن میں آپ کی حفاظت کا وعدہ ان لفظوں میں کیا گیا۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ پ ۶ ع ۱۲ اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ جب لوگ پہرہ پر تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ رسُولِ خُدا

---

۱ بیضاوی ۲ رواہ مسلم ۳ رواہ البخاری والترمذی عن عائشہ۔

صلعم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں کو پہرہ سے ہٹادیا اور یہ فرمایا کہ اب مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ میرا محافظ اور نگہبان ہے۔ فخر عالم صلعم اس کے بعد ۱۸ سال تک زندہ رہے۔ لیکن کبھی مدینہ میں یا اس کے باہر سفر میں آپ کی حفاظت نہیں کی گئی۔ اگرچہ دشمنوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی باڈی گارڈ یا حفاظتی جماعت نہیں رہتی لیکن وہ کسی موقعہ پر بھی آپ کو اکیلا پا کر نقصان نہیں پہنچا سکے۔ قرآن کا یہی وعدہ تھا کہ دشمنوں سے آپ کی حفاظت کی جائے گی۔ اور وہ کبھی آپ کے قتل پر قادر نہ ہوں گے۔ کیا کوئی شخص دشمنوں کے جتھے میں حفاظت کے ظاہری سامان دور کرنے کے بعد دعوے کے ساتھ خدائی امداد کے بغیر مامون و مصؤن رہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں معلوم ہوا ہوا کہ یہ وعدہ خدائی وعدہ تھا جو پورا ہوا۔

۳۴ــــ (۱۵) وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا پ۶ ع۱۵۔ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دو قومیں مسلمانوں کی سخت دشمن ہیں۔ ایک یہودی اور دوسرے مشرکین اور بت پرست تجربہ شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا موقعہ ان دونوں قوموں کے ہاتھ آیا وہ ان کو تکلیف اور نقصان پہنچانے سے کبھی نہیں چوکے۔ ان کا دلی بغض اور عداوت باطنی فوراً ظاہر ہو گئی۔ کسی قوم کے متعلق ایسا صحیح اور سچا فیصلہ کرنا اسی کا کام ہے جو دلی جذبات اور ان کے اندرونی خیالات سے واقف اور باخبر ہے اور وہ خدا کی ذات ہے انسان کی یہ طاقت نہیں ہے۔

۳۵ــــ (۱۶) سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا پ۸ ع۵۔ مشرکین آپ کے پاس آکر عنقریب یہ کہیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا۔ تو ہم کسی کو اس کا شریک نہ بناتے۔ اس آیت میں وقت سے پہلے اس بات کی خبر دی گئی ہے جیسا کہ لفظ سیقول کے س سے ظاہر ہے کیونکہ وہ عربی زبان میں استقبال قریب کے واسطے آتا ہے۔ جس کا ترجمہ اردو میں عنقریب ہے۔ چنانچہ[1] ایک جماعت مشرکین کی نبی علیہ السلام

---

[1] بیضاوی۔ تفسیر ابو السعود ج ۵ ص ۳۵۔

کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے وہی کہا جس کی قرآن میں خبر دی گئی تھی جیسا کہ آیت وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۔ سے ظاہر ہے یعنی مشرکین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہا۔ کہ اگر اللہ تعالٰے چاہتا تو ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے اور اس کی خدائی میں کسی کو اسکا شریک نہ بناتے۔

۳۶ــ (۱۷) جب غزوہ خندق میں بارہ ہزار کافروں نے مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اور تقریباً ایک مہینہ تک اس کو محاصرہ میں رکھا۔ اور اس طویل محاصرہ کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت غیر ہو گئی اور کئی وقت تک بھوکے رہے اور دشمنوں سے لڑنے کی ان میں طاقت نہ رہی تو خدا نے غیبی امداد فرمانے کا وعدہ کیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ پ۹ ع۱۶۔ میں عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب اور ہیبت ڈال دوں گا۔ اور پیغمبر اسلام صلعم نے اس آیت کی تفسیر اور شرح کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کفاروں کے جمع ہونے کی وجہ سے تمہیں سخت تکلیفیں پہنچیں گی۔ لیکن انجام تمہارے ہاتھ میں رہے گا۔ اور وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ دشمن کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ بنی قریظہ کے لوگ ان سے الگ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ ایک تیز اور تند آندھی رات کے وقت اس زور سے چلی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور جانور تتر بتر ہو گئے۔ اور بعض آدمی اڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ اگرچہ یہ چیز پریشان کن اور تشویشناک ضرور تھیں۔ لیکن یہ ایسے اسباب نہیں تھے کہ ایک ہی رات میں ان کی وجہ سے مہینہ بھر کا محاصرہ چھوڑ کر دفعتہً بھاگ جاتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ بنی قریظہ کے نکل جانے کے بعد وہ مسلمانوں سے تعداد میں تین گنا زیادہ تھے۔ اور مسلمانوں کی حالت بہت خراب اور خستہ ہو رہی تھی۔ اس لئے اس کی یقیناً یہی وجہ تھی کہ ان کو اس بات کا ڈر ہو گیا کہ کہیں مسلمان بھوکے شیروں کی طرح کمین گاہوں سے نکل کر ہم پر

لہ بیضاوی

نہ ٹوٹ پڑیں۔ اور ہمیشہ کے واسطے ہمارا خاتمہ کر دیں۔ ان کو بھاگ جانے ہی میں نجات نظر آئی۔ سو وہ راتوں رات میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور قرآن کا یہی وعدہ تھا کہ وہ خوف اور ڈر کی وجہ سے میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

۳۷ ــــ (۱۸۱) مکہ فتح ہونے کے ایک سال بعد ۹ھ میں جب حضرت علیؓ نے مکہ میں مسلمانوں کی طرف سے یہ اعلان کیا کہ آج کی تاریخ سے مسلمانوں کا مشرکین سے کوئی معاہدہ نہیں رہا اور نہ کوئی کافر قدیم رسم کے مطابق برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کر سکتا ہے تو مکہ کے رہنے والے مسلمانوں کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ مکہ میں غلہ کی قسم سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی اور نہ کوئی کافر معاہدہ فسخ ہونے کے بعد غلہ یا سبزی اور پھل وغیرہ باہر سے لے کر آئے گا۔ تو اجناس کی کمی سے مکہ میں قحط اور گرانی رونما ہو جائے گی جس سے اہلِ مکہ کو سختی اور بھوک کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ خدا تعالیٰ نے اہلِ مکہ کے تنگ دستی میں مبتلا ہونے اور فقر و فاقہ کے خوف کو دور کرنے کے واسطے قرآن میں فارغ بالی اور خوشحالی عنایت کرنے کا اس طرح وعدہ فرمایا۔ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ پ۱۰ ع ۔ اگر تمہیں مشرکین کے نہ آنے کی وجہ سے فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو تو پرواہ نہ کرو۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے تمہیں غنی اور دولت مند بنا دے گا۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ جرش اور تبالہ کے رہنے والے مسلمان ہو گئے۔ ہر قسم کا غلہ اور پھل وغیرہ لے کر مکہ میں آنے جانے لگے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں شہر فتح ہو گئے جن میں بہت سا مالِ غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ اور وہ دولتمند ہو گئے نیز ہر طرف کے لوگ مکہ میں آ کر جمع ہونے لگے۔ جن کی آمد و رفت سے اہلِ مکہ کو بے انتہا فائدہ پہنچنے لگا۔ غرضیکہ بغیر ذرائع کے کسی قوم کو دولت مند بنا دینا اور غیب سے ایسے اسباب پیدا کرنا کہ جن کی وجہ سے فقر و فاقہ کا کوئی خطرہ اور تنگ دستی کا ڈر نہ رہے رب العزت ہی کا کام ہے ورنہ انسان کی کیا مجال ہے جو کسی کو اس طرح غنی یا فقیر بنا سکے۔

۱؎ تفسیر کبیر ص۲ ص۱۴۶ ۲؎ بیضاوی ص ۲۸۹ ۔

۲۸___۱۹۱) شروع میں اسلام کی حالت اس کمزور اور ضعیف پودے کی طرح تھی جو ایک خشک اور چٹیل میدان میں تن تنہا اکیلا کھڑا ہو۔ نہ موسم کی ہوا اس کے موافق اور نہ آبیاری کے لئے اس کو پانی میسر آتا ہو۔ پھر جھکڑ ہوائیں اس کو بیخ و بن اور جڑ سے اکھاڑنے پر تُلی ہوئی ہوں، جس طرح ان مصیبتوں میں گھر جانے کے بعد اس پودا کا سر سبز اور بار آور ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کفاروں کے نرغہ میں اسلامی خیالات کی نشر و اشاعت اور دین الٰہی کا پھلنا پھولنا۔ نبی کریم صلعم کا اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جانا سخت مشکل تھا۔ چاروں طرف کافروں کا غلبہ تھا۔ کامیابی کے جملہ وسائل اور ذریعے ان کے ہاتھ میں تھے۔ اجتماعی قوت اُن کو حاصل تھی۔ طاقت و قوت کے وہ مالک تھے دولت کی بھی وہاں کمی نہ تھی۔ وہ لوگ جنگ جو اور بہادر تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسلامی خیالات کے پکے دشمن اور توحید کے سخت مخالف تھے دوسری طرف نبی عربی صلعم کی ایک ذات شریف تھی نہ کوئی یار تھا۔ نہ مددگار۔ اپنے پرائے اور یگانے بیگانے ہو چکے تھے۔ اِدھر آپ مفلس اور غریب تھے تعلیمی خوبیوں سے ناآشنا تھے اور جو آپ کے رفیق اور دم کے ساتھی بن گئے تھے، وہ بھی آپ کی طرح بے کس اور کمزور تھے۔ ان حالات کی موجودگی میں اس بات کی کس کو توقع تھی کہ جب قرآن میں مسلمانوں کے غلبہ اور کامیابی کی یہ خبر دی گئی وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ پ ۲۳ ع ۹۔ (ہم نے رسُولوں کی مدد اور نصرت کا یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ دین الٰہی کے مدد کرنے والے ایک دن ضرور غالب ہو کر رہیں گے) تو کفاروں نے مسلمانوں سے استہزا کرنا اور آپ کا مذاق کرنا شروع کر دیا کبھی کہتے مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ جو فتح بچوں کیلئے تھی وہ کیا ہوئی۔ کبھی کہتے کہ جو مصیبت اور عذاب نافرمانی کی وجہ سے ہم پر آنے والا تھا، وہ کیوں نہیں آتا۔ اس وقت خدا نے اپنے رسُولؐ سے اسلام کا وعدہ اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کے متعلق یہ خوش خبری سنائی۔ يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ پ ۱۰ ع ۱۱۔

کافر خدا کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن وہ سچائی کے نور کو ضرور روشن کرے گا. خواہ کافروں کو یہ بات کیسے ہی ناگوار اور گراں گذرے۔ یہی وعدہ سورۃ نور میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔ جس دین کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے پسند کیا ہے۔ اس کو دوسرے دینوں پر ضرور ایک دن غالب کرے گا۔ ساتھ ہی صبر کی تلقین فرمادی اور یہ بتا دیا کہ خدا کا وعدہ اٹل ہے ایک دن ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ لیکن آپ کافروں کے اعتراضات اور طعن و تشنیع سے تنگ آکر بے صبری اور جلد بازی نہ کریں اور فرمادیا وَلَتَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ۔ اگرچہ کچھ دیر کے بعد ہو لیکن ہم آپ کی مدد ضرور کریں گے اور کبھی فرمادیا گیا۔ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ پ ۲۱ ع ۹۔ آپ صبر کیجئے خدا کا وعدہ ضرور پورا ہو گا۔ کفاروں کی حرکتیں آپ کو جلد بازی پر نہ ابھاریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ قبائل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور جو قومیں کل تک اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر ادھار کھائے بیٹھی تھیں۔ وہ اس کی معاون اور مددگار بن گئیں۔ عرب کی زمین بت پرستی کی اندھیریوں ضلالت و گمراہی کی ظلمتوں سے پاک ہو کر توحید اور سچائی کے نور سے جگمگا اٹھی۔ باطل پرستوں کے جھنڈے اسلامی پرچم کے آگے سرنگوں ہو گئے کسی نے خوشی سے اسلام کی غلامی اختیار کی اور کوئی ذلت کے ساتھ سر جھکانے پر مجبور ہوا۔ عرب سے بت پرستی ہمیشہ کے واسطے رخصت ہوئی۔ ملک شام میں صلیب نے ہتھیار ڈال دیئے اور فارس کے آتش کدے ٹھنڈے ہو گئے صحابہؓ کے زمانے میں اسلام اندلس اور بلاد قیروان سے گزرتا ہوا بحر محیط تک اور مشرق میں چین کی سرحد تک پھیل گیا۔ عرب۔ مصر۔ اسکندریہ۔ ملک عراق۔ اور شام فلسطین وغیرہ سب جگہ اسلام کی روشنی جگمگا اٹھی۔ ملک فارس کے تمام حصوں اور ہندوستان کے بعض شہروں تک اس زمانہ میں آفتاب اسلام کے تمام دینوں پر غالب ہونے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

لہ اعجاز القرآن للباقلانی۔

۳۹ (۲۰) روم کے بادشاہ ہرقل نے مسلمانوں کی پیہم کامیابیوں سے متاثر ہو کر ان پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کردی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس ارادہ کی اطلاع ہو گئی آپ نے مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے لڑائی کے واسطے تیار ہونے کا حکم فرمایا۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا۔ مقابلہ میں دشمن زبردست اور قوی تھا۔ اور اس کی تعداد بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ سفر دور دراز کا اور لمبا تھا یہ ایسے حالات تھے کہ ان کی موجودگی میں جنگ کے لئے تیار ہونا بظاہر نہایت مشکل تھا۔ لیکن مخلص اور دیندار مسلمان سردار دوجہان صلعم کا حکم سنتے ہی سرفروشی کے واسطے تیار ہو گئے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم رجب ۹ھ میں تیس یا چالیس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر مدینے سے باہر نکلے اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے اس دفعہ مسلمانوں کے لشکر میں دس ہزار سوار تھے۔ مخلص مسلمانوں میں سے کوئی شخص بلا عذر لڑائی میں شریک ہونے سے پیچھے نہیں رہا۔ سوائے تین آدمیوں کے جو اپنی سستی اور سہل انگاری کی وجہ سے شریک ہونے کی سعادت سے محروم رہے اور حضور کی واپسی کے بعد انہوں نے اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے سچی توبہ کی اور معافی مانگی۔ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کی قوم سے بہت سے آدمی ثنیۃ الوداع کے قریب پہنچ کر راستہ سے واپس ہو گئے اور وہ جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ ان کے علاوہ قبیلہ غفار کے ۸۲ اور انصار میں سے تقریباً اسی قدر دوسرے منافقین تھے جو آنحضرت صلعم کے ساتھ اس سفر میں نہیں گئے بلکہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور بعضوں نے مختلف بہانے کر کے نبی عربی صلعم سے واپسی کی اجازت لے لی۔ غرض رسول خدا صلعم مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے تبوک پہنچ گئے۔ وہاں چند روز قیام فرمانے کے بعد آپ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی ابھی آپ راستہ ہی میں تھے کہ شریک نہ ہونے والے منافقین کے متعلق قرآن میں یہ خبر دی گئی۔ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ

۱؎ ابن خلدون۔ ۲؎ سیرت حلبی۔ مغازی ابن اسحاق و قسطلانی وغیرہ ۳؎ تبوک ملک شام کا ایک شہر ہے جو مدینہ سے تقریباً ۵۰۷ میل کے فاصلے پر ہے۔ ۴؎ بیضاوی۔ ۵؎ قسطلانی۔

لَوِاسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ پ۱۰ ع۱۲۔ جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو منافقین اپنا عذر ظاہر کرنے کے لئے آپ کے سامنے آکر یہ قسم کھائیں گے کہ اگر ہم میں جنگ کی طاقت ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ ضرور اس جنگ میں شریک ہوتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب[1] نبی کریم صلعم رمضان ۹ھ میں مدینہ منورہ پہنچے تو منافقین عذر خواہی کے لئے آپ کی خدمت[2] میں حاضر ہوئے اور انہوں نے انہی لفظوں کے ساتھ قسم کھائی۔ جس کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۴۰۔۔۔(۲۱) رسول خدا صلعم رجب ۹ھ میں غزوہ تبوک کیلئے مدینہ سے باہر نکلے اور تقریباً دو[3] مہینے سفر میں گذار کر رمضان ۹ھ کو مدینہ منورہ پہنچے۔ اس دو مہینے کے عرصہ میں منافقین کے حالات اور واقعات کے متعلق برابر وحی نازل ہوتی رہی اور منافقین میں سے جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ان کی مذمت اور برائیاں بیان کی گئی ایسے بعض منافقوں کو جو اس سفر میں مسلمانوں کے ساتھ تھے اپنے بھائیوں کے عیب ظاہر ہونے سے صدمہ ہوا۔ چنانچہ جلاس بن سوید منافق نے اس بارے میں دوسرے منافقین سے تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا۔ لَئِنْ كَانَ مَا يَقُوْلُ مُحَمَّدٌ لِاِخْوَانِنَا حَقًّا لَنَحْنُ شَرٌّ مِنَ الْحَمِيْرِ جو کچھ محمد صلعم۔ ہمارے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اگر وہ صحیح اور درست ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ٹھہرے۔ ان کے علاوہ آنحضرت صلعم کی شان مبارک میں بھی کچھ سخت اور سست الفاظ زبان سے نکالے۔ حق تعالٰے نے ان تمام واقعات کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ پ۱۰ ع۱۶۔ ان لوگوں نے کفر کا کلمہ زبان سے ضرور نکالا ہے۔ لیکن وہ آپکے سامنے اس بات کے کہنے سے انکار کریں گے۔ اور اس پر حلف اٹھائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب نبی کریم صلعم نے ان کو بلا کر اس کے متعلق دریافت کیا۔

---

[1] ابن خلدون [2] بخاری ج ۲ صـ ۶۳۵ [3] بیضاوی صـ ۲۹۷

تو انہوں نے قسم کھائی اور اس بات کے کہنے سے انکار کر دیا۔ لیکن جلاس بن سوید کو جو ان کلمات کا کہنے والا تھا جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ حضرت محمد صلعم کو خدائے قدوس کے سوا کوئی دوسرا شخص ان واقعات کی خبر دینے والا نہیں ہے تو اس نے اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور سچی توبہ کر کے مخلص مسلمانوں میں داخل ہو گیا۔

اہم (۲۲) منافقین کی ایک جماعت نے جو غزوہ تبوک میں نبی علیہ السلام کے ساتھ ہم سفر تھی۔ اثناء راہ میں ان کی طرف اشارہ کر کے آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگی۔ کہ دیکھو اس شخص کو یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ ملک شام کے محلات اور قلعوں کے فتح کرنے کے خیال سے جا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سردارِ دو جہان کو اس بات کی خبر کر دی۔ اور یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ۔ جب آپ اس بارے میں ان سے سوال کریں گے۔ تو وہ یہ کہیں گے کہ ہمارا یہ کہنا دل سے نہیں تھا۔ بلکہ مذاق اور دل لگی کے طور پر تھا۔ چنانچہ رسولِ خدا صلعم نے ان کو بلا کر فرمایا کہ تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم نے جو کچھ کہا وہ دلبستگی اور تفریح طبع کے واسطے کہا تھا تاکہ راستہ ہنسی خوشی کے ساتھ بآسانی طے ہو جائے ورنہ آپ سے ہمیں کوئی مخالفت اور عداوت نہیں ہے۔ جو ہم ایسے کلمات زبان سے نکالیں۔ غرض انہوں نے جواب میں وہ الفاظ کہے۔ جس کی قبل از وقت قرآن میں خبر دی گئی تھی۔[1]

۲اہم (۲۳) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

پ۱۰ ع۱۱۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ ایک دن اس کو تمام دینوں پر ضرور غلبہ دے گا۔ اگرچہ مشرکین اس کو اچھا نہ سمجھیں۔ یہ خبر اس وقت دی گئی جبکہ مجوس اور نصاریٰ کی بڑی زبردست سلطنتیں دنیا میں

---

[1] بیضاوی ص ۲۹۵

موجود تھیں اور عرب پر مشرکین کا تسلط اور غلبہ تھا اور یہودی تمام عرب میں پھیلے
ہوئے تھے اور مسلمان اس درجہ کمزور اور ضعیف تھے کہ آپ کی ایسی خبروں کو کوئی
وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا بلکہ اس پر ہنسی اور مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن
قرآن کی خبر سچی ہو کر رہی اور اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر ایک دن غلبہ نصیب ہو گیا۔
دُنیا نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ مسلمانوں نے یہودیوں کو عرب سے نکالا۔ قیصر روم پر جو
نصاریٰ کی بڑی سلطنت تھی فتح حاصل کی۔ مجوسی اور آتش پرستوں کی حکومت کا
تختہ اُلٹا۔ بلاد ترک اور ہندوستان پر جو بُت پرستوں کے رہنے کی جگہ تھی۔ قبضہ جمایا
اور دیر تک حکمرانی کی۔ دُنیا کے یہی چار مذہب ہیں جن پر اسلام کو غلبہ حاصل ہؤا۔
قرآن نے یہی خبر دی تھی کہ ایک وقت تمام ادیان باطلہ پر اسلام کو غلبہ ہو جائے گا۔ یہ
نہیں کہا تھا کہ مسلمان تمام دنیا میں چاروں مذہب کے رہنے والوں پر غالب ہوں گے
یا قیامت تک یہ غلبہ رہے گا۔ بلکہ ایک وقت کے لئے تمام دُنیا پر غالب ہونے کو کہا
تھا سو وہ پورا ہو گیا۔

۳۴ — (۲۴) تبوک سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں نبی کریم صلعم پر یہ وحی نازل
ہوئی۔ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اذا رجعتم اليهم قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ
نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ الخ قولہ
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ۔ پ۱۱ ع۱۔
اس آیت میں منافقوں کی اس جماعت کے متعلق جو آپ کے ساتھ اس سفر میں
شریک نہ ہوئی تھی۔ اور مدینہ ہی رہ گئی تھی یہ خبر دی کہ جب آپ خیریت کے
ساتھ مدینہ پہنچیں گے تو منافق آپ کی خدمت میں آکر شریک نہ ہونے کا
جھوٹا عذر بیان کریں گے اور اس پر قسمیں کھائیں گے۔ مگر آپ ان کا ہرگز اعتبار نہ کریں
وہ جان بچانے کی غرض سے ایسا کہیں گے۔ آپ ان سے کہدیں کہ تمہاری عذر خواہی

۱؎ تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۲۹۔

فضول اور بے اثر ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے تمہارے دلی ارادوں سے ہمیں باخبر اور آگاہ کردیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رسُول خدُا صلعم مدینہ منورہ پہنچے۔ تو منافقین کی ایک جماعت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قسم کھاکر کہنے لگی کہ ہمیں اس جنگ میں شریک ہونے کی قدرت نہیں تھی۔ ورنہ ہم ضرور آپکے ساتھ لڑائی میں شریک ہوتے۔ آپنے ان کے جھوٹے عذروں کو قبول نہ فرمایا۔ اور مسلمانوں کو ان سے سلام وکلام کرنے سے روک دیا۔ منافقین کا وہی کام کرنا جس کی قرآن میں قبل از وقت خبر دی گئی تھی۔ اس امر کی کھُلی ہوئی شہادت ہے کہ محمد صلعم نے جو کچھ فرمایا وہ خدُا سے فیض پاکر فرمایا۔ اپنی طرف سے ایک حرف بھی نہیں کہا۔

۴۴ــــ(۲۵) جب قرآن میں یہ خبر دی گئی کہ جو لوگ خدُا اور اس کے رسُول کے ماننے سے انکار کریں گے۔ ان پر خدُا کا غضب اور غصہ نازل ہوگا۔ اور ایسے نافرمان ہلاک اور تباہ کردیئے جائیں گے اور ان کی جگہ مطیع اور فرمانبرداروں کو دی جائے گی۔ کافروں پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگا۔ تو حُیی بن اخطب اور مکّہ کے دوسرے کافر مذاق اور دل لگی کے طور پر مسلمانوں سے کہتے۔ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔ پ۱۱-ع۱۰۔ اگر تم سچے ہو تو ہم پر ابھی تک عذاب کیوں نہیں آیا۔ اور کبھی مسلمانوں کی کمزوری اور اپنی قوت اور طاقت کو دیکھتے ہوئے کہتے۔ اَحَقٌّ هُوَ پ۱۱-ع۱۰۔ کیا نافرمانوں پر عذاب کا آنا درست اور صحیح ہے ان سوالات کے جواب میں ان کو یہ خبر دی گئی۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۔ پ۱۱-ع۱۰۔ اے محمد (صلعم) ان سے کہدیجئے۔ خدُا کی قسم تم پر خدُا کا عذاب ضرور آکر رہے گا۔ اور تم خدُا کی پکڑ سے نہ بچ سکو گے۔ یہ قطعی اور یقینی فیصلہ اس وقت سنایا گیا جبکہ مسلمانوں کی ظاہری حالت انتہا درجہ کی ردّی اور خراب تھی۔ اس کے بالمقابل دوسری طرف کفار مکہ قوی اور زبردست طاقتور تھے۔ لیکن خدُائی فیصلہ پورا ہو

لہ تفسیر کبیر ج ۴ صلہ ۴۸۹ ، ئلہ بیضاوی صہ ۳۱۵

کر رہا۔ تقریباً تمام سرداران مکہ اور اسلام کے دشمن مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کئے گئے اور ان کی طاقت اور شوکت ٹوٹ کر اس کی جگہ مسلمانوں کا زور اور دبدبہ قائم ہو گیا اور یہی قرآن کا وعدہ تھا۔

۴۵ــــ(۲۶) منافقین میں سے جو لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہے تھے۔ اُن کی بابت قرآن میں پیغمبر خدا صلعم کو یہ خبر دی گئی لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا پ۱۰ ع۱۶۔ اے محمدؐ ان سے کہدو کہ اب تم میرے ساتھ جنگ میں شریک نہیں کئے جاؤ گے اور میرے ساتھ مل کر نہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ غزوۂ تبوک ۹ھ میں ہوا۔ اور رسول اللہ صلعم اس سے ایک سال بعد ۱۰ھ میں خدا کو پیارے ہو گئے اس عرصہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی اور نہ ہی منافقین کو اخیر دم تک آپ کے ساتھ ہمرکاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۴۶ــــ(۲۷) قرآن میں منافقین کی بابت یہ خبر دی گئی کہ جب مسلمانوں کو جنگ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو یہ لوگ شریک نہ ہونے پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اگر ان کی فتح ہو جاتی ہے اور مال غنیمت ان کے ہاتھ آتا ہے تو پھر مودۃ اور دوستی کا اظہار کر کے اس میں سے حصہ لینا چاہتے ہیں۔ قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا پ۵ ع۷۔ اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو پھر یہ لوگ اس بات پر کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہ تھے۔ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں، اور اگر مال غنیمت حاصل ہو جائے تو پھر حسرت سے کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو ہمیں بھی یہ مال و دولت مل جاتی۔ اس آیت کے تین سال بعد ۶ھ میں رسول خدا

۱؎ اعجاز القرآن للباقلانی۔

صلعم نے بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کیا اور پندرہ سو مسلمان اپنے ساتھ لئے اور جب منافقین کو سفر میں شرکت کی دعوت دی گئی تو ان کو اہل مکہ کی طرف سے لڑائی کا خوف ہوا۔ اس لئے انہوں نے آپکے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور بہانہ یہ بنایا کہ ہمارے گھر خالی ہیں پیچھے کوئی کاروبار سبھالنے والا نہیں ہے اس لئے ہم شریک ہونے سے معذور ہیں جب ایک مہینہ کے بعد مسلمانوں نے خیبر کی لڑائی پر جانے کا ارادہ کیا اور منافقین کو مسلمانوں کی کامیابی کا غالب گمان ہوا۔ تو اس غزوہ میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب ان سے کہا گیا کہ اس جنگ میں وہی لوگ جا سکتے ہیں جو حدیبیہ میں شریک تھے تو انہوں نے کہا کہ تم اس خیال سے ہمیں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتے۔ تاکہ ان کو غنیمت کے مال میں سے کچھ حصہ نہ دینا پڑے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ منافقین پیسے کے میت تھے۔ ان کے دل میں اسلام کی کوئی محبت نہ تھی جس جگہ اپنا نفع دیکھتے۔ وہاں دوڑ کر جاتے اور جہاں کسی تکلیف کے پہنچنے کا ڈر ہوتا۔ اس سے کوسوں دور بھاگتے اور مسلمانوں کے دکھ درد میں ہرگز شریک نہ ہوتے اور اس کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۷ھ ـــــ (۲۸) ابھی تک ۳۳ مرد اور ۶ عورتیں مسلمان ہو چکی تھیں۔ مگر مسلمان فریضہ الٰہیہ کے ادا کرنے میں آزاد نہیں تھے۔ گھر میں دروازہ بند کرکے نماز پڑھا کرتے اور چھپ کر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اللہ سبحانہٗ نے عمر بن خطاب کو ایمان کی دولت سے نوازا اور رسول خدا صلعم کی غلامی میں داخل کیا جب آپ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلعم سے کعبہ میں نماز پڑھنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ ابھی مسلمان کمزور ہیں اور مشرکین کا غلبہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمارا دین سچا ہے۔ یا اُن کا؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارا۔ پھر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ کہ اللہ ہماری مدد کرے گا۔ یا اُن کی؟ آپ نے فرمایا کہ ہماری۔ تب حضرت عمرؓ نے گذارش کی کہ یا رسول اللہ۔ جب کافر بتوں کی پرستش علانیہ کرتے ہیں تو ہم خدا کی عبادت چھپ کر کیوں کریں۔ خصوصاً جبکہ خدا

لہ۔ بیضاوی صفحہ ۲۸۱ ـــ ٹہ ابن خلدون۔

کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ پ ۱۰ ع ۴۔ اے نبی آپ کی مدد کے واسطے خدا تعالیٰ اور مومنین کی یہ مٹھی بھر جماعت کافی ہے اس کے بعد نبی علیہ السلام مسلمانوں کو لے کر بیت اللہ میں داخل ہوئے اور وہاں جا کر کھلم کھلا نماز ادا کی اور جب کوئی کافر روکنے کے لئے آگے بڑھتا اس کو حضرت عمرؓ مار پیٹ کے سیدھا کر لیتے۔ یہاں تک کہ کعبہ میں بلا خوف وخطر نماز ہونے لگی۔ اور دن بدن اسلام کو قوت اور غلبہ ہونے لگا جس کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ مکہ کی زمین بت پرستی اور گمراہی کی اندھیریوں سے نکل کر توحید اور حق پرستی کی روشن اور چمکتی ہوئی کرنوں سے جگمگا اٹھی اور دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے تک اسلام پھیل گیا۔ غرض جس طرح قرآن نے اس جماعت کے متعلق کافی ہونے کی خبر دی تھی وہ درحقیقت اسلام کی عزت اور قائم رکھنے اور اپنی جان بازیوں سے اسلام کی کھیتی کو ہری بھری اور سرسبز کرنے میں کافی نکلی۔

۴۸ (۲۹) اَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَأْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ پ ۱۳ ع ۱۔ یا آپ ان کے یعنی اہل مکہ کے گھر کے قریب اتریں گے۔ یہاں تک خدا کا وعدہ آجائے اور بے شک اللہ تعالیٰ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ یہ آیت ۶ سے پہلے مدینہ منورہ میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ کفار مکہ سے دشمنی اور عداوت کا زمانہ ہے طرفین میں سے کوئی جماعت اپنے مخالف کے مقبوضات اور اس کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس میں آنحضرت صلعم کو یہ خبر دی گئی کہ آپ مکہ کے قریب جا کر ٹھہریں گے مکہ میں داخلہ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی اور مکہ فتح ہو جائے گا۔ بالکل ایسا ہی ہوا۔ آپ ذیقعد ۶ھ کی پہلی تاریخ کو پیر کے دن مدینہ سے باہر نکلے اور عمرہ کرنے کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اگرچہ آپ لڑائی کرنے کی غرض سے روانہ نہیں ہوئے تھے اور نہ آپ کی یہ نیت تھی۔ اس لئے آپ نے مدینہ سے نکل کر ۳ میل کے بعد ذوالحلیفہ سے

---

[1] بیضاوی۔

احرام باندھ لیا۔ اور آپ کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بھی احرام باندھے۔ لیکن مکہ والے پھر بھی مانع ہوئے اور آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی اگرچہ کفار مکہ میں سے بعض آدمی آپ کو روکنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن قریش کی اکثریت اسی طرف رہی کہ ان کو اس مرتبہ مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے اس ردوکد اور بحث تمحیص کے بعد صُلح ہوگئی اور مسلمان مکہ میں داخل ہوئے بغیر حدیبیہ سے واپس ہوگئے۔ لیکن دو سال کے بعد مکہ فتح ہوگیا اور مکہ والے آغوش اسلام میں آگئے۔ غرض قرآن نے جس بات کی وقت سے پہلے خبر دی تھی وہ بعینہ پوری ہوئی۔

۴۹۔ (۳۰) جب قرآن میں اہل حق کی فتح اور کفار کی شکست کی خبر دی گئی۔ لیکن مسلمانوں کی فتح اور نصرت میں کچھ دیر ہوئی تو کفاروں نے مسلمانوں کو چڑانا اور اُن کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ اس وقت اُن کے جواب میں اِسلام کی سچائی اور حق پرستوں کے ساتھ نصرت کا وعدہ پورا کرنے کے لئے یہ نشانی پیش کی گئی

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُہَا مِنْ اَطْرَافِہَا وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ پ ۱۳ ع ۱۲ کیا وہ اِس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم روز بروز کافروں کی زمین ان کے قبضہ سے نکال کر مسلمانوں کے قبضہ میں دے رہے ہیں۔ اللہ نے اسلام کی فتح اور کفر کی شکست کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے اور کوئی شخص خُدا کے اِس فیصلہ کو رد نہیں کر سکتا۔ اس آیت میں اسلام کی فتح اور کفر کی ذلت اور رسوائی کی قطعی اور یقینی خبر دی گئی۔ کفاروں نے اِسلام کے مٹانے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا۔ لیکن ناکام رہے۔ خود مٹ گئے مگر اسلام کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکے۔ بلکہ کفر و ضلالت کا غبار چھٹنے کے بعد اسلام کا نُور آفتاب بن کر چمکنے لگا۔ اور یہی قرآن کا وعدہ تھا۔

۵۰۔ (۳۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ پ ۱۴ ع ۱۔ ہم نے یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کے محافظ ہیں۔ ذکر سے مُراد قرآن مجید ہے۔

لہ بیضاوی صفحہ ۳۶۲

یعنی جس طرح پہلی آسمانی کتابوں توریت انجیل میں تحریف اور ردو بدل ہوتا رہا ہے۔ قرآن مجید میں نہیں ہوگا۔ اور ہر قسم کے تغیر اور کمی زیادتی سے قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اور اس میں کسی طرح کی تحریف اور تبدیلی نہ ہوگی۔ اگر یہود و نصاریٰ کی مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے جنہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں صدہا تبدیلیاں کی ہیں مسلمانوں یا کم ازکم مخالف جماعتوں کے لئے یہ امر بہت آسان تھا کہ وہ قرآن عزیز میں اپنی منشاء کے موافق تحریف یا تبدیلی پیدا کر دیتے۔ خصوصاً جبکہ مسلمان مذہبی ناواقفیت اور بے پرواہی کی وجہ سے اسلامی روایات اور مذہبی فیصلوں سے دور جا رہے ہیں۔ یہ کام اور بھی زیادہ آسان اور سہل تھا۔ لیکن آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر چکے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں ایک نقطہ کا فرق نہیں آیا۔ اور جو قرآن آج سے تیرہ سو برس پہلے حضرت محمد صلعم پر ظاہر ہوا تھا وہی قرآن آج بھی بلا کم و کاست موجود ہے۔ اگر قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ خدائی وعدہ نہ ہوتا بلکہ آنحضرت صلعم کی طرف سے ہوتا۔ تو اس کتاب کا ہر قسم کی تحریف و تصحیف سے محفوظ رہنا نہایت مشکل ہو جاتا۔ زیادہ سے زیادہ پیغمبر خدا صلعم اپنی زندگی میں حفاظت کر سکتے تھے۔ لیکن اس عالم سے رخصت ہونے کے بعد دوست دشمن سے بچانے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ باوجودیکہ سینکڑوں ملحد و بددین یہود و نصاریٰ ایسے دنیا میں موجود ہیں۔ جو اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں جن کی دن رات یہی آرزو ہے کہ وہ کسی طرح اسلام کا جھوٹا ہونا ثابت کریں۔ اور موجودہ دین کو بدل دیں۔ لیکن وہ کبھی نہ کر سکے اور نہ قیامت تک کر سکیں گے اب تک یہ خدا تعالیٰ ہی کی حمایت اور حفاظت کا اثر ہے جو قرآن ہر قسم کی تبدیلی سے بچا ہوا ہے۔ رہی طباعت کی غلطیاں سو اس کی تصحیح اور اصلاح کرنے کے لئے سینکڑوں انسان موجود ہیں۔ نیز اس میں کوئی غلطی ایسی مشتبہ اور چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔ کہ جس سے اس کی اصلیت پر تاریکی کا پردہ پڑ جائے اور حقیقت حال معلوم نہ ہو سکے۔ اور یہی مطلب اس آیت کا ہے۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ

---

(۱) تفسیر کبیر ج ۵ صہ ۲۸۵

مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ. قرآن مجید میں کسی طرف سے باطل کی گنجائش نہیں ہے۔

۵۱۔۔۔(۳۲) مکہ کے سردار رسولِ خدا صلعم کے ساتھ دل لگی کرتے۔ اور اُن کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ[1] نبی علیہ السلام بیت اللہ کے قریب نماز ادا فرما رہے تھے۔ ابوجہل اور اُس کے چند ساتھیوں نے جب آپ کو دیکھا تو عقبہ بن ابی معیط کو اشارہ کیا۔ وہ ایک ذبح کئے ہوئے جانور کی اوجھڑی جس میں گندگی بھری ہوئی تھی۔ اُٹھا لایا اور جس وقت رسالت پناہ صلعم سجدہ میں گئے۔ تو اس بھری ہوئی اوجھ کو آپ کی پُشت پر رکھدیا۔ پھر اس حرکت کے بعد وہ دیر تک ہنستے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رض حضور صلعم کی چھوٹی صاحبزادی کو خبر ہوئی۔ اور انہوں نے اوجھ آپ کی پشت سے اُتار کر پھینکی۔ عبداللہ بن مسعودؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلعم نے ان بدذاتوں کے حق میں بددُعا فرمائی۔ چنانچہ اس میں سے ۶ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور عمارہ بن ولید حبشہ جاکر دیوانہ ہوگیا۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ یہی سات آدمی تھے جن کے بارے میں حضور نے بددُعا فرمائی تھی۔ اِن کے علاوہ[1] ولید بن مغیرہ (۲) عاص بن وائل (۳) عدی بن قیس (۴) اسود بن مطلب (۵) اسود بن عبدیغوث۔ یہ پانچوں سردار رسولِ خدا صلعم کی ہنسی اُڑاتے۔ اور ایک ساتھ بیہودہ مذاق کرنے میں سب سے آگے رہتے تھے۔ قرآن میں ان کے متعلق یہ خبر دی گئی۔ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ پ ۱۴ ع ۶۔ اے ہمارے پیارے نبی آپ ان مذاق اُڑانے والوں سے دل تنگ نہ ہوں۔ ہم ان سے اس گستاخی کا بدلہ لینے والے ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے چند[2] دن بعد ان پانچوں (بدذات) آدمیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ ولید کا پاؤں اپنے تیر سے زخمی ہوگیا۔ اور وہ اسی صدمہ سے مرگیا۔ عاص بن وائل کے پاؤں میں کانٹا چبھا اور پاؤں سوج کر چکی کی طرح ہوگیا۔ اور اسی حالت میں جہنم رسید ہؤا۔ اسود بن مطلب کو آنکھوں کی تکلیف ہوئی۔ آخر

---

[1] رواہ البخاری۔ [2] تفسیر کبیر ج ۵۔ بیضاوی

اندھا ہو کر مر گیا۔ عدی بن قیس کی ناک سے خون اور پیپ جاری ہو گئی۔ جس سے وہ جان بر نہ ہو سکا۔ اور اسود بن عبد یغوث ایک درخت کے نیچے بیٹھا بیٹھا دیوانہ اور پاگل ہو گیا۔ اس دیوانگی کی حالت میں درخت سے سر ٹکرا کر مر گیا۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ سزائیں ان گستاخوں کو قدرتی طور پر دی گئیں تھیں۔ پیغمبرِ خدا صلعم ان سزاؤں کے دینے پر ہرگز قدرت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اس سزا دہی کا وعدہ کرنے والا خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔

۵۲ــــ (۳۳) سورۃ نحل میں سواری کے جانوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ پ۱۴ ع۷۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری سواری کے لئے زینت اور خوبصورتی حاصل کرنے کے واسطے گھوڑے، گدھے، خچر پیدا کئے ہیں۔ ابھی اور ایسی چیزیں پیدا کرے گا جس کو تم نہیں جانتے اس آیت میں سواری کی چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس لئے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ سواری کا فائدہ دینے والی بعض چیزیں جو ابھی تک نہیں ہوئی ہیں۔ آئندہ بنائی جائیں گی۔ دنیا جانتی ہے۔ کہ آج تک جانوروں میں سے کوئی ایسا جانور نیا پیدا نہیں ہوا ہے۔ جس کی ایک ہزار سال پہلے جنس موجود نہ تھی۔ اور آج ہو گئی ہو۔ اس لئے جانور کی قسم سے کوئی چیز مراد نہیں ہو سکتی۔ البتہ ایسی نئی چیز جس پر سوار ہوتے ہیں۔ اور اس سے سواری کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ریل اور موٹر ہوائی جہاز وغیرہ ہیں۔ چونکہ خدا نے انسان کے دماغ میں ان چیزوں کے ایجاد کی صورتیں پیدا کیں۔ اور انسانی خیالات کو اس طرف متوجہ کیا۔ ان کو اس کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ اور باخبر بنایا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح اور درست ہے کہ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہیں۔ غرض قرآن میں ایسی سواریوں کو ظاہر کرنے کی اس وقت خبر دی گئی۔ جبکہ انسان کے دماغ میں ان کے وجود کا وہم

لہ بیضاوی صہ ۳۸۲۔

گمان بھی نہ تھا۔ بلکہ ایک ہزار سال کے بعد ان چیزوں کا ظہور ہوا۔ یہ سواری کی چیزیں ایسی ہیں۔ جو شروع دُنیا سے لے کر حضور کے زمانہ تک کہیں نہیں تھیں۔ اور نہ اس کے بعد ایک ہزار سال تک ایسی چیز کے ظاہر ہونے کا علم تھا۔ جو کچھ ہوا۔ اس دو[2] سال کے عرصہ میں ہوا۔ اور چونکہ قرآن نے سواریوں میں سے ایسی نئی سواری ظاہر ہونے کی خبر دی تھی۔ جس کی نظیر دُنیا میں پہلے نہیں ملتی۔ اس لئے یہ بات کہنی بلا مبالغہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں ریل موٹر وغیرہ کے ظاہر ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اور ایسی خبر وہ ہی دے سکتا ہے۔ جو قیامت تک کے حالات سے باخبر ہو۔ وہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

۵۲۔ (۳۴) محمدؐ بن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش نے یہودیوں کے کہنے سے تین باتیں نبی کریم صلعم سے دریافت کیں تھیں۔ جن میں سے ایک سوال اصحاب کہف کے متعلق تھا۔ قرآن عزیز میں ان لوگوں کے متعلق تفصیلی بیان کرتے ہوئے یہ آیت بھی ذکر کی گئی سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ پ۱۵ ع۱۵۔ عنقریب بعض اہل کتاب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصحاب کہف کی تعداد ۳ آدمی اور چوتھا کتا بتائیں گے۔ اور ان میں سے ایک جماعت ۵ آدمی اور چھٹا کتا کہے گی۔ آنحضرت صلعم کی خدمت میں اہل کتاب کے حاضر ہونے اور اصحاب کہف کی تعداد اور شمار میں جھگڑنے اور اختلاف کرنے کی خبر ہمیں دی گئی۔ جب رسول خدا صلعم مدینہ منورہ پہنچے۔ اور آپ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضرت عیسٰیؑ کے متعلق بحث و مباحثہ کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ سید اور عاقب اس وفد کے سردار تھے۔ سید[2] یعقوبیہ مذہب کا نصرانی تھا۔ اور عاقب نسطوریہ خیال کا عیسائی تھا۔ مجلس نبوی میں اصحاب کہف کا ذکر شروع تھا۔ سید نے کہا کہ اُن کی تعداد تین تھی۔ چوتھا اُن کا کتا تھا۔ عاقب بولا کہ یہ غلط ہے بلکہ وہ پانچ

---

[1] تفسیر کبیر ج ۵ صـ ۴۶۱۔ [2] تفسیر کبیر ج ۵ صـ ۴۸۶۔

آدمی تھے۔ اور چھٹا کُتا تھا۔ قرآن نے قبل از وقت یہی خبر دی تھی کہ اہل کتاب کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصحاب کہف کی تعداد اور شمار میں ایسا اور ایسا اختلاف کرے گی۔ سو ایسا ہی ہوا۔

۵۴۔۔۔(۳۵) وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا [۱۸] ع ۱۳۔
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خوف کو ایک دن امن سے ضرور بدل دے گا۔ یعنی کفاروں کا خوف مسلمانوں کے دلوں سے جاتا رہے گا۔ وہ امن و امان کے ساتھ زندگی گذارنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ نے مکہ میں نبوت کے بعد تیرہ سال قیام فرمایا۔ ایکدن بھی بے فکری اور امن نصیب نہ ہوا۔ کفاروں کی اذیتوں اور اُن کی تکلیفوں سے تنگ آکر وطن مالوف چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو صبح و شام مسلمانوں کو دشمنوں کے خوف سے مسلح رہنا پڑتا تھا۔ خدا تعالےٰ نے امن اور سلامتی کا وعدہ پورا فرمایا۔ تمام عرب پر مسلمانوں کا غلبہ کرا دیا۔ مشرق و مغرب کے شہر مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت کا جزو بن گئے۔ جب حاتم طائی سخی مشہور کا بیٹا عدی اپنے وفد کے ساتھ سردارِ دوجہاں کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ تو آپ نے اُس سے فرمایا۔ کہ عدی حیرہ شہر کو جانتے ہو۔ عدی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلعم وہ شہر تو نہیں دیکھا۔ مگر نام سُنا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

کہ عدی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اسلام کو ایکدن ایسی قوت نصیب ہو گی۔ کہ ہودج نشین عورتیں حیرہ سے اکیلی چل کر آئیں گی اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گی۔ اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ عدی کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت یہ بات سُن کر حیرت ہوئی۔ لیکن بخدا لایزال کسریٰ کے خزانوں کے لوٹنے میں مَیں خود شریک تھا۔ اور پردہ نشین عورتوں کو اکیلے حیرہ سے مکہ کی طرف بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے سفر کرتے ہوئے دیکھا اور کوئی شخص راستہ میں اُن سے تعرض کرنے والا نہیں تھا۔ کیونکہ راستہ اس قدر پُر امن

---

[۱] رواہ ابن کثیر۔

اور ہر قسم کے خطرات سے پاک تھا کہ کوئی کسی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

۵۵۔۔۔ (۳۶) جب[1] فارس کا لشکر روم پر غالب آیا۔ اور اُس نے ملک شام اور اکثر شہر روم کے فتح کر لئے۔ تو روم کے بادشاہ ہرقل نے قسطنطنیہ میں پناہ لی۔ اور اسی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ فارسیوں نے اُس کا محاصرہ کر لیا۔ جب اہلِ فارس کے فتح کی مکہ والوں کو خبر ہوئی۔ تو بہت خوش ہوئے۔ اور مسلمانوں سے کہا کہ اہلِ فارس کی طرح خدا کے علاوہ غیر کو ماننے والے اور رسولوں کے منکر ہیں۔ اور رومی تمہاری طرح اہلِ کتاب ہیں۔ جس طرح فارس روم پر غالب آگیا۔ اسی طرح ہم تمہارے مقابلہ میں غالب ہو کر رہیں گے۔ مسلمانوں کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ اُس وقت قرآن مجید میں مسلمانوں کو فارس پر روم کے غالب ہونے کی خبر دی گئی۔ الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ پ۲۱ ع۴۔
رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہوں گے۔ اس کے بعد عنقریب ۹ سال کے اندر اندر پھر وہ اہلِ فارس پر غالب ہو جائیں گے۔

ترمذی میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو ابوبکرؓ مکہ کی گلی کوچے میں اس کو پکار پکار کر پڑھتے پھرتے تھے[2] ابی ابن خلف نے جو مکہ کے سرداروں میں سے تھا یہ سن کر ابوبکرؓ سے کہا کہ ہمارے تمہارے درمیان سو سو اُونٹ کی شرط ہے اگر روم آج کی تاریخ سے ۹ سال کے اندر اندر فارس پر غالب ہو گیا۔ تو ہم سو اونٹ تمہاری نذر کریں گے۔ ورنہ تمہیں سو اونٹ دینے پڑیں گے۔ ابُوبکرؓ نے اس شرط کو قبول فرما لیا۔ ابن ماجہ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ اس واقعہ کو پورے ۹ سال گذرنے نہیں پائے تھے۔ کہ روم فارس پر غالب ہو گیا۔ اور اس نے کسریٰ کے مشہور شہر مدائن پر اپنا قبضہ جما لیا۔ صلح حدیبیہ[3] کے دن یا جس روز خیبر فتح ہوا تھا مسلمانوں کو روم کے غالب ہونے کی اطلاع ملی۔ ابی بن خلف جس نے ابُوبکرؓ سے شرط باندھی

---

[1] ابن کثیر۔ [2] بیضاوی [3] رواہ ابن ابی حاتم [4] بیضاوی۔

تھی، وہ جنگ اُحد ۳ھ میں آنحضرت صلعم کے خنجر سے زخمی ہو کر جہنم رسید ہو چکا تھا۔ مگر ابوبکرؓ نے اُس[1] کے وارثوں سے شرط کا مطالبہ کیا۔ اہل مکہ کو شرط کے موافق سو اونٹ دینے پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ اونٹ لے کر فخرِ عالم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر آپ نے اُن کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس لئے وہ سب کے سب خیرات کر دیئے گئے۔ غرض قرآن نے جس بات کی نو سال پہلے خبر دی تھی۔ وہ پوری ہوئی۔ اور ایسی باتوں کا پورا کر دینا خدا ہی کا کام تھا۔ انسان کیا کر سکتا تھا۔

۵۶ ـــ (۳۷) جب منافقین سے کہا گیا کہ تم نے دورنگی کیوں اختیار کر رکھی ہے مسلمانوں اور کافروں میں سے ایک کی طرف ہو جاؤ۔ تو وہ اس کے جواب میں کہتے۔ مسلمانوں[2] کے ساتھ ہم اس لئے ملتے ہیں کہ مدینہ کے اکثر لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر ہم کھلم کھلا اُن کی مخالفت کریں تو نقصان کا سخت اندیشہ ہے۔ یہود اور نصاریٰ نجران سے ہماری محبت اور دوستی اس لئے ہے کہ وہ دولتمند اور رئیس ہیں اور ہم اُن سے ہر قسم کے فائدے پہنچتے ہیں اور یہ ڈر بھی ہے کہ شاید محمد صلعم اپنی کوشش میں ناکامیاب اور اپنی اسکیم میں فیل ہو جائیں۔ تو ان لوگوں کی طرف سے ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہ ہوگا۔ قرآن نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۔

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فتح اور اہل کتاب کے اخراج اور جلا وطنی کا فیصلہ کر دے۔ اُس وقت منافقین اپنے خیال پر سخت نادم ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہودی ترک وطن پر مجبور کئے گئے۔ اور اسلام کو دن بدن غلبہ اور فتح نصیب ہوتی رہی۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۵۷ ـــ (۳۸) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ پ ۲۲ ع ۲۔

محمد (صلعم) مردوں میں کسی مرد کے باپ نہ ہوں گے۔ یعنی آپ کی نرینہ اولاد

---

[1] بیضاوی، ابن کثیر۔ [2] تفسیر کبیر ج ۳ صـ ۴۱۴

اس عمر کو نہیں پہونچیگی۔ جس عمر میں پہنچ کر آدمی کہلاتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے چار لڑکیاں زینب۔ ام کلثوم۔ فاطمہ۔ رقیہ تھیں۔ اور تین لڑکے۔ قاسم، عبداللہ، ابراہیم تھے۔ یہ سب اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئی۔

البتہ ابراہیم ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں پیدا ہوئے۔

لڑکیاں سب جوان ہوئیں اور بیاہی گئیں۔ اور بعضوں کے اولادیں بھی ہوئیں۔ لیکن تمام لڑکے صغرسنی اور لڑکپن ہی میں مرگئے۔ اور ایک بھی سن بلوغ تک نہ پہنچا۔ اور اس طرح آپ ایک مرد کے بھی باپ نہ بنے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۵۸ـــ(۳۹) مَاجَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِن قَلبَینِ فِی جَوفِہٖ پ۲۱ ع۱۷۔ اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل پیدا نہیں کئے۔ یہ قطعی فیصلہ کسی خاص جماعت اور ایک شخص کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ انسانوں کے باپ آدم سے لے کر آج تک جس قدر آدمی پیدا ہوئے۔ اور آئندہ قیامت تک ہوتے رہیں گے ان سب کے بارے میں یہ حکم سنایا گیا ہے۔ ماہرین علم تشریح اور اطباء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صورۃ مصورہ کی غلطی سے ہاتھ۔ پاؤں۔ سر انگلیوں کی مقررہ تعداد میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے لیکن دو دل کسی کے سینہ میں نظر نہیں آئے۔ ایک دل کے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانا الگ بات ہے۔ لیکن مستقل طور پر دو دل نہیں ہوتے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

شعر ~ ہم معتقد دعویٰ باطل نہیں ہوتے   سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

ظاہر ہے کہ انسان اپنے سینہ کے حال سے واقف اور باخبر نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کے اندرونی اعضاء کے متعلق ایسا قطعی فیصلہ کرے۔ یقیناً ایسے حوصلہ کے ساتھ تمام انسانوں کے بارے میں ایسے حکم لگانا علام الغیوب ہی کا کام ہے۔

۱؎ بستان العارفین للفقیہ ابی اللیث ص۱۶۷ ۲؎ ذریعہ العادت وغیرہا۔

۵۹ (۴۰) جب پیغمبر خدا صلعم نے سنہ ۶ ھ میں جو سال صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ عمرہ کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں نے مدینہ سے باہر ۳ میل کے فاصلہ پر احرام باندھ لیا۔ تاکہ لوگوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ مسلمان مکہ والوں سے لڑنے کے واسطے نہیں جا رہے ہیں بلکہ انہوں نے بیت اللہ کی زیارت کرنے کی غرض سے اس سفر کا ارادہ کیا ہے۔ مگر رسول اللہ صلعم نے اس خیال سے شاید مکہ والے جنگ کی طرف پیش قدمی کریں۔ اور مکہ میں داخل ہونے سے روکیں۔ ۱۴ سو کی جمعیت اپنے ہمراہ لے لی۔ اور احتیاطاً[1] قبیلہ غفار۔ مزینہ۔ جہینہ اشجع۔ اسلم۔ دیل کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے۔ مدینہ کے مضافات اور ارد گرد کے دیہاتوں میں رہتے تھے۔ اس سفر میں شریک ہونے کے لئے بلایا لیکن ان گاؤں والوں کو طبیعت کی کمزوری اور ضعف ایمانی کی وجہ سے یہ خطرہ لاحق ہو گیا۔ کہ وہ قریش جو اب تک دور دراز سفر اختیار کرنے کے بعد حملہ کرنے سے نہیں چوکے اگر ان کے گھر پر لڑائی چھڑ گئی۔ تو وہ ایسی جان بازی سے لڑیں گے۔ کہ مسلمانوں میں سے ایک بھی زندہ سلامت واپس نہ ہوگا۔ اس لئے انہوں نے شرکت میں تاخیر کی۔ آنحضرت صلعم نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد کوچ کا حکم فرمایا۔ اور منزلیں طے کرتے ہوئے حدیبیہ میں جا اترے۔ اہل مکہ شہر میں داخل ہونے سے مانع ہوئے۔ اور بڑی ردوکد کے بعد ۱۸ شرطوں پر صلح کر لی۔ جب نبی کریم صلعم صلح کر کے مدینہ کی طرف واپس ہوئے تو ابھی آپ راستہ ہی میں تھے۔ کہ ان چھ قبیلوں کے متعلق جو آپ کے بلانے پر بھی اس سفر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ قرآن میں یہ خبر دی گئی۔ سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا پ۲۶ ع۱۰۔ یعنی جب آپ مدینہ پہنچیں گے۔ تو اس سفر میں شریک نہ ہونے والے قبیلے آپ کی خدمت میں آ کر یہ جھوٹا عذر کریں گے۔ کہ ہمارے پیچھے اہل و عیال کو کوئی دیکھنے بھالنے والا نہیں

---

[1] تفسیر ابو السعود ج ۷، ص ۳۹ و بیضاوی۔

تھا اور نہ کاروبار کی وجہ سے فرصت ملی اس لئے ہم آپ کے ساتھ اس سفر میں شریک نہ ہو سکے چنانچہ جس وقت نبی علیہ الصلواۃ والسلام مدینہ منورہ پہنچے۔ تو ان قبائل نے آپ کی خدمت میں آکر یہ عذر کیا جس کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۶۰ــــ (۴۱) انہی قبائل کے متعلق دوسری خبر قرآن میں یہ دی گئی۔ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ - پ ۲۶ ع ۱۰ - یعنی جب تم غنیمت کا مال حاصل کرنے کے لئے خیبر کی طرف جاؤ گے۔ اور ان کو بھی اس مال کے ملنے کی امید ہے تو تمہارے ساتھ جانے کی درخواست کریں گے اور اسبات کی خواہش کریں گے کہ ہمارا حصہ بھی کسی طرح اس مال میں نکل آئے باوجودیکہ ان کو یہ بات معلوم ہے کہ اس مال میں انہی لوگوں کا حصہ ہے جو آپ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت[1] وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا پ ۲۶ ع ۱۱۔ (یہ لوگ بہت سا مال غنیمت کا حاصل کریں گے) میں انہی لوگوں سے وعدہ کیا تھا۔ جو حدیبیہ میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔ لیکن وہ ایسا کر کے خدا کے کلام اور اس کے وعدہ کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلعم ذی الحج کے آخیر میں حدیبیہ سے واپس ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور محرم کے شروع ایام تک وہیں رونق افروز رہے جب محرم کے چند دن گزرنے کے بعد آپ نے خیبر کی طرف کوچ کا ارادہ کیا۔ تو ان قبائل نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمانوں کے ہمراہ جانے کی خواہش ظاہر کی اور اسی بات کی قرآن نے قبل از وقت خبر دی تھی۔

۶۱ــــ (۴۲) ایک خبر انہی قبیلوں کے بارے میں یہ دی گئی کہ جب آپ ان کی شرکت کی درخواست کو رد کرتے ہوئے یہ فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے شریک کرنے سے ہمیں منع کیا ہے اور اس مال میں انہی لوگوں کا حصہ ہے۔ جو حدیبیہ میں شریک تھے

---

[1] تفسیر ابو سعود۔

تو وہ یہ کہیں گے۔ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا پ۲۶ ع۱۰۔ خدا نے تو کوئی ایسا حکم نہیں کیا ہے۔ البتہ تم حسد کی وجہ سے ہمیں اپنے ساتھ نہیں لے جاتے۔ اس آیت میں ایک تو اس بات کو ظاہر کیا۔ کہ آنحضرت صلعم کی اس خبر کو کہ یہ مال خالص حدیبیہ والوں کا ہے اور اللہ نے تمہاری شرکت سے منع کیا ہے انہوں نے جھوٹ سمجھا۔ دوسرے قبل از وقت اس واقعہ کی خبر دی چنانچہ اس بات کے جواب میں کہ ہم شریک نہیں ہو سکتے۔ وہی کہا جس کی قرآن عزیز نے خبر دی تھی۔

۶۲ــــ (۴۳) وہی چھ قبیلے جو ابھی تک منافق تھے۔ مخلص مسلمان نہیں بنے تھے۔ ان کے متعلق قرآن میں یہ خبر دی گئی۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ پ۲۶ ع۱۰۔ ان گاؤں والوں سے جو آپ کے ساتھ سفر حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہیں طاقتور دشمن کی طرف بلایا جائے گا۔ اول اس آیت میں اس بات کی خبر دی کہ یہ لوگ کچھ عرصے کے بعد مخلص مسلمان بن جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ امام رازی نے تفسیر[1] کبیر میں لکھا ہے کہ ثعلبہ کے علاوہ تمام منافقین حضور کے بعد مخلص مسلمان بن گئے۔[2] دوسرے اس بات کی وقت سے پہلے خبر دی گئی۔ کہ یہ لوگ عنقریب ایک زبردست دشمن کے مقابلہ میں بلائے جائیں گے۔ چنانچہ جب ابوبکر صدیق رضؓ نے مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کے لئے لشکر تیار کیا۔ تو یہ تمام قبائل بھی مسلمانوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھے اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فارس اور روم کی جنگوں میں شریک ہوئے

۶۳ــــ (۴۴) حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا پ۲۶ ع۱۱۔ خیبر کی فتح میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کو ملے گا۔ اس آیت میں مسلمانوں سے فتح خیبر کے ساتھ کثیر مال و دولت کے ملنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے ایک

---

[1] تفسیر کبیر ص ۵۴۶ [2] تفسیر کبیر ص ۵۴۴ ج ۷۔

مہینہ بعد جب مسلمانوں نے خیبر کو فتح کرلیا۔ تو اس فتح میں باغات اور زمینوں کے علاوہ اونٹ ۔ گائیں ۔ اور دیگر مال و اسباب مسلمان غانمین کے ہاتھ لگا اور سونے سے بھری ہوئی اونٹ کی کھال ملی جس کو ابوالحقیق یہودی نے زمین میں دفن کر رکھا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ یہودی جب اپنا مال دشمن کے قبضہ میں جاتا ہوا دیکھتے تو جانوروں کو مار ڈالتے اور سامان و اسباب کو آگ لگا دیتے۔ یا کسی اور طرح سے اس کو ضائع کر دیتے۔ مگر مسلمانوں کے کارآمد نہ چھوڑتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ وعدہ خدائی فیصلہ پر مبنی تھا ورنہ کسی شہر کے فتح ہونے کے باوجود مال و اسباب کا حاصل ہو جانا کوئی ضروری اور لازمی امر نہیں ہے۔

(۴۵)۶۴ مکہ اور خیبر فتح ہو جانے کے علاوہ مزید خوش خبری مسلمانوں کو اس سورت میں یہ سنائی گئی۔ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا ۲۰ الخ مسلمانو خدا تعالیٰ اور بہت سا مال غنیمت دینے کا تم سے وعدہ کرتا ہے یہ اسی وعدہ کا نتیجہ تھا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے لٹ کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچے غریب اور مفلس مسلمان جنگوں میں شریک ہونے کی وجہ سے دولت مند اور مالدار بن گئے۔

حضرت زبیرؓ کی زمین جو غابہ میں تھی اور دوسرے مکانات اور اموال کی قیمت جو آپ کے وارثوں نے ان کے بعد لگائی تو ۵ کروڑ دو لاکھ تھی۔ یہ تمام مال غنیمت ہی میں حاصل کیا تھا۔ خالدؓ بن ولید شاہ سوار اسلام کو غزوہ ذات السلاسل میں ہرمز کو قتل کرنے کے بعد ایک ٹوپی ملی جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔ اس قسم کی پیشین گوئیاں تھیں۔ جن کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ جب کسی اسلامی لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں بھیجا کرتے تو ان کو فتح و نصرت کی خوش خبری سنایا کرتے تھے۔ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے رہے اور وہ ویسی ہی ہوتی رہیں۔ غرض تنگدستی اور افلاس کو دور کر کے تونگری اور دولتمندی عطا کرنے کا جو وعدہ مسلمانوں سے قرآن میں کیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

لہ تاریخ ابن خلدون ص ۳

۶۵ــــ (۴۶) وَاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا پ۲۶ ع۱۱ خدا تعالیٰ مال دینے کا تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہے۔ جس کے حاصل کرنے کی تم میں طاقت نہیں ہے اور وہ فارس اور روم کی دولت تھی جن کی طاقت کے مقابلہ میں مسلمان کسی گنتی اور شمار میں نہ تھے۔ مگر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے کمزور اور ضعیف لوگوں سے قوی اور طاقتوروں کو پٹوا دیا۔ اور جو سلطنت اور دولت ان کو دی گئی تھی۔ ان سے چھین کر کمزوروں کو دلوا دی۔ آخر کار یہ کہنا پڑتا ہے کہ درحقیقت ان جنگوں میں خدائی طاقت ہی کام کر رہی تھی ورنہ چند ہزار سپاہی فوجی سامان سے محروم اور خالی ہونے کے باوجود لاکھوں جوان مرد ہتھیار بند اور مسلح کے مقابلے میں کیونکر کامیاب ہو جاتے

۶۶ــــ (۴۷) وَیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا۔ پ۲۶ ع۱۔ اے محمد اللہ تعالیٰ آپ کی زبردست اور کھلی ہوئی مدد کرے گا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عنقریب آپ کے ہاتھوں پر مکہ فتح کرا دیا جائے۔ پھر وہ فتح کوئی معمولی فتح نہ ہوگی۔ بلکہ وہ دوسری فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ آپ کی شہرت اور چرچا عرب کے گھر گھر ہو جائے گا۔ لوگ جوق در جوق اسلام کی غلامی میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی عرب کی جو قومیں قریش کے انتظار میں اور مکہ کے فتح ہونے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اہل مکہ کے مسلمان ہوتے ہی سب نے اسلام قبول کر لیا۔ نیز جب تک اس بات کی قوی اُمید نہ ہو جائے گی کہ اب اسلام کی تعلیم دنیا میں پھیل کر رہے گی۔ اور کوئی طاقت اس کی ترقی میں مانع نہیں ہوگی۔ اس وقت تک آپ اس عالم سے تشریف نہیں لے جائیں گے۔ اور جب تک اسلام کا پھلنا پھولنا آپ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں گے۔ آپ کی موت نہ آئے گی۔ یہ خبر ۶ھ میں دی گئی تھی۔ مسلمان ابھی تک پہلے کی طرح کمزور اور ضعیف تھے۔ ان کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے کبھی یہ خیال بھی نہیں ہوتا تھا۔ کہ اسلام کسی دن اس درجہ قوی اور زبردست ہو جائے گا لیکن قرآن میں جو وعدہ اسلام کی مدد اور عزت

کے متعلق تھا۔ وہ پورا ہو کر رہا۔ اور کوئی طاقت اس وعدہ کو پورا ہونے سے نہ روک سکی۔

۶۷ــــ (۴۸) رسول خدا صلعم نے ۶ھ میں حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے یہ خواب دیکھا کہ آپ مسلمانوں کے ہمراہ احرام باندھے ہوئے امن کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور احرام سے نکلنے کے لئے سر منڈوایا۔ آپ نے اس خواب کو صحابہؓ سے ذکر کیا۔ وہ اس کو سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس خواب کے چند دن بعد آپ نے مکہ کا ارادہ کیا۔ اور عمرہ کے خیال سے ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھ لیا۔ مسلمان جب مکہ کے قریب پہنچے۔ تو مکہ[1] والوں نے مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اور اس بات پر رضامند ہو گئے۔ کہ اس سال بغیر عمرہ کے مدینہ واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آکر ۳ دن تک مکہ میں رہیں اور مکہ کا طواف کریں۔ آنحضرت صلعم نے اس شرط کو قبول فرما لیا اور صلح نامہ پر دستخط کر دیئے۔ حضرت عمرؓ کو اس خواب کی وجہ سے شک ہوا کہ حضور نے ہمیں مکہ میں داخل ہونے کی خبر دی تھی۔ لیکن مسلمان اس میں داخل نہیں ہوئے۔ انہوں نے یہ شبہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے فرمایا ہے۔ کہ کیا میں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اسی سال داخل ہوں گے انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ نے تو نہیں فرمایا تھا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ عمرؓ انشاء اللہ ایک دن یہ خواب ضرور پورا ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ سے اسی قسم کا سوال کیا۔ انہوں نے وہی جواب دیا۔ جو رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا۔ ادھر[2] عبداللہ بن ابی اور رفاعہ بن حارث وغیرہ منافقین نے اس بات کو زیادہ اڑایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ۔ پ ۲۶ ع ۱۲۔ اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچا کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ مسلمان ایک دن ضرور مسجد حرام

---

[1] ابن خلدون [2] ابوالسعود

میں امن اور سلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے۔ اور اپنے سروں کا حلق اور قصر بھی کریں گے اور یہ تمام کام نہایت اطمینان سے پورا ہو گا۔ اگرچہ اس پیشین گوئی کا عملاً ظہور ۷ھ میں خواب دیکھنے سے ایک سال بعد نبی کریم صلعم عمرہ کی قضا کرنے کے واسطے مدینہ سے باہر نکلے اور احرام باندھ کر مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکّہ والوں نے شرط کے موافق مسلمانوں کو مکّہ میں ۳ دن رہنے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ عمرہ کیا۔ اور سر منڈا کر مکّہ سے باہر نکل آئے۔ اگرچہ حدیبیہ میں صلح دس سال کے لئے ہوئی تھی۔ تیسرے سال کفار مکّہ کی طرف سے صلح کی خلاف ورزی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے صلح نامہ ردّی ہو گیا۔ اسی طرح بہت ممکن تھا کہ ایک ہی سال میں صلح ٹوٹ جاتی۔ اور کفار مسلمانوں کو مکّہ میں داخل نہ ہونے دیتے۔ لیکن جیسی واقعہ کی قرآن نے خبر دی تھی وہی ہوا۔ اُس کے خلاف نہ ہوا۔

۶۸ ـــــ (۴۹) ولید بن مغیرہ قرآن مجید کے جھٹلانے اور رسول خدا صلعم کے ساتھ تمسخر کرنے میں سب سے آگے رہتا تھا۔ اگرچہ اس کی یہ حرکت مسلمانوں کو ناگوار گزرتی تھی۔ لیکن ولید مکہ والوں میں باعزت اور مالدار آدمی تھا۔ اس لئے اُس کو اس فعل سے روکنے کی مسلمانوں میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے صدمہ اور رنج کو دور کرنے کے لئے قرآن میں مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ پ ۲۹ ع ۳۔ ہم عنقریب اس کی ناک پر ذلت اور رسوائی کا نشان لگائیں گے۔ یہ خبر مکّہ میں اُس وقت دی گئی۔ جبکہ مسلمانوں میں دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی معمولی طاقت بھی نہ تھی۔ بلکہ اُنہیں اپنی جان بچانی مشکل ہو رہی تھی۔ مگر جب ہجرت کے دو سال بعد بدر کی لڑائی ہوئی۔ تو ولید کی ناک پر تلوار کا ایسا گہرا زخم آیا کہ اچھے ہونے کے بعد بھی اُس کا نشان نہ مٹ سکا۔ یہ زخم جنگ میں تلوار کے ساتھ آیا۔ تلوار سے صحیح نشانہ پر زخم لگانا اور وہ بھی جنگ کی حالت میں سخت دشوار ہے۔ پھر ہاتھ اتنا تلا ہوا مارنا کہ ناک پر اتنا زخم پہنچے کہ جس سے اُس کا

ل بیضا دی۔

جبڑا یا ناک کٹ کر بالکل الگ نہ ہو۔ بلکہ اُس میں ایک ایسا گھاؤ یا نشان پڑ جائے۔ جس کی قرآن عزیز نے خبر دی ہے۔ یقیناً اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ یہ جو کچھ ہوا۔ خدائی تائید اور اُسی کی مدد سے ہوا۔ انسانی ارادہ اور اس کی طاقت کا اس میں ذرہ برابر دخل نہ تھا۔

۶۹ــــ (۵۰) ولید[1] مکہ کا رئیس اور بڑا مالدار آدمی تھا۔ دولتمندی اور ریاست کی وجہ سے لوگ اُس کو ریحانہ قریش یعنی قریش کا گلدستہ کہا کرتے تھے مکہ میں سوداگری کرتا تھا۔ اور اُس کو اس سے کافی نفع تھا۔ چاندی سونے کے علاوہ مال مویشی کی اُس کے پاس کوئی کمی نہ تھی زمین اور جائیداد کا مالک تھا۔ دس اُس کے لڑکے تھے۔ مگر جتنی اُس کے پاس دولت زیادہ تھی۔ اسی قدر خدا اور رسول کا نافرمان بھی زیادہ تھا۔ جب اس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے اور اُس کے سچے رسول کی توہین اور تضحیک کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اور پیغمبر خدا صلعم کی سرکشی اور انکار کرنے میں حد سے گذر گیا۔ تو اُس وقت قرآن میں اُس کی یہ سزا سنائی گئی۔ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا پ ۲۹ ع ۱۵۔ چونکہ یہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتا رہتا ہے۔ اس لئے اب اُس کی دولت ہرگز نہیں بڑھے گی۔ بلکہ گھٹتی ہی جائے گی۔ چنانچہ[2] ایسا ہی ہوا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اُس کی تجارت گھٹ گئی۔ اور کاروبار میں نقصان رہنے لگا۔ یہاں تک کہ مفلس اور نادار ہو کر اس رنج میں ذلت کے ساتھ مر گیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ظاہری اسباب کے بغیر کسی کو مفلس بنانے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

۷۰ــــ (۵۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام[3] کے صاحبزادے قاسم کے مرنے پر عاص بن وائل نے حضور کا نام ابتر رکھا۔ ابتر اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی نسل دُنیا سے گم ہو جائے۔ اور اُس کی اولاد میں سے کوئی زندہ نہ رہے۔ قرآن عزیز میں اس دریدہ دہن کو

---

[1] بیضاوی ص ۳۲۵ [2] بیضاوی ص ۳۲۶ [3] جلالین۔

جواب دیتے ہوئے۔ یہ ارشاد ہوا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۳۰ پ ع ۳۳ آپ سے دُشمنی کرنے والا ہی ابتر اور منقطع النسل ہے۔ دُنیا نے دیکھ لیا۔ کہ سادات عظام کا سلسلہ دنیا میں کس طرح قائم ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اور عاص بن وائل کی اولاد کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔

۷۱ (۵۲) اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا پ ۳۰ ع ۳۵۔ جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور آپ دیکھیں کہ لوگ اسلام میں جوق درجوق داخل ہونے لگے۔ تو آپ اللہ کی تسبیح اور تقدیس میں لگ جائیں۔ یہ سُورت مکہ کے فتح ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ فتح سے پہلے اسلام میں ایک ایک دو دو آدمی داخل ہوتے تھے۔ اس آیت میں یہ خبر دی گئی کہ فتح ہونے کے بعد لوگوں کی جماعتیں اور قبیلے آکر اسلام قبول کریں گے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوگیا تو عرب کے وہ قبیلے جو اس فتح کے انتظار میں تھے۔ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جن کا یہ خیال تھا کہ اگر حضرت محمد صلعم باطل پر ہیں تو وہ کبھی مکہ پر فتح حاصل نہ کرسکیں گے جس طرح اصحابِ فیل ہلاک کر دیئے گئے تھے اسی طرح یہ بھی وہاں سے زندہ اور سلامت واپس نہ ہوں گے۔ اور اگر اُن کو کامیابی نصیب ہوگئی اور قریش نے اُن کی اطاعت قبول کرلی تو بے شک وہ نبی برحق اور خُدا کے سچے رسُول ہیں۔ ایسے تمام قبیلے مکہ فتح ہونے کے بعد جوق درجوق نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف با اسلام ہوئے۔ مکہ طائف یمن کے رہنے والے اور بنی ہوازن سب دفعتہً مسلمان ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ عرب کے دوسرے قبیلوں نے بھی گروہ درگروہ مجلس نبوی میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔ يَا مَنْ يَعْلَمُ مَا فِىْ غَدٍ اجْعَلْ عَاقِبَتِىْ مَحْمُوْدًا۔

۱؎ تفسیر کبیر صفحہ ۵۰۴ ج ۸ ۲؎ تفسیر کبیر صفحہ ۸ ج ۱۸۔

بابُ کشف الضمائرِ و السرائر

اُن آیتوں کا بیان جن میں دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازدں کو ظاہر کیا گیا ہے۔

خالق اور مخلوق کے علم میں اگر کوئی فرق ہے تو یہی ہے۔ کہ ربُّ العزّت کا علم وسیع اور تمام جہان پر پھیلا ہُوا ہے۔ اس کی کوئی حد یا انتہا نہیں ہے۔ جس پر وہ جا کر ٹھہر جائے۔ بلکہ وہ ذرہ ہو یا پہاڑ قطرہ ہو کہ دریا اندھیرا ہو یا اُجالا غرض زمین اور آسمان کی کوئی چیز اُس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ مخلوق کا علم متعین اور محدود ہے۔ خُدائی علم کی طرح لامتناہی اور پھیلا ہُوا نہیں ہے۔ اس لئے وُسعت علمی خُدا کے ساتھ خاص ہے اور وہی اس صفت سے متصف ہے۔ جیسا کہ قرآن عزیز کا فیصلہ ہے۔ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (اے محمد کہہ دیجئے) کہ میرے رب کا علم بہت وسیع اور پھیلا ہُوا ہے۔ مولانا روم اس مضمون کو اپنی مثنوی میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

شعر ؎ علمہا از بحرِ علمش قطرۂ آں چوں خورشید است اینہا ذرۂ

گر کسے در علم صد لقمان بود پیشِ علمِ کاملش نادان بود

چونکہ خُدا تعالیٰ وسیع العلم ہے۔ اور کوئی شے زمین آسمان کی اُس کے علمی احاطہ سے بچی ہوئی نہیں ہے۔ اس لئے دلوں کے بھیدوں سے واقف ہونا اور دو آدمیوں کی باہمی سرگوشیوں اور رازداری کی باتوں کا جاننا۔ اور اُن سے باخبر رہنا بھی خُدا ہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں کسی جگہ ربُّ العزّت نے اپنے آپ کو علیم بذات الصدور دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا کہا ہے۔ اور کہیں یہ فرمایا۔ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ پ۲۸ ع ۲۔

یعنی سرگوشی کرنے والوں میں چوتھا خدا ہے۔ اور پانچ سرگوشی کرنے والوں میں وہ چھٹا ہے۔ اس لئے انسان کبھی کسی کے دلی بھیدوں تنہائی اور رازداری کی باتوں سے دوسرے کے اطلاع دیئے بغیر آگاہ اور باخبر نہیں ہو سکتا۔ اگر کبھی کسی نے قرآن سے کوئی بات معلوم کرلی۔ تو اس میں بھی سینکڑوں غلطیاں اُس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ سینہ کے چھپے ہوئے رازوں کو جاننا اور دو آدمیوں کی خفیہ تدبیروں اور سرگوشیوں سے واقف اور باخبر ہونا خدا ہی کا کام ہے۔ اور یہ دونوں صفتیں وسعت علمی کی طرح اس کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لئے قرآن مجید کی وہ آئتیں جن کے ذریعہ سے اخفا اور پردہ کی باتوں کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ یا کسی شخص کے دلی جذبات اور چھپے ہوئے باطنی احساسات کو ظاہر کیا ہے یقیناً خدا ہی کی طرف سے ہو سکتی ہیں۔ ایسی خبریں کسی انسان کی بتائی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔ ہم اس باب میں قرآن عزیز کی وُہی آئتیں پیش کریں گے۔ جن میں کسی شخص کے دلی بھیدوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یا دشمنوں کی خفیہ چالوں راز اور پردہ کی باتوں کو بغیر کسی اطلاع کے بیان فرمایا ہے اس لئے اس باب میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں اُن آیتوں کا بیان ہوگا۔ جن میں دلی بھیدوں اور اندرونی خیالات کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اور وہ ایسی خبریں تھیں۔ جن کا مخالفین سے کوئی انکار نہ ہو سکا۔ اور اگر کبھی انکار کیا۔ تو آئندہ کے حالات اور واقعات نے اُن کی تردید کردی۔ اس کے علاوہ جب قرآن عزیز میں خُدا تعالیٰ کے متعلق یہ خبر دی گئی کہ وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے۔ ادھر کافروں کو مسلمانوں کے اس دعویٰ کا بھی علم نہ تھا کہ خدا تعالے حضرت محمد صلعم سے ہم کلام ہوتا ہے۔ تو انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ اور اس بات کے تسلیم کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اگر اُن کو اس میں شک ہوتا۔ تو کم ازکم ایک دفعہ دل کی بات دریافت کرنے کے لئے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ اُن کا ایسا نہ کرنا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد صلعم کو ہمارے دلی رازوں کی اطلاع ہو جایا کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کفار مکہ آپ کو ایسی خبروں کی وجہ سے کاہن اور جادوگر کہتے تھے۔ دوسری طرف منافقین اس ڈر اور خوف سے کہ ہمارے رازوں کی محمد صلعم کو خبر ہو جاتی ہے۔ اپنی تنہائی کی مجلسوں میں سلام

کے خلاف کوئی بات اطمینان سے نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ ہر وقت ذلت اور رسوائی کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اُن کی اس حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ پ۱۰۔ منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مبادا مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے۔ جو ہمارے دلی ارادوں اور چھپے ہوئے رازوں کو ظاہر کر دے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں دل کی چھپی ہوئی باتوں کے متعلق جو کچھ خبر دی گئی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی اور اُن کا انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا منجملہ ایسی خبروں کے ایک خبر یہ ہے۔

۲۷۔ (۱) ہجرت سے پہلے مدینہ میں بڑی تین قومیں آباد تھیں۔ اوس اور خزرج اور یہود جب نبی کریم صلعم مدینہ منورہ پہنچے۔ تو قبیلے اوس اور خزرج کے اکثر آدمی مسلمان ہو گئے۔ اور یہی لوگ انصار کہلائے۔ یہودیوں میں سے بہت تھوڑے آدمی اسلام میں داخل ہوئے زیادہ تعداد اُن میں ایسے لوگوں کی تھی۔ جو کھلم کھلا اسلام کے منکر اور رسول اللہ صلعم کے مخالف تھے۔ اور دوسرے کافروں کی جماعت تھی۔ جنکی نسبت قطعی طور پر یہ معلوم تھا۔ کہ یہ لوگ حق کے مخالف اور اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ ایسے لوگوں سے مسلمان پوری احتیاط رکھتے تھے۔ لیکن مدینہ ہی میں بعض ایسے آدمی بھی تھے جو زبان سے اسلام کا دعوی کرتے۔ اور حقیقت میں وہ کافر تھے۔ ظاہر میں مسلمانوں سے ملتے۔ اور جب تنہائی ہوتی۔ تو کافروں سے تعلقات رکھتے۔ اور لڑائی کے زمانہ میں مسلمانوں کو ایسے لوگوں کی مطلقاً کوئی خبر نہ تھی۔ وہ اس جماعت کو اپنی طرح مخلص اور سچے مسلمان سمجھتے تھے چونکہ ایسی جماعت سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا سخت اندیشہ تھا۔ اس لئے قرآن عزیز میں انکے متعلق یہ خبر دی گئی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پ۱ ع۲۔ بعض آدمی ایسے ہیں۔ جو آپ سے آکر یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔ لیکن وہ ہرگز مسلمان نہیں ہیں۔ وہ ایسا کہہ کر اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو دھوکا

دینا چاہتے ہیں۔ اس آیت میں جن لوگوں کے نفاق کو ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ عبداللہ بن ابی۔ معقب بن قشیر۔ جد بن قیس اور اُن کے ساتھی تھے۔ ان آدمیوں کے متعلق جو کچھ خبر دی گئی ہے۔ وہ تجربہ کے بعد درست اور صحیح نکلی۔ عبداللہ بن ابی جو اُن سب کا سردار تھا۔ ضرورت کے وقت اسلام کی مدد سے ہاتھ کھینچتا رہا۔ اس نے ۳۰۰ سو آدمیوں کو اُحد میں شریک ہونے سے روکا۔ اور یہی تھا جس نے مسلمانوں کے خلاف یہودیوں سے سازباز کی۔ اُسی نے رسول اللہ صلعم کی نسبت کہا تھا کہ ہم ان کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہر موقعہ پر ایسے لوگوں کا چھپا ہوا بغض اور کینہ اسلام کے خلاف ظاہر ہوا۔ جس کی تفصیل آئندہ واقعات کے ضمن میں آجائے گی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایمان دل کا فعل ہے۔ انسانوں میں سے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ مسلمان ہونے کا اقرار اس نے زبان سے کیا ہے۔ یا در حقیقت دل سے ایمان کا معترف اور شیدائی ہے۔ اس کا صحیح علم ربّ العزت کے سوا کسی کو حاصل ہو نہیں سکتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ خدا کی بتائی ہوئی خبر ہے۔ کسی انسان کی نہیں ہے۔

۳۷۔ــــ اس رسول خدا صلعم سے مخاطبہ اور ہم کلامی کے وقت مسلمان راعنا یا رسول اللہ کہا کرتے تھے۔ جس کے یہ معنی تھے کہ یا رسول اللہ ہمارا خیال کیجئے اور توقف فرمائیے۔ تاکہ ہم آپ کے کلام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ لفظ رعی مصدر سے مشتق تھا۔ جس کے معنی حفاظت کرنا یا رعایت کرنے کے تھے۔ یہودیوں نے جب یہ لفظ سنا۔ تو اُس کو رَعُوْنَۃ مصدر کے اسم فاعل میں استعمال کرنے لگے۔ اس وقت اس لفظ کے معنی احمق اور بیوقوف کے ہو گئے۔ نیز عبرانی زبان میں اس لفظ سے گالی دی جاتی تھی۔ اس لئے انہوں نے اور بھی اس لفظ کو زیادہ کہنا شروع کیا۔ لیکن مسلمانوں کو اُن کے خبث باطنی اور نیت بد کی کوئی اطلاع نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ قرآن میں اُن کی خباثت کو ظاہر کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

له تفسیر ابن کثیر۔ ٹه بیضاوی۔

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا پ۱ ع۱۳۔ مسلمانو راعنا کہنا چھوڑ دو۔ ہماری طرف دیکھئے اور غور فرمایئے۔ کہا کرو۔ جب یہودیوں کو معلوم ہو گیا کہ ہمارا راز کھل گیا۔ تو وہ دل ہی میں نادم ہوئے اور خاموشی کے سوا کوئی راستہ اُن کو نظر نہ آیا۔ اگر اُن کو اس واقعہ کی اصلیت کے تسلیم کرنے سے انکار ہوتا۔ تو وہ کبھی انکار کرنے سے نہ چوکتے۔ اور صحابہ کی وہ جماعت جو ہر بات کی تحقیق اور اصلیت پر پوری نظر رکھتی ہے۔ اگر یہ واقعہ ظہور میں نہ آیا ہوتا۔ تو وہ رسول اللہ صلعم سے اس کے متعلق سوال و جواب ضرور کرتے۔ اور ایسی خبر پر کبھی مطمئن نہ ہوتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انکار کرنے والوں میں سے ایک آدمی بھی نظر نہیں آتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ قرآن عزیز میں اس لفظ کے استعمال کی وجہ سے یہودیوں کے خیال کے متعلق جو کچھ خبر دی گئی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔

۲۷ (۳) مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ پ۱ ع۱۳۔ مشرکین اور اہلِ کتاب اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ کہ وحی الٰہی آپ پر نازل ہو۔ تمنا اور آرزو کے ساتھ کسی چیز کی خواہش کرنیکا نام وُدّ ہے۔ خواہش اور تمنا دل کا فعل ہے۔ اور زبان سے ظاہر ہونے والی چیز نہیں ہے۔ جب تک دل سے کسی شئے کی لگن نہ ہو۔ زبان کے ساتھ تمنا کا اظہار کرنے سے اصلی خواہش کا پتہ نہیں چل سکتا۔ غرض اس آیت میں اہلِ کتاب اور مشرکین کی دلی تمنا اور آرزو کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا صحیح علم علام الغیوب کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی تصدیق کہ درحقیقت ان دونوں جماعتوں کے دل میں یہ تمنا اور آرزو موجود تھی۔ اس امر سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ مشرکین مکہ رسول خدا صلعم کے بارے میں کبھی یہ خیال ظاہر کرتے ءَاُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا۔ کیا ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر قرآن نازل ہونا چاہیئے تھا۔ باوجودیکہ ہم میں ان سے زیادہ باعزت اور دولتمند آدمی موجود تھے۔ کبھی یہ کہتے۔ لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ۔ یعنی قرآن عزیز ولید بن مغیرہ پر جو مکہ کا رئیس ہے۔ یا عروہ بن مسعود ثقفی پر جو طائف کا سردار اور امیر ہے۔ نازل ہونا چاہیئے تھا۔ ان

دونوں رئیسوں کو چھوڑ کر ایک غریب اور مفلس آدمی پر کیوں نازل کیا گیا ہے۔ ان دونوں جملوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مشرکین مکہ زیادہ تر مخالفت حسد کی وجہ سے کرتے تھے۔ اگر یہی باتیں دونوں رئیسوں میں کسی ایک کے ذریعہ سے ظاہر ہوتیں۔ تو وہ اس کو ضرور مان لیتے۔ اور یہی حال اہلِ کتاب کا تھا۔ بلکہ اُن پر حق بہ نسبت مشرکین کے زیادہ واضح ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ وہ نبی کریم صلعم کے مقابلہ میں مباہلہ کرنے اور اپنی سچائی پر قسم کھانے کے واسطے کبھی تیار نہیں ہوئے۔ اور نہ یہودیوں نے باوجود طاقت رکھنے کے کبھی آپ کے مقابلہ میں جھگڑا لڑائی کو جاری رکھا۔ جب کبھی ایسا موقعہ پیش آیا۔ تو دب کر ذلت کے ساتھ صُلح کر لی۔ اسی طرح جب رسُولِ خُدا صلعم کا نامۂ مُبارک ہرقل شاہ روم کے دربار میں پہنچا۔ تو اُس نے آپ کے حالات دریافت کرنے کے لئے بڑی تلاش کے بعد اُن لوگوں کو اپنے پاس بلوایا۔ جو آپ کی قوم کے اُس ملک میں تجارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ ابوسفیان سے جو ابھی تک کافر، حضور کا قریبی رشتہ دار اور اُس جماعت کا سردار تھا۔ آپ کے حالات دریافت کئے۔ جب ہرقل کو آپ کے واقعات سے پوری تشفی ہو گئی۔ اور اُس نے سمجھ لیا۔ کہ حضرت محمد صلعم خُدا کے سچے نبی ہیں۔ تو اُس وقت[¹] اُس نے ارکانِ دولت کو جمع کر کے رسُول اللہ صلعم کو جزیہ دینے کی بابت اُن سے مشورہ کیا۔ اور اُس نے یہ بھی کہا کہ بہتر یہ ہے کہ ارض سوریہ یعنی فلسطین اور بلاد شام دیگر اُن سے مصالحت کی جائے۔ لیکن اراکین سلطنت اس پر راضی نہ ہوئے۔ بخاری کا بیان ہے۔ کہ ہرقل نے ابُوسفیان سے حالات دریافت کرنے کے بعد یہ کہا۔ اگر تُو نے یہ سب باتیں سچ بتلائی ہیں۔ تو بلاشبہ وہ اس چیز پر غالب ہو جائے گا۔ جو میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ اور اگر ممکن ہوتا۔ تو میں اُس کے پاؤں دھو کر پیتا۔ ان حالات سے معلوم ہوا کہ نصاریٰ کو بھی آپ کی سچائی کا پُورا یقین ہو چکا تھا۔ لیکن جب جاہ اور طمع دنیاوی کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت کو حاصل نہ کر سکے۔ اور اُسی کی قرآن نے ان لوگوں کے متعلق یہ خبر دی۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ پ۱ ع۱۳ بہت سے

بخاری۔ ابن خلدون   [¹] سیرۃ ابن اسحاق۔

اہل کتاب حق ظاہر ہونے کے بعد حسد سے اس بات کی آرزو کرتے ہیں، کہ تم سے ایمان کی دولت چھین لی جائے۔ اور تم پھر کفر کی طرف واپس ہو جاؤ۔ غرض قرآن نے ان کے متعلق جو کچھ خبر دی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔ کسی جماعت کے دلی جذبات کا ایسا صحیح نقشہ پیش کرنا۔ خدا ہی کا کام ہے۔ کسی انسان سے ایسا نہیں ہو سکتا۔

۷۵ (۴) اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَ ھُمۡ پ ۲ ع ۱۔ جن لوگوں کو ہم نے توریت اور انجیل کا علم دیا ہے۔ وہ اس میں لکھی ہوئی نشانیوں کی وجہ سے آپ کے نبی ہونے کو ایسا یقین کے ساتھ جانتے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ اس آیت میں آپ کے متعلق جو اہل کتاب کو علم اور یقین حاصل ہے۔ اُس کی اطلاع دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ علم اور معرفت کا تعلق دل سے ہے۔ جس کا پتہ خدا کے سوا کسی غیر کو نہیں چل سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ نے عبد اللہ بن سلام سے جو شروع میں یہودیوں کے زبردست عالم تھے۔ اور بعد میں مسلمان ہو گئے اس آیت کے متعلق دریافت کیا کہ کیا تم ایمان لانے سے پہلے آپ کے نبی ہونے کو یقینی طور پر جانتے تھے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ عمر خدا کی قسم ہمیں اپنی اولاد کے اولاد ہونے میں شک ہو سکتا ہے۔ شاید اُس کی ماں نے کوئی خیانت کر لی ہو۔ لیکن ہمیں آپ کے نبی ہونے میں ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر حضرت عبد اللہ بن سلام کی پیشانی چوم لی۔ ایک مرتبہ یہودیوں نے نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ توریت میں زانی کی سزا سنگسار کرنا نہیں لکھی۔ بلکہ ایسی عورت اور مرد کی یہ سزا ہے کہ اُس کا منہ کالا کریں۔ اور گدھے پر سوار کر کے گلی کوچوں میں اُس کو ذلیل اور رسوا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو۔ اور توریت میں زانی مرد عورت کی سزا سنگسار کرنا اور پتھروں کے ساتھ مار ڈالنا لکھی ہے۔ یہودی جانتے تھے کہ حضور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ اور توریت سے واقف نہیں۔ جو وہ اُس سے ثبوت پیش کر سکیں۔ اس لئے وہ انکار پر مصر رہے۔

ل ابن کثیر۔ ابو السعود۔

رسُولِ خُداصلعم نے اس صوریایہودی کو جو یہودیوں میں مانا ہوُا عالم تھا۔ قسم دی۔ کہ تجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے موُسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی اور اُن کو فرعون کے پنجے سے نجات دی کیا توریت میں زانی کی سزا رجم کرنا نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بیشک توریت کا یہی حکم ہے۔ یہودی یہ سُن کر اُس کے پیچھے پڑ گئے اور بُرا بھلا کہا۔ اُس صوریا نے کہا کہ اگر میں آپ کے سامنے جھوٹ بولتا تو عذابِ الٰہی سے ہلاک کر دیا جاتا۔ ورقہ بن نوفل نے جو مکّہ کے رہنے والے نصرانی اور انجیل کے عالم تھے۔ آپ کی بعثت کی خبر سُن کر یہ کہا تھا کہ یہ وہی نبی ہیں۔ جن کے آنے کی عیسٰی بن مریم نے بشارت دی تھی۔ ہرقل شاہ روم نے آپ کے حالات سُن کر آپ کے نبی ہونے کی تصدیق کی اس قسم کے واقعات[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے جو کچھ اہلِ کتاب کے متعلق خبر دی تھی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔

(۵) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ پ۲ ع۹۔

بعض ایسے آدمی ہیں۔ جن کی باتیں آپ کو میل جول کے وقت بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُس کے دلی جذبات سے خوب واقف ہے۔ وہ آپ سے سخت خصومت رکھنے والا اور مسلمانوں کا سخت دُشمن ہے۔ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اخنس طائف کا رہنے والا بڑا شیریں کلام آدمی تھا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر میٹھی میٹھی باتیں کرتا۔ اور اپنے آپ کو مسلمانوں کا خیر خواہ اور نبی کریم[۲] کا سچا اور مخلص مسلمان سمجھنے لگے۔ اُس وقت مسلمانوں کو حقیقت حال سے مطلع کرنے کے لئے قرآن میں یہ خبر دی گئی کہ اگرچہ اس کی زبان بہت رسیلی اور میٹھی ہے۔ اور ظاہر میں وہ تمہارا خیر خواہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اُس کا دل تمہاری عداوت اور دُشمنی سے بھرا ہوُا ہے۔ چنانچہ اس خبر کی اُس وقت پوری تصدیق ہو گئی۔ جب وہ[۳] نبی کریم سے رخصت ہو کر طائف کی طرف روانہ ہوُا۔ اور جاتے ہوئے راستہ میں کسی مسلمان کے کھیت کے

---

[۱] تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۰۵۔ [۲] ابو السعود۔ [۳] جلالین

باہر سے گذرا۔ تو اُس کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اور اسی کے قریب مسلمانوں کے مویشی چر رہے تھے۔ اُن کو ہلاک کر کے بھاگ گیا۔ اور اسی طرح اسلام کی مخالفت کا جذبہ جو اُس کی دل کی گہرائیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ظاہر ہو گیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمان تو اُس کے ظاہری حالات سے دھوکے میں آ چکے تھے۔ اگر قرآن اس کی اطلاع نہ دیتا تو اس کے دلی جذبات پر مطلع ہونا نہایت مشکل کام تھا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ خبر علام الغیوب ہی کی بتائی ہوئی تھی۔ کسی غیر کی نہیں تھی۔

۲۲ ــــ (۶) براء بن عازب سے مروی ہے کہ جب رسولِ خدا صلعم نے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا۔ تو ۱۶ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ ایک دن آپ مسجد بنی سلمہ میں جنگ بدر سے دو مہینہ پہلے ماہ رجب میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ابھی آپ نے دو رکعت نماز ہی پڑھی تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہو گیا۔ اس حکم کے نازل ہوتے ہی سب نے اپنا رُخ مکہ کیطرف کر لیا۔ بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کی طرف نماز میں مُنہ کرنے اور اُس کو قبلہ بنانے پر کفار مکہ اور منافقین نے اعتراضات کئے۔ اور یہودی بھی اُن کے ساتھ شریک ہو گئے۔ باوجودیکہ توریت میں آخر الزمان کی یہ پہچان اور شناخت لکھی ہوئی تھی کہ آپ بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔ لیکن عُلماء یہود نے کچھ عداوت اور حسد سے اور عام یہودیوں سے آپ کی علامت چھپانے کے لئے اس واقعہ کے اظہار پر انکار کیا۔ لیکن وہ دل میں اُس کی حقانیت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اُس وقت قرآن نے اُن کے دلی احساسات اور اندرونی خیالات کو ظاہر کرنے کے لئے یہ خبر دی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ اہل کتاب اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تحویل قبلہ کا حکم خُدا کی جانب سے ہے۔ اگرچہ وہ زبان سے اس کے حق ہونے کا اقرار نہ کریں۔ اور ظاہر میں وہ آپ پر اعتراض کرتے رہیں۔ لیکن

۱؎ تفسیر ابوالسعود۔ ۲؎ تفسیر ابوالسعود۔ بیضاوی۔

اُن کا دل اس بات کی سچائی اور صداقت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس امر کی تصدیق کہ اُن کے دل میں اس بات کا پورا یقین تھا کہ قبلہ کی تبدیلی توریت میں لکھی ہوئی نشانی کیوجہ سے بالکل صحیح ہے۔ اس سے ہوتی ہے کہ جب قرآن نے اُن کی بے ایمانی اور خیانت کا پردہ چاک کیا۔ تو اُن کو اس سے انکار کرنے کی مطلقاً جرأت نہ ہوئی۔ اگر قرآن کا یہ دعویٰ انکی نظر میں غلط ہوتا۔ تو وہ اُس کے ثبوت کا مطالبہ کرتے۔ لیکن وہ اپنے دل میں سمجھے ہوئے تھے کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

(۷) مسلمان منافقوں کی ظاہری باتوں پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے اُن کو اپنی طرح مسلمانوں کا خیر خواہ اور مخلص مسلمان سمجھتے۔ اور بطور مشورہ اُن سے اپنے پردہ اور راز کی باتیں بیان کر دیتے تھے۔ لیکن قرآن نے اُن کے متعلق یہ خبر دی۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ ع۲ مسلمانوں تم دوسرے مذہب والوں کو اپنا سچا دوست نہ سمجھو۔ وہ تمہارے نقصان پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ اور ہمیشہ وہ تمہاری تکلیف کے آرزومند رہتے ہیں۔ اُن کے مُنہ سے کئی مرتبہ ایسے الفاظ بے سوچے سمجھے نکل چکے ہیں۔ جن سے اُن کے بغض اور عداوت کا پتہ چلتا ہے۔ اور جو تمہاری مخالفت اور دُشمنی کے جذبات اُن کے دِلوں میں چھُپے ہوئے ہیں۔ اور اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کو اس خطرناک غلطی سے بچانے کے لئے یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جن لوگوں کی دوستی پر تمہیں اعتماد اور بھروسہ ہے۔ وہ تمہارے دوست نہیں ہیں بلکہ سخت دُشمن ہیں تم اُن سے ہزار محبت کرو۔ وہ کبھی تمہارے خیر خواہ اور دوست نہیں ہو سکتے۔ اُن کو تمہاری تکلیفوں سے خوشی اور تمہارے آرام اور راحت سے صدمہ اور رنج ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ تمہارے نقصان پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ابتداء میں مسلمانوں کو منافقین کی ظاہری حالت اور اسلام پرستی کے دعووں کی وجہ سے اُن کے متعلق کوئی بُرا خیال نہیں تھا۔ لیکن تجربے کے بعد اُن تمام باتوں کی تصدیق ہو گئی۔ جس کی قرآن نے خبر دی تھی۔ چنانچہ جنگ اُحد میں منافقین نے مسلمانوں کو

نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی اور عین اُس وقت جبکہ فریقین کے لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے۔ عبداللہ بن ابی منافق ۳سو آدمی کو لے کر اسلامی لشکر سے جُدا ہو گیا۔ ایسا کرنے سے اُس کی یہ غرض تھی کہ باقی مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جائے۔ اور وہ ہزیمت اُٹھا کر میدان جنگ سے بھاگیں اور اُس کے مقابلہ میں کفاروں کے حوصلہ اس قدر بڑھ جائیں کہ وُہ مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا سکیں۔ اسی طرح انہوں نے بنو نضیر کو مسلمانوں کے خلاف اُکسا کر اِن کے مقابلہ میں کھڑا کیا تھا۔ اِس کے علاوہ غزوہ تبوک میں جبکہ مسلمانوں کو امداد اور اعانت کی سخت ضرورت تھی۔ یہ لوگ گھروں میں بیٹھ گئے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ اسی قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں۔ جن سے اُن کی عداوت اور دشمنی کا وقتاً فوقتاً پتہ چلتا رہا۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ کسی جماعت کے اندرونی خیالات اور دلی جذبات کا ایسا صحیح نقشہ پیش کرنا خُدا کے سوا دوسرے سے نہیں ہو سکتا۔

۷۹۔۔۔(۸) ایک[۲] دفعہ رسُول خدا صلعم نے مسلمانوں کو خُدا کا یہ وعدہ سُنایا کہ اسلام ایک دِن عرب کے تمام دینوں پر ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ اگرچہ ابتدا میں کچھ تکلیفیں اُٹھانی پڑیں گی۔ لیکن آخر میں کامیابی مسلمانوں ہی کو نصیب ہو گی۔ مخلص مسلمانوں کو اس وعدہ کے پُورا ہو جانے کا پختہ یقین تھا۔ اور بڑی سے بڑی مصیبت میں گر جانے کے بعد بھی اُن کو دین حق کے غالب ہونے میں تردّد نہیں ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ جنگ اُحُد میں عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھیوں کے الگ ہو جانے کے بعد بعض منافقین معتب بن قشیر وغیرہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھے۔ اس لئے جب انہوں نے اس لڑائی میں کفاروں کا غلبہ اور ستر مسلمانوں کو شہید اور کچھ آدمیوں کو زخمی دیکھا۔ تو اُن کے دل میں وسوسہ اور خیال پیدا ہوا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے غلبہ کی جو خبر دی تھی۔ وہ پوری نہیں ہو گی۔ بلکہ آج ہی اس کی طاقت اور قوت کا خاتمہ ہو جائے گا

---

[۱] تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۴۱ [۲] تفسیر کبیر ج ۳ ص ۰۷

سچے مسلمان اس قسم کی تکلیفوں کو عارضی تکلیف اور اس نقصان کو رسُولِ خُدا صلعم کے حکم کی مخالفت کرنے کی وجہ سے سمجھتے تھے۔ اس لئے اُن کو اس وعدہ کے متعلق کبھی ذرہ بھر تردد نہیں ہوا۔ مگر منافقین نے اس ہزیمت سے یہ خیال دل میں جما لیا کہ آج اسلام کی طاقت فنا ہو جائے گی۔ اور جو نصرت اور غلبہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ محض سُراب کا دھوکا تھا۔ جس پر اعتماد اور بھروسہ کرنا فضول ہے۔ ابھی تک یہ خیال اُن کے دل میں ہی تھا۔ زبان پر نہیں لائے تھے۔ مگر قرآن نے اُس کو ان لفظوں کے ساتھ ظاہر فرمایا۔ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ پ ۴ ع ۔ ایک جماعت کو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ جہالت اور بیوقوفی سے خُدا کے ساتھ بُرا گمان رکھتے تھے۔ یعنی ان کو خدا کی نسبت یہ بدگمانی پیدا ہو گئی ہے۔ کہ خُدا کے رسُول نے اسلام کے غلبہ اور فتح کی جو خبر دی ہے۔ وہ پوری نہیں ہوگی۔ جو کچھ قرآن میں اُن کے متعلق کہا گیا۔ اگر وہ محض ایک الزام تھا۔ اور درحقیقت اُن کے دل میں ایسا کوئی خیال یا وسوسہ نہیں گذرا تھا۔ تو اُن کو اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دینا چاہیئے تھا۔ اس موقعہ پر اُن کی خاموشی اس امر کی شہادت ہے کہ قرآن نے جو کچھ ان کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا۔ وہ بالکل صحیح تھا۔ اُس کے علاوہ حضرت زبیرؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت کفاروں کا غلبہ ہُوا۔ اور بہت سے مُسلمان مارے گئے تو معتب بن قشیر کو میں نے یہ کہتے ہوئے سُنا۔ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ہم قتل ہونے کے لئے یہاں کبھی نہ آتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ یہ بات سمجھ چکے تھے۔ کہ آج میدانِ جنگ میں سے بچ کر جانا بہت مشکل ہے۔ اور سب کے سب یہیں مارے جائیں گے۔ جس کے معنی ہیں کہ اُن کو اسلام کے غلبہ اور نصرت کے وعدہ پر کوئی بھروسہ یا اعتماد نہیں رہا تھا۔ اور اسی خیال کو قرآن عزیز نے ظاہر کیا ہے۔ اس کے علاوہ منافقین کے اس وسوسہ اور خیال

لہ تفسیر کبیر صلہ ج ۳۔

کو ظن جاہلیہ یعنی جہالت اور بیوقوفی کا خیال بتلایا ہے۔ یعنی جس طرح جہالت اور بیوقوفی کی بات لغو اور فضول سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح اسلام کے غالب نہ ہونے کا خیال سراسر بیہودہ اور باطل ہے۔ اس ہزیمت سے وعدہ الٰہی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور ایک دن اسلام کو عرب کے تمام دینوں پر ضرور غلبہ حاصل ہوگا۔

۸۰۔۔۔(۹) جب جنگ اُحد میں عبداللہ بن ابی منافق مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے ۳۰۰ آدمی لے کر اسلامی لشکر سے الگ ہوگیا۔ تو ابوجابرؓ بن عبداللہ انصاری نے ان سے کہا کہ تمہیں دشمن کے مقابلہ میں اپنی قوم اور رسولِ خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر کہیں نہ جانا چاہیئے۔ اگر تم دین کی خاطر لڑتے۔ تو تمہیں اپنی جان و مال کی حفاظت اور اہل وعیال کے بچانے کی غرض سے لڑائی میں شریک ہوجانا چاہیئے تھا۔ عبداللہ بن ابی نے جواب دیا۔ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ پ ۴ ع ۸۔ یعنی اگر ہم لڑائی سے واقف ہوتے۔ تو تمہارے ساتھ ضرور شریک ہوجاتے۔ مگر قرآن نے اس جواب میں اُن کی تکذیب کی اور ان کو اس دعویٰ میں جھوٹا ٹھہراتے ہوئے یہ کہا یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ پ ۴ ع ۸۔ یہ زبان سے وہ بات کہہ رہے ہیں۔ جو اُن کے دل میں نہیں ہے۔ خدا اُن کے دلی بھیدوں کو خوب جانتا ہے اور یہ لوگ اس عذر میں کاذب اور جھوٹے ہیں۔ اصل حقیقت کچھ اور ہے۔ جس کو انہوں نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ان کے جھوٹ کی اُس وقت قلعی کھل گئی۔ جب اُن کو بعض ایسے مسلمانوں کے شہید ہونے کی خبر ملی جو اُن کے قریبی رشتہ دار تھے تو انہوں نے حسرت اور افسوس ظاہر کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو کبھی نہ مارے جاتے۔ اس خیال کے ظاہر کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ محض موت کے ڈر سے میدان جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ قواعد جنگ سے واقف نہ ہونے کا جو عذر انہوں نے کھڑا کیا تھا۔ وہ ہرگز صحیح نہ تھا۔ دوسرے جب تمام منافقین علاوہ دو چار آدمیوں کے سچے مسلمان بن گئے تھے۔ جیسا کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے تو صحابہ کے زمانہ میں یہی لوگ مختلف

(۱) تفسیر کبیر ص ۳۔

جنگوں میں کفاروں کے ساتھ لڑنے کے لئے جاتے رہے۔ باوجودیکہ وہ قواعد دان فوجوں کے مقابلہ میں ہوتے تھے۔ مگر کبھی ناواقفیت کا عذر کہہ کر لڑائی سے نہیں بھاگے۔ اِس کے علاوہ دوسرے مسلمان انہی کی طرح بے قاعدہ سپاہی تھے۔ انہی کو جنگی طریقوں سے واقف ہونے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا عذر کوئی معقول عذر نہیں تھا۔ اور قرآن نے جو کچھ خبر دی تھی۔ وہ درست اور صحیح تھی اور ظاہر ہے کہ دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

۸۱ ــــ (۱۰) مدت سے یہودیوں کی دلی تمنا تھی کہ مسلمان دین حق کو چھوڑ کر باطل پرستی اختیار کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے اس آرزو کو پورا کرنے کے واسطے مسلمانوں کے سامنے یہ شبہ[۱] پیش کیا کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک واجب العمل رہے گی۔ اُس کا کوئی حکم منسوخ نہ ہوگا۔ محمد صلعم باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اُن کے اس فیصلہ کو نہیں مانتے۔ اُس وقت قرآن نے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے یہ کہا۔ یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ پ۳ ع۵۔ اے اہل کتاب تم جان بوجھ کر کیوں حق کو چھپاتے ہو۔ اور اُس کے بدلے میں باطل کو پیش کرتے ہو۔ یعنی یہودیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ توریت میں شریعت موسوی کے منسوخ نہ ہونے کا فیصلہ لکھا ہوا ہے۔ سراسر جھوٹ اور کذب ہے۔ توریت میں کسی جگہ ایسی خبر نہیں دی گئی۔ یہودی اس تردید کو سُن کر خاموش ہوگئے اور اُن کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں توریت کی کوئی آیت پیش کر کے قرآن کا جھوٹا ہونا ثابت کرسکیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت محمد صلعم اور اُن کے ساتھی توریت سے بالکل ہی ناواقف اور بے خبر تھے۔ اس لئے اس قسم کی تردید اُن کی طرف سے کبھی نہیں ہوسکتی۔ یقیناً یہ اُسی بزرگ ہستی کا کام ہے۔ جو انسان کے دلی بھیدوں سے باخبر اور چھپے ہوئے رازوں کو جاننے والا ہے۔ ہو اللہ سبحانہٗ۔

---

[۱] تفسیر کبیر صفحہ ۴۸ ج ۲

۸۲۔ (۱۱) ایک مرتبہ چند یہودیوں نے مجلس نبوی میں حاضر ہو کر رسولِ خدا صلعم سے ایسے ذو معنی لفظوں میں گفتگو شروع کی۔ جس کے ظاہری معنی اچھے تھے مگر دور کے معنی میں مذمت اور بُرائی کا پہلو نکلتا تھا۔ دل میں انہی معنی کا ارادہ کر کے حضور سے بات چیت کرتے تھے۔ ایسا کرنے سے ان کی یہ غرض تھی کہ اگر یہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ تو اُن کو ہماری نیتِ بد کی اطلاع ضرور ہو جائے گی۔ ورنہ ہمارے اندرونی خیالات اور دلی جذبات کا ان کو مطلقاً پتہ نہ چلے گا۔ چنانچہ اثناء گفتگو میں جب کوئی بات نبی کریم صلعم کی طرف سے ہوتی تو یہ اس کو سُن کر کہتے کہ سَمِعنَا یعنی آپ نے جو کچھ فرمایا۔ ہم نے اس کو خُوب غور سے سُنا اور مان لیا۔ اور دل میں یہ نیت ہوتی کہ عَصَینَا یعنی ہم آپ کی ایک بات بھی نہیں مانتے اور جب خود کوئی بات کہنا چاہتے تو ظاہر میں زبان سے کہتے۔ اِسمَع یعنی ہماری بات سُنیئے اور دل سے غیر مُسمَع کہتے۔ یعنی خدا آپ کو سُننے کی توفیق ہی نہ دے اور آپ کے کان بہرے ہو جائیں اور جب کسی بات کو دوبارہ کہلانا چاہتے تو رَاعِنَا کہتے۔ جس کے ظاہری معنی "ہماری رعایت کیجئے" اور ارادہ دوسرے معنی کا کرتے۔ جس کے معنی احمق اور بیوقوف کے ہیں۔ یا رَاعِنَا کے عین کے زیر کو ذرا کھینچ کر پڑھتے۔ جس کے معنی یہ ہو جاتے کہ آپ ہمارے چرواہے ہیں۔ یا اسی لفظ کو وہ عبرانی یا سُریانی زبان میں گالی کے واسطے استعمال کرتے تھے اور ان الفاظ کو استعمال کرتے وقت تخریہ اور مذاق کے طور پر مُنہ بناتے۔ جس سے اپنے ساتھیوں پر یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہوتی کہ ہم اتنی دیر سے ان کے ساتھ مذاق اور دل لگی کر رہے ہیں۔ مگر ان کو ہماری نیتوں کی مطلقاً خبر نہیں ہوئی۔ قرآن میں اُس وقت اُن کے خباثت باطنی اور نیت کے فساد کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمِنَ الَّذِینَ ھَادُوا یُحَرِّفُونَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَیَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِہِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ پ ۵ ع ۴۔ بعض یہودی ایسے ہیں جو توریت میں ردو بدل کرتے

---

[۱] مدارک [۲] تفسیر کبیر ط ۲۳۱ ج ۳

ہیں۔ اور آپکی باتیں سُن کر زبان سے سَمِعْنَا اور دل سے عَصَیْنَا کہتے ہیں اور اِسْمَعْ کہہ کر دل سے اُس کے آرزومند ہیں کہ آپ سُننے کے قابل نہ رہیں۔ اور رَاعِنَا کہتے ہوئے آپ کا تمسخر اڑانا چاہتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں۔ کہ وہ اسلام کے سچے اور خدائی دین ہونے سے انکاری ہیں۔ اور اس پر طعن کرنا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہودی چند باتیں دل میں چھپا کر آپ کی نبوت کو پرکھنا چاہتے تھے۔ بحمد اللہ قرآن نے نبی کریم صلعم کی صداقت اور سچائی کو روز روشن کی طرح ثابت کر دیا۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ دلی بھیدوں کا ظاہر کرنے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس آیت کے نازل ہونے تک آپ کو یہودیوں کے خُبث باطنی کی کوئی اطلاع نہ ہوئی۔

۸۳۔۔۔ (۱۲) حضرتؓ ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی چیز پر یہودی اور منافق کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ حق یہودی کی جانب تھا۔ یہودی نے اس جھگڑے کے فیصلہ کرنے کے لئے نبی کریم صلعم کو منتخب کیا۔ لیکن منافق جانتا تھا کہ وہاں حق کے سوا کوئی دوسرا فیصلہ نہیں ہوگا۔ اسی لئے اُس نے مجلس نبوی میں حاضر ہونے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلو۔ جو تمہارے مذہب کا ایک عالم ہے۔ اُسی کا فیصلہ مجھے ہر طرح منظور ہے اور یہودی کعب بن اشرف کے پاس جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کعب رشوت لیکر جھوٹا اور غلط فیصلہ کر دیا کرتا ہے۔ آخر یہودی نے بمشکل تمام منافق کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے راضی کر لیا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو آپ نے طرفین کے بیانات سُننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ منافق کو جس بات کا ڈر تھا وہ سامنے آگئی۔ مجلس نبوی سے باہر نکل کر اس نے اِس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا۔ جب یہودی نے دیکھا تو وہ اُس کو فیصلہ کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا۔ اُن کی خدمت میں پہنچ کر یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ رسول خدا صلعم نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ مگر اُس نے اس کو منظور نہیں کیا۔ اب آپ کی رائے میں جو فیصلہ مناسب ہو فرما دیجئے

لہ تفسیر ابوالسعود تفسیر کبیر

حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا کہ جو کچھ یہودی کہتا ہے۔ یہ بات اسی طرح ہے۔ اُس نے کہا۔ "ہاں" حضرت عمرؓ نے کہا کہ ذرا ٹھیرو۔ اور اندر گھر میں سے تلوار نکال کر لائے اور منافق کی گردن اُڑادی۔ اور یہ فرمایا "کہ جو شخص رسُول خدا صلعم کے حکم کو نہ مانے۔ میں اس کے حق میں یہی فیصلہ کیا کرتا ہوں"۔ منافق کے وارث سردار دو جہان صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور قاتل سے خون کا مطالبہ کیا۔ جب اُن سے یہ پوچھا گیا کہ خدا اور اس کے رسُول کے فیصلہ کے بعد وہ دوسری طرف کیوں گیا۔ کیا اس کی اس حرکت سے خدا کے حکم سے اعراض اور انکار نہیں پایا جاتا۔ تو اُس کے وارثوں نے جھوٹی قسم کھا کر کہا کہ وہاں جانا آپ کے فیصلہ کو نہ ماننے کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ اس لئے تھا کہ حضرت عمرؓ کوئی ایسا درمیانی راستہ نکال دیں گے۔ جس سے یہ معاملہ رضامندی کے ساتھ طے ہو جائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ پ ۵ ع ۶۔ یہ لوگ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم موافقت اور نیکی کے ارادے سے اُن کے پاس گئے تھے اور آپ کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے ہمیں انکار نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے دلی بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ آپ اُن سے اعراض فرمائیے۔ ان لوگوں کا جھوٹ تو شروع ہی سے ظاہر تھا۔ کیونکہ منافق نے ابتدا میں اس لئے آپ سے فیصلہ کرانا نہیں چاہا تھا۔ پھر اُس نے فیصلہ کے بعد اُس کے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ جب حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچا تو وہاں یہودی کے موافق حضور کے فیصلہ کرنے کا اُس نے اقرار کیا۔ مگر جھوٹی قسم کھانے والوں نے جو اُس کی طرح منافق تھے۔ یہ سمجھا کہ ہمارے آدمی نے صریح لفظوں میں آنحضرت کے فیصلے کو ماننے سے انکار نہیں کیا تھا جس کی اِن کو خبر ہو جاتی۔ اور دلی جذبات اور اندرونی خیالات کی آپ کو کیا اطلاع ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہماری قسم کا اعتبار ہو گا اور دوسرے ہمارے مقابلہ میں جھوٹے سمجھے جائینگے

ل اسی واقعہ پر دربار رسالت سے حضرۃ عمرؓ کو فاروق کا خطاب عنایت ہوا تھا۔ تفسیر ابوالسعود۔

مگر وہ نہیں سمجھتے تھے کہ خدا تعالےٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے اور وہ علیم و خبیر اپنے رسول کو ایسے واقعات کی خبریں دے دیا کرتا ہے۔

(۱۳) منافقین اسی خیال سے کہ مسلمانوں پر اُن کا اصل راز نہ کھل جائے۔ مسجد میں آتے اور سب کے سامنے نمازیں پڑھتے تھے۔ قرآن نے ان کے متعلق یہ خبر دی کہ یہ شوق اور محبت سے مسجد میں نہیں آتے اور نہ دل سے نماز پڑھتے ہیں بلکہ ان کی باطنی حالت یہ ہے۔ ۸۴

وَإِذَا قَامُوٓا۟ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُوا۟ كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ جب وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو سستی اور بیدلی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھلانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کا ذکر بہت کم کرتے ہیں سستی۔ بیدلی اور ریاکاری یہ سب چیزیں دل سے تعلق رکھتی ہیں اور دلی حالات کا جاننے والا خُدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے منافقین کی نمازوں پر نظر رکھنی شروع کر دی۔ چنانچہ ابی بن کعب سے نقل ہے۔ کہ ایک روز نبی کریم صلعم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے۔ کہ فلاں شخص حاضر ہے۔ لوگوں نے کہا۔ "نہیں" پھر آپ نے فرمایا کہ فلاں۔ عرض کیا گیا کہ "وہ بھی حاضر نہیں" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں نمازیں منافقوں پر گراں ہیں۔ یعنی صبح اور عشاء کی نماز پڑھنا منافقوں کے لئے سخت مشکل ہے۔ عشاء کی نماز میں تو وہ اس لئے نہیں آتے تھے

کہ مسجد کے اندر کوئی چراغ نہ تھا۔ اور اندھیرے کی وجہ سے کسی کے آنے اور نہ آنے کا پتہ نہیں چلتا تھا اور صبح کی نماز بالعموم سویرے ہوتی ہے وہ اس وقت سوئے رہتے تھے اگر واقعی ان کو نماز سے محبت ہوتی تو دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی مسجد میں ضرور حاضر ہوتے۔ راحت اور آرام کی وجہ سے نماز کو کبھی نہ چھوڑتے۔ لیکن اُن کی تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ رسُولِ خدا صلعم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی لوگوں کو ترغیب اور تحریص فرمائی۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس کے بعد تمام مسلمان مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے آتے تھے۔ مگر منافقین پھر بھی ہر نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ان حالات سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ریاکاری اور دکھلاوے کی نماز پڑھتے تھے۔ دل سے اُن کو اس

بات کا شوق نہ تھا۔ اور اُسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۸۵ ــــ (۱۴) چند یہود شیؔ نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا کرتے تھے قرآن نے ان لوگوں کی نسبت یہ خبر دی۔ وَاِذَا جَآءُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْکُفْرِ وَھُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِہٖ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا یَکْتُمُوْنَ پ ۶ ع ۱۳۔ وہ تمہارے پاس آکر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ لیکن وہ جس طرح آپ کی مجلس میں آنے سے پہلے کافر تھے۔ اسی طرح وہ یہاں سے جانے کے بعد بھی کافر ہی ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کے دلی حالات سے واقف ہے۔ یعنی انہوں نے آپ کے وعظ اور نصیحتوں کو کبھی دل سے نہیں سُنا۔ بلکہ اُن کے دل میں تمہاری طرف سے سخت عداوت اور دشمنی موجود ہے۔ تمہیں دھوکا دینے کے واسطے مسلمان بن کر تمہاری مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ مُسلمان اُن لوگوں کی ظاہری حالت سے دھوکے میں آچکے تھے۔ مگر قرآن نے اُن کے دلی جذبات اور اندرونی خیالات کو ظاہر کر کے حقیقت حال سے مسلمانوں کو مطلع کر دیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کو مجلس نبوی میں منافقانہ حاضر ہونے کی کبھی جُرأت نہ ہوئی۔

۸۶ ــــ (۱۵) وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ۔ جن لوگوں کو توریت اور انجیل کا علم ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ قرآن عزیز سچا اور خدا کا نازل کیا ہوا ہے۔ یعنی علماء یہود اور نصاریٰ اگرچہ حسد اور تعصُّب کی وجہ سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا زبان سے اقرار نہ کریں۔ لیکن وہ دل سے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن محمد صلعم کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی نازل کی ہوئی سچی کتاب ہے۔ اس امر کی تصدیق کہ وہ درحقیقت قرآن کریم کی صداقت اور سچائی پر دل سے یقین رکھتے تھے۔ ذیل کے چند واقعات سے ظاہر ہوتی ہے۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب یہودیوں نے حضرت محمد صلعم کے سامنے اپنے آپ کو خدا

لہ تفسیر کبیر صفحہ ۴۲۵ ج ۳۔

کا دوست اور بیٹا کہا اور یہ دعویٰ کیا کہ ہمارے سوا کوئی جماعت جنت میں نہ جائے گی۔ تو رسول اللہ صلعم نے اُن کو مباہلہ کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ دعا کرو کہ خدایا ہم دونوں میں سے جو جماعت جھوٹی ہے تباہ اور برباد کر دے تو علماء یہود میں سے ایک شخص بھی اس کے لئے تیار نہ ہوا۔ ان کا مباہلہ سے انکار کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ قرآن کے فیصلے کو سچا اور اپنے دعووں کو جھوٹا سمجھتے تھے۔ دوسرے جب قرآن میں یہ خبر دی گئی کہ اگر اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی مسلمان نہ ہوا۔ تو اُن کی صورتیں مسخ کر دی جائیں گی۔ اور اس بات کو ظاہر کرنے کے واسطے یہ آیت اُتری یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْھًا پ۵ ع۴ [1] اُس وقت عبد اللہ بن سلام نے جو یہودی مذہب کے عالم تھے۔ جب شام کے سفر سے واپس آئے اور یہ آیت سُنی تو گھر جانے سے پہلے سردار دوجہاں صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ فرمایا۔ مَا کُنْتُ اَنْ اَصِلَ اِلٰی اَھْلِیْ قَبْلَ اَنْ یَّطْمِسَ اللّٰہُ وَجْھِیْ قبل ازیں کہ میری صورت ایمان نہ لانے کی وجہ سے مسخ ہو گھر جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر مسلمان ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ اگر محمد عربی صلعم پر ایمان نہ لایا گیا۔ تو جو کچھ قرآن میں کہا گیا ہے۔ وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اسی طرح [2] علماء نصاریٰ کا وفد نجران سے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں مناظرہ کے لئے حاضر ہوا تھا۔ جب اُس نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں غلط بیانیاں کیں تو قرآن شریف میں اُس کی پُرزور تردید کی گئی۔ لیکن انہوں نے اُس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اسی طرح اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس وقت جھوٹ اور سچ کا فیصلہ کرنے کے واسطے اُن کو مباہلہ کی دعوت دی گئی اور یہ تجویز ہوئی کہ دونوں جماعتیں مل کر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کریں کہ خدایا ہم دونوں جماعتوں میں سے جو جماعت اپنے دعویٰ میں جھوٹی ہو اُس کو ہلاک کر دے۔ مگر نصاریٰ کے وفد نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے بدلے میں ہر سال جزیہ دینے کے

---

[1] تفسیر مدارک [2] تفسیر ابن کثیر

واسطے تیار ہو گئے۔ جزیہ اور ٹیکس دینے کے لئے راضی ہونا اور حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے واسطے بد دُعا اور مباہلہ پر تیار نہ ہونا۔ اس امر کی کھلی شہادت ہے۔ وہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ قرآن شریف کا فیصلہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور اس کا فیصلہ خدائی فیصلہ ہے اگر اس کے مقابلے میں مباہلہ کی تیاری کی گئی تو سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے۔ ان حالات سے معلوم ہوا کہ اہلِ کتاب قرآن مجید کو بالکل سچا سمجھتے تھے اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

۸۷ــــ (۱۶) صُلح حدیبیہ کے بعد اہلِ مکہ مسلمانوں سے ملتے اور اُن سے میٹھی باتیں کرتے تھے۔ اور کبھی معاہدہ کی پابندی کا وعدہ کرتے۔ اُن کو ہر طرح اطمینان دلاتے تھے۔ مگر دل سے موقع کے منتظر رہتے اور غصّہ کے ٹھنڈا کرنے کی تدبیریں کرتے تھے۔ مسلمان اُن کی شیریں کلامی اور ظاہری برتاؤ کو دیکھکر اُن پر بھروسہ اور اعتماد کرنے لگے۔ بے خبر مسلمانوں کو حقیقت حال سے مطلع کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ يُرۡضُونَكُم بِأَفۡوَٰهِهِمۡ وَتَأۡبَىٰ قُلُوبُهُمۡ وَأَكۡثَرُهُمۡ فَٰسِقُونَ پ ۱۰ ع ۸ ۔ وہ میٹھی باتیں کرکے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اُن کا دل ایسی باتوں سے راضی نہیں ہے ان میں سے اکثر لوگ جھوٹے اور بدعہد ہیں۔ یعنی یہ اُن کی محض زبانی باتیں ہیں۔ ورنہ حقیقت میں مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدہ کے پابند ہوکر رہنا نہیں چاہتے اور ایک مسلمان کو نقصان پہنچانے کے وقت کسی رشتہ داری اور عہد و پیمان کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا سنہ ۶ھ میں اہلِ مکّہ اور مسلمانوں کے درمیان دس شرطوں پر صُلح ہوئی۔ اُن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ کوئی فریق دُوسرے فریق کے مقابلے میں تلوار نہ اُٹھائے اور نہ اُس کے حلیف کے خلاف[۱] اپنے حلیف کی مدد کرے۔ مگر اہلِ مکّہ نے معاہدہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنے حلیف بنی بکر کی رسُولِ خدا صلعم کے حلیف بنی خزاعہ کے مقابلہ میں مدد کی۔ اور جب بنی بکر کے ساتھ اُن کے قتل میں شریک ہو گئے اور اُن کی ہتھیار وغیرہ سے اعانت اور امداد کی۔

---

[۱] تفسیر کبیر صفحہ ۴۲۰ ج ۴ ابن خلدون۔

ابوسفیان نے اپنے حلیفوں کو کھانا کھلایا۔ اور رسول خدا کے حلیفوں کو بالکل نہ پوچھا۔ باوجودیکہ وہ ابھی تک انہی کے ہم مذہب تھے۔ مگر محض اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ موردِ عتاب اور سزا کے مستحق ٹھہرائے گئے۔ اس[۱] کے علاوہ جب ہرقل شاہ روم نے رسول خدا صلعم کے حالات دریافت کرنے کے لئے ابوسفیان کو اپنے دربار میں بلایا۔ تو صلح حدیبیہ کے بعد کا زمانہ تھا۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں کے طرف سے تکذیب کرنے اور جھٹلانے کا ڈر تھا۔ ورنہ ہرقل نے جو باتیں حضور علیہ السلام کے متعلق دریافت کیں۔ میں ضرور غلط بیانی کرتا۔ محض رسوائی کا ڈر ایسا کرنے سے مانع رہا۔ اسی روایت میں ہے کہ جب ہرقل نے یہ سوال کیا کہ وہ عہد شکنی تو نہیں کرتے۔ ابوسفیان[۲] کہتا ہے۔ کہ میرا دل اس کا اقرار کرنے کے لئے تیار تھا۔ مگر میری زبان سے وہ بات نکلی جو سچی تھی کہ انہوں نے کبھی عہد شکنی نہیں کی۔ یہ صلح کے زمانہ میں اس کی عداوت اور دشمنی کے دلی جذبات تھے۔ جو موقع بموقعہ ظاہر ہوتے رہے اور اسی کی قرآن میں خبر دی گئی تھی۔

۸۸۔۔۔ (۱۷) منافقین اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا مخلص اور سچا مسلمان ہونا ظاہر کرتے اور مسلمانوں سے قسمیں کھا کر کہتے کہ ہم اگرچہ ظاہر میں کافروں سے ملتے ہیں۔ لیکن دل سے ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ مگر قرآن نے ان کو اس دعوٰی پر جھوٹا ٹھیرایا۔ اور ان کی تکذیب کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ پ۱۰ ع۱۳۔ اگرچہ منافقین خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں۔ لیکن وہ جھوٹے ہیں۔ اور تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ انہوں نے ایمان اور اسلام کو جان بچانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ چنانچہ بعد میں تجربہ سے ظاہر ہوا کہ جو کچھ قرآن میں ان کے متعلق خبر دی گئی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔ چنانچہ منافقین نے اسلامی لشکر سے الگ ہوکر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اور غزوہ تبوک میں جبکہ مسلمانوں کو امداد کی سخت ضرورت تھی

---

(۱) تفسیر کبیر ج ۴ (۲) بخاری (۳) ابن خلدون۔

وہ شریک نہ ہوئے۔ اور مسلمانوں کو بھی روکا[1]۔ اور جو منافقین کسی خارجی اثر سے شریک ہو گئے تھے۔ انہوں نے واپسی کے وقت رستہ میں رسولِ خدا کو قتل کرنے کی سعی کی[2]۔ اور اسلام کے خلاف سازشوں میں یہودیوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ غرض منافقین نے ہر موقعہ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اور اسلام کے خیر خواہ کبھی ثابت نہ ہوئے اور اسی کی قرآن میں خبر دی گئی تھی۔

۸۹۔۔(۱۸) رسول خدا صلعم کو غزوہ تبوک میں ۲ مہینے لگ گئے۔ اس دو مہینے کے عرصہ میں قرآن کا جو حصہ یا آیتیں نازل ہوئیں۔ اُن میں اکثر ان منافقین کے حالات بیان کئے گئے۔ جو اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے۔ اور اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے بانی اسلام محمد صلعم اور مسلمانوں کی مذمت اور برائیاں کرتے اور اُن کو بُرا کہتے تھے اور اس خیال سے کہ مسلمان اس سفر میں زندہ اور سلامت نہ بچیں گے۔ اپنے شریک نہ ہونے پر بغلیں بجاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے منافقین کی ان حرکتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور اُن کی منافقانہ چالوں پر مذمت اور بُرائی بیان کی۔ ان بعض منافقین کو جو اُس غزوہ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ یہ بات بہت گراں گزری۔ مگر وہ اپنے غیظ و غضب کو ظاہر کرنے سے مجبور تھے۔ لیکن ایک دن جلاس بن سوید منافق نے اپنی جماعت میں یہ کہا کہ محمد صلعم ہمارے آدمیوں پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ ان میں ہرگز یہ عیب نہیں ہیں اور اگر محمد صلعم کی کہی ہوئی باتیں سچی مان لی جائیں تو ہم اور ہمارے بزرگ سب کے سب گدھے اور بیوقوف ٹھہرے۔ اتفاق سے اس جماعت میں عامر بن قیس انصاری سچے اور مخلص مسلمان بھی موجود تھے۔ جب انہوں نے اُس کی زبان سے یہ الفاظ سُنے۔ تو غیرت ایمانی جوش میں آ گئی اور غصہ ہو کر یہ فرمایا کہ بے شک تم سب گدھے ہو۔ اور رسول خدا صلعم نے جو کچھ خبر دی ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ حضور کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ جلاس بن سوید کو بلا بھیجا۔ اُس نے اس سے صاف انکار کیا۔ اور قسم کھائی کہ عامر نے جو کچھ کہا۔ وہ بالکل جھوٹ[3]

---

[1] ابن خلدون [2] رواہ ابن کثیر عن حذیفہ وغیرہ من المحدثین [3] تفسیر کبیر ص۱۲۴ جلد ۴

ہے۔ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ اب عامر کے پاس کوئی گواہ نہ تھا۔ جو اُن کی تصدیق کرتا۔ مجبور ہو کر خاموش ہونا پڑا۔ اور اللہ تعالےٰ سے یہ التجا کرنے لگے۔ الہٰی حق کی حمائیت اور سچ کو ظاہر فرما۔ خُدا تعالیٰ نے اُن کی آواز سُنی۔ اور حق کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آئیت نازل فرمائی۔
يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ
پ۱۰ ع۱۶۔ وُہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا۔ بے شک انہوں نے ایسا کلمہ کہا ہے جس کے کہنے سے وہ اسلام ظاہر کرنے کے بعد پھر کافر ہو گئے۔ اس آئیت کے نازل ہونے کے بعد جلاس نے رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خطا اور عامر کے سچا ہونے کا اقرار کیا۔ اور پھر توبہ کر کے مخلص اور دیندار مسلمانوں میں داخل ہو گیا۔ اس آئیت پر جلاس کا فوراً اپنی خطا کا اقرار کرنا۔ اور اُس پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے سچی توبہ کر لینا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ اُس کے نزدیک قسم کے بعد حضرت محمد صلعم کے خیال کو بدلنے والا اور اس کی اصلیت سے اُن کو مطلع اور خبردار کرنے والا خُدا کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اور اُس نے سمجھ لیا۔ کہ جس طرح میرے متعلق آپ کو صحیح اطلاع دی گئی ہے۔ اسی طرح مدینہ کے رہنے والے منافقین کے بارے میں بھی جو کچھ خبریں دی گئیں ہیں۔ وہ بالکل صحیح اور دُرست ہیں۔

۹۰ (۱۹) مدینہ کے اطراف و جوانب میں ان چار قبیلوں۔ اسلم۔ جہنیہ۔ مزنیہ اور غفار کے ضعیف العقیدہ مسلمان آباد تھے۔ جب رسُول اللہ صلعم نے سنہ ۶ھ میں بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ تو اُن لوگوں کو بھی اس سعادت کے حاصل کرنے کی دعوت دی۔ مگر یہ لوگ اپنے گھروں ہی میں بیٹھے رہے۔ اور اس سفر میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ اُن کا خیال تھا کہ اہل مکّہ اب تک مدینہ پہنچ کر مسلمانوں پر حملہ کرتے رہے ہیں۔ اگر کہیں مسلمان خود بخود اُن کے گھر چلے گئے۔ تو وہ سب کو موت کی آغوش میں سُلا دیں گے۔ گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ شہر کا رُخ کرتا ہے مسلمانوں کا مکہ کی طرف جانا گویا موت کے مُنہ میں جانے کے برابر ہے۔ اس لئے وہ حضور کے فرمانے پر بھی اس سفر میں جانے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ اور نہ کسی مسلمان پر اپنا خیال ظاہر کیا۔ بلکہ دعوت نامہ کے جواب میں خاموشی اختیار کی۔ اور گھروں سے باہر نہ نکلے۔ جب رسُول خُدا صلعم اہل مکّہ سے صُلح کر کے

واپس ہو رہے تھے۔ اس وقت سورۃ فتح نازل ہوئی اور اس میں ان لوگوں کے شریک نہ ہونے کی اصلی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا گیا کہ جب آپ صحیح اور سلامت مدینہ پہنچیں گے تو یہ لوگ عذر خواہی کے لئے خدمت میں حاضر ہوں گے اور وہ معافی چاہیں گے۔ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ [۲۸] ع
مگر اُن کا عذر جھوٹا ہوگا۔ اور نہ وہ دل سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں گے۔ بلکہ ایسا کرنا محض آپ کو خوش کرنے اور دھوکا دینے کے واسطے ہوگا اس لئے آپ ہرگز اُن کا اعتبار نہ کریں۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ تو یہ لوگ خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چنانچہ یہی عذر کیا کہ ہمارے پیچھے کوئی شخص کاروبار کو سنبھالنے والا اور اہل و عیال کا خبر گیراں نہیں تھا۔ اس لئے ہم آپ کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ مگر اُن کا یہ جھوٹ اُس وقت صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ جب بیس روز کے بعد نبی کریم صلعم نے غزدہ خیبر کی تیاری کی۔ اور اُن کو معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ نے حدیبیہ میں شریک ہونے والوں سے خیبر کی فتح کا وعدہ کیا ہے اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہونے کی اُمید دلائی ہے۔ تو انہوں نے بھی اس غزدہ میں شریک ہونے کی آمادگی ظاہر کی۔ اور اس پر سخت اصرار کیا۔ اور جب اُن سے یہ کہا گیا کہ یہ وعدہ خالص اُن لوگوں کے لئے ہوا ہے۔ جو حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ تو اعتبار نہ آیا۔ اور یہ کہا کہ تم اس لئے ہمیں اپنے ساتھ نہیں لیجانا چاہتے۔ تاکہ مال غنیمت میں سے کچھ نہ دینا پڑے۔ اگر وہ اس عذر میں جھوٹے نہ تھے تو وہ بیس روز کے بعد ان کا بیان کردہ عذر کہاں چلا گیا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ وہ اپنے دعوے میں یقیناً جھوٹے تھے۔ اور قرآن نے جو اُن کے دل کا راز بتایا تھا۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھا

فصل ۴

اُن آیتوں کا بیان جن میں مخالفین کی پوشیدہ باتوں اور چھپے ہوئے بھیدوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ لوگ اس بات کا پورا اہتمام کرتے۔ کہ اُن کی مجلس کی کوئی بات باہر نہ نکلے۔ اور نہ کسی غیر آدمی کو اپنے مشورے میں شریک ہونے دیتے لیکن باوجود اس احتیاط کے نبی کریم صلعم کو اطلاع ہو جاتی۔ اور کبھی اکیلا آدمی تنہائی میں کوئی کام کرتا۔ اور اُس کے متعلق کسی کے سامنے ایک حرف زبان پر نہ لاتا۔ مگر رسول خدا صلعم کو اس کی خبر مل جاتی اور آپ تمام واقعہ بیان فرما دیتے۔ مخالفین اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد عربی صلعم کے پاس قرآن عزیز کے سوا اور کوئی ذریعہ خبر رسانی کا نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس قدر طویل مُدت میں ایک دن بھی کسی شخص پر جاسوسی کا الزام نہیں لگایا۔ وہ ان حالات کی وجہ سے آپ کو ساحر اور کاہن ضرور بتاتے رہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں کہا کہ فلاں جاسوس نے تمہیں یہ خبریں پہنچائی ہیں۔ اس لئے اس طرح کی خبریں دینے والا وہی ہو سکتا ہے۔ جو ہر ایک کا راز دان اور بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی دُوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس قسم کی چیزیں کہ جن کے جاننے کا ظاہر میں کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ خُدا ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ کسی انسان کی گھڑی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔ ایسی خبروں میں سے ایک خبر یہ ہے۔

۱) ۔۔۔ ۹ منافقین ظاہر میں مسلمانوں سے ملتے۔ اور دل سے اُن کی مخالفت کرتے تھے۔ جب کبھی مسلمانوں سے ملنا ہوتا۔ تو اُن پر اپنا ایمان دار ہونا ثابت کرتے۔ اور اُن کی نظروں میں اپنے اعتبار بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ لیکن تنہائی کی مجلسوں میں کافروں کے ساتھ مل کر اس بات پر مذاق اڑاتے اور آپس میں بیٹھ کر کہتے کہ آج مسلمانوں کو خوب بیوقوف بنایا۔ ایسی باتیں بنائیں کہ اُن کو ہمارے سچے ہونے کا یقین آ گیا۔ قرآن میں اُن کی اس خباثت اور عیاری کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ پ ۱ ع ۲۔ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں۔ تو اپنا مسلمان ہونا جتاتے ہیں۔ اور جب اپنے سردار اور لیڈروں سے تنہائی ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم دل سے تمہارے ساتھ ہیں۔ اُن کا تو ہم مذاق اُڑاتے ہیں۔ اس آیت میں منافقین کی دو باتیں ظاہر کی گئیں۔

(۱) مسلمانوں کو اپنے مومن اور مسلمان ہونے کا دھوکا دینا۔

(۲) اپنی مجلسوں میں مسلمانوں کی تضحیک کرنی اور اُن کا مذاق اُڑانا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کی نظر میں اپنا اعتبار بڑھانے اور اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہو۔ اُس سے بعید ہے کہ وہ کھُلم کھُلا ایسا کوئی کام کرے۔ جس سے اُس کا جھُوٹا اور بے اعتبار ہونا ظاہر ہو جائے۔ اس لئے منافقین مسلمانوں کو بیوقوف کہنے اور اُن کی مذمت یا برائی کرنے میں یقیناً سخت اخفا کرتے اور اُس کے چھُپانے میں پوری احتیاط کرتے تھے۔ ادھر مسلمانوں کو اُن کی خیانت اور دورنگی کا آخر وقت تک پتہ نہ چلا۔ اور وہ اُن کو اپنی طرح سچا اور مخلص مسلمان سمجھتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ منافقین اپنی مجلسوں میں مسلمانوں کو سفیہ اور بے وقوف بتایا کرتے تھے۔ ایسے حالات میں اصلیت کا پتہ چلانا مسلمانوں کے امکان سے باہر ہو چکا تھا۔ اگر علاّمُ الغیوب اور بھیدوں کا جاننے والا اِس راز کو فاش نہ کرتا تو مسلمان ہمیشہ اُن کے دھوکے اور فریب میں پھنسے رہتے۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ اس واقعہ کے متعلق اُن کی خفیہ اور پوشیدہ باتوں کی اطلاع دینے والا خُدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔

۹۲ ـــ (۳)۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے لوگوں کو اسلام کی طرف سے بدظن کرنے اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک اور شُبہات پیدا کرنے کے واسطے یہ حیلہ بنایا کہ پڑھے لکھے یہودیوں کی ایک جماعت صُبح کے وقت نبی عربی صلعم پر ایمان لائے اور دن ڈھلنے سے پہلے یہ کہہ کر اسلام سے بیزاری کا اعلان کر دے۔ کہ ہم نے اپنی کتابوں کو خوب دیکھا۔ اور اہلِ علم سے حضرت محمد صلعم کے بارے میں دریافت کیا۔ تو معلوم ہُوا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں۔ جن کی صفت توریت اور دُوسری آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ایسا کرنے سے

لہ ابو سعود۔ خازن۔ بیضاوی وغیرہ۔

شاید بعض لوگوں کو شک ہو۔ اور وہ اسلام کو چھوڑ کر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس غرض سے ایک خفیہ جلسہ کیا۔ جس میں ۱۲ آدمی خیبر رہنے والے اس کام کے لئے تیار کئے۔ ________ جب وہ اس ارادے سے مجلس نبوی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے ایمان لانے کا شوق ظاہر کیا۔ تو قرآن نے اُن کا راز فاش کر دیا۔ اور اُن کی خفیہ کاروائی کو سب پر ظاہر کرنے اور اُن کے مکر کا تار و پود بکھیرنے کے لئے یہ آیت نازل کی گئی۔ وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

پ ۳ ع ۱۶۔ اہل کتاب کی ایک جماعت نے یہ مشورہ کیا۔ کہ دن نکلتے ہی قرآن پر ایمان لے آؤ۔ اور شام کے وقت اُس کا انکار کردو۔ شاید اس دھوکے سے مسلمان اپنا دین چھوڑ دیں۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کو اس مشورہ کا بالکل علم نہ تھا۔ کیونکہ اس کے معلوم ہونے کی دو ہی صورتیں ہوسکتیں تھیں۔ اوّل یہ کہ یہودی یہ مشورہ سب کے سامنے کرتے اور کسی سے نہ چھپاتے۔ مگر یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جو شخص کسی کو دھوکا دینا چاہے۔ وُہ اپنی کاروائی کے چھپانے میں پوری کوشش کرتا ہے۔ ورنہ وہ اپنے دھوکے اور فریب میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ کوئی ایسا جاسوس ہوتا جو ان کی مجلس کی خفیہ کاروائیوں سے پیغمبر خدا صلعم کو مطلع اور باخبر کرتا۔ مگر ایسا آدمی بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ اس لئے اس خبر کا ذریعہ علاّمُ الغیوب کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ پھر اس مشورہ کے بارے میں جو کچھ خبر دی گئی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔ کیونکہ جب اُن کے متعلق قرآن میں یہ اطلاع دی گئی تو آنے والے یہودیوں میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہوا۔ بلکہ وہ شرمندگی اور ندامت کے ساتھ مجلس نبوی سے اُٹھ کر چلے گئے۔ اگر وہ اس ارادے سے نہ آتے۔ بلکہ اسلام کی محبت اُن کو کھینچکر لاتی۔ تو وہ اس واقعہ سے مزور اپنی بے تعلقی کا اظہار کرتے اور بغیر ایمان لائے مجلس نبوی سے نہ اُٹھتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اس لئے اُن کا ایمان نہ لانا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں بُری نیّت سے آئے تھے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

۹۴۔۔۔(۴) پہلی آسمانی کتابوں خصوصاً توریت اور انجیل میں نبی آخر الزّمان صلعم کے شناخت اور پہچان کی علامات اور نشانیاں تین قسم کی مذکور تھیں۔ (۱) نبی عربی صلعم کا اسم گرامی۔ (۲) اخلاق اور واقعات کے متعلق خاص خاص باتیں۔ (۳) حلیہ شریف حمیسیؒ[1] نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ توریت میں آپ کا نام "المُنْحَمِنَّا" ہے۔ جس کے معنی محمّد ہیں۔ اور انجیل میں "فارَقلیطَ" جو احمدؐ کے ہم معنی ہے۔ کعبُ الاحبار فرماتے ہیں۔ کہ توریت میں حضور کا نام "محمّدٌ رَّسُول اللہ لکھا ہوا ہے حسن بن محمد الدامغنی نے اپنے کتاب شوق العروس وانسُ النفوس میں لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا نام توریت میں "مَوذْ مَوذْ اور انجیل میں طاب طاب زبور میں فارُوق اور دُوسرے آسمانی صحیفوں میں عاقب ہے۔ کعبؓ[2] الاحبار فرماتے ہیں۔ کہ آپؐ[3] کے اخلاق حمیدہ اور بعض خصوصی حالات کے متعلق توریت میں یہ لکھا ہُوا ہے۔ کہ محمّد اللہ کے سچے رسُول اور اُس کے پسندیدہ بندہ ہیں۔ تُند خو اور سخت طبیعت نہیں ہیں۔ نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور نہ بُرائی کا بُرائی کے ساتھ بدلہ دینے والے ہیں۔ بلکہ عفو اور درگذر کرنے والے ہیں۔ اُن کا مولد اور پیدائش کی جگہ مکّہ اور ہجرتؐ گاہ مدینہ ہوگا۔ حکومت اُن کی ملک شام میں قائم ہوگی۔ عبدؓ[4] اللہ بن سلام سے روایت ہے کہ توریت میں رسُولِ خدا صلعم کی یہ[5] صفت بھی لکھی ہوئی ہے۔ کہ آپ کے پاس عیسٰی بن مریم علیٰ نبیّنا و علیہ السّلام مدفون ہوں گے۔ توریتؐ[6] میں رسُول اللہ صلعم کی ایک نشانی یہ بیان کی گئی کہ آپ شروع میں چند دن بیت المقدس کی طرف نماز میں اپنا رُخ کریں گے۔ پھر ہمیشہ کے لئے خانہ کعبہ آپ کا قبلہ بنا دیا جاوے گا۔ توریتؐ[7] میں آپ کا حُلیہ شریف اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ خوبصورت چہرہ۔ سر کے بال خوشنما آنکھوں میں قدرتی طور پر سُرمہ کے ڈورے قد درمیانہ مگر جب آپ نے مکّہ چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مستقل قیام کا ارادہ فرمایا۔ تو یہودی مذہب کے عالموں کو یہ خطرہ لاحق ہُوا کہ اگر عام یہودیوں اور ناواقف

---

[1] ماخوذ از جمل صفحہ ۲۰۵ ج ۳ [2] کعب پہلے یہودی مذہب کے عالم تھے۔ بعد میں مسلمان ہوگئے۔
[3] مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۴ [4] ابتداء میں یہودیوں کے عالم تھے۔ بعد میں مُسلمان ہوئے۔ [5] مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۵
[6] تفسیر ابوالسعود ج ۱ صفحہ ۱۴۴ [7] تفسیر ابوالسعود صفحہ ۳۸۷ ج ۱

لوگوں کو نبی آخرالزمان کی سچی نشانیاں اور اُن کا صحیح حُلیہ بتا دیا گیا تو یہ لوگ ہماری پیروی اور اتباع کو چھوڑ کر محمد عربی صلعم کے ساتھ لگ جائیں گے اور جو فائدے ہم کو متبعین اور عقیدتمندوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ سب کے سب جاتے رہیں گے۔ ہماری پیشوائی اور سرداری خاک میں مل جائے گی۔ اِس لئے علماء یہود نے آپ کا اصلی حُلیہ توریت سے مٹا کر اُس جگہ یہ لکھ دیا۔ دراز قد۔ نیلگوں آنکھیں۔ بال سیدھے۔ جب کوئی اُن کے متبعین میں سے نبی آخرالزمان کا حُلیہ دریافت کرتا۔ تو خود ساختہ حُلیہ پڑھ کر سُنا دیتے۔

جو نبی عربی کریم صلعم پر چسپاں نہ ہوتا۔ اور آپ کی دوسری نشانیوں اور حالات کو ظاہر نہ کرتے اور بالکل چھپا لیتے تھے۔ اِن کے اس مکر و فریب کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن میں دو آئتیں نازل ہوئیں۔ پہلی آیت جن میں یہودیوں کی اس تعریف اور حُلیہ شریف کے بدلنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا پ ۱ ع ۹۔ اِن لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جو خدا کی کتاب توریت میں اپنی طرف سے ایک بات لکھ کر اُس کو اللہ کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ تاکہ اُس کے بدلے میں دُنیا کا کچھ نفع حاصل کرلیں۔ اور اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ یہودی عُلماء نے نبی آخرالزمان کی دُوسری نشانیوں کو چُھپا لیا ہے۔ یہ آئیت اُتری۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ۔ یہودیوں میں سے جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی آئیتوں کو چھپاتے اور اُس کے بدلے میں دُنیا کا مال کھاتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ مال آگ بن جائے گا۔ اسی قسم کی ایک آئیت یہ ہے يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ نبی آخرالزمان کو اِن اوصاف کی وجہ سے جو اُن کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جانتے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر اِن میں سے ایک فریق حق کو جان بُوجھ کر چُھپاتا ہے۔ اِن واقعات کے

لہ ابوالسعود صفحہ ۴۳۸ ج ۱

صحیح ہونے اور نبی عربی صلعم کے اصلی نشانات پر ہم عُلماء یہود کی شہادتیں اور بیانات پیش کر چکے ہیں۔ جو رسُول اللہ کی زندگی میں توریت کی نشانیوں کو دیکھ کر مُسلمان ہوئے۔ اور آپ کے نبی آخرالزّمان ہونے کی تصدیق کی۔ اس کے علاوہ بعض ایسے یہودی علماء کی گواہیاں بھی موجود ہیں۔ جو آخر دم تک ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ مگر انہوں نے رسُول اللہ صلعم کے نبی مبشر ہونے کو تسلیم کیا............ظاہر ہے کہ جس بات کو انہوں نے عام یہودیوں سے چھُپا کر رکھا تھا۔ اُس کو مسلمانوں پر کس طرح ظاہر کر سکتے تھے۔ اس لئے یہ احتمال نکالنا کہ شاید عُلماء یہود نے ان واقعات کے چھُپانے میں پوری احتیاط نہ کی ہوگی۔ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ دوسری طرف رسُولِ خُدا صلعم توریت کے مضامین سے بالکل بیخبر تھے۔ نہ خود پڑھنا جانتے تھے اور نہ کبھی کسی نے اس کے مضامین سے آپ کو آگاہ اور مطلع کیا۔ لہٰذا اس ناواقفیت اور بے خبری کے باوجود یہودیوں کی خفیہ چالوں اور پوشیدہ حرکات پر مطلع ہو جانا۔ خدائی خبر اور آسمانی اطلاع کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

۹۴ــــ(۴) جب اُحُد[1] کی لڑائی میں میدان کارزار گرم ہوا۔ تو منافقین کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اور پیغمبر خُدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ۔ کیا ہمیں کوئی کامیابی نصیب ہوگی۔ اس کے جواب میں رسُول خُدا صلعم کو بذریعہ وحی یہ ہدایت کی گئی۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ۔ اے محمدؐ ان سے کہدیجئے کہ آخری غلبہ اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے اور ایک دن اُسی کی جماعت کو غلبہ نصیب ہوگا۔ منافقین اس آیت کو سُن کر ظاہر میں چُپ ہو گئے۔ اور زبان سے کچھُ نہ کہا۔ مگر دل سے اِس بات کی تصدیق نہ کی۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر آخری غلبہ خُدا اور اُس کے رسُول کے واسطے ہوتا۔ تو ہم میں سے بعض آدمی اِس جگہ کیوں قتل ہوتے۔ اگرچہ جنگ شروع ہونے سے پہلے قرآن میں یہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ آج مسلمانوں کو فتح اسی صورت میں نصیب ہوسکتی ہے۔ جبکہ وہ رسُول اللہ صلعم کے حکم کے خلاف ورزی نہ کریں۔ مگر انہوں نے

[1] ابوالسعود ص۴۴ ج ۲

پہاڑی درّہ کو چھوڑ کر نبی کریم صلعم کی عدول حکمی کی۔ جس کا نتیجہ شکست کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مگر منافقین نے اس شرط کو نظر انداز کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے منافقین کی اس بے اطمینانی کو جو انہوں نے آپس میں ظاہر کی تھی۔ اپنے رسول کو بذریعہ وحی ظاہر کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ[1] یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ انہوں نے اپنے دلوں میں یہ بات چھپا رکھی ہے۔ جس کو وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور کہتے ہیں کہ اگر آخری فتح اور کامیابی کا وعدہ ہمارے لئے ہوتا تو ہم کبھی اس جگہ قتل نہ کئے جاتے۔ ظاہر ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ پر منافقین کا بد اعتمادی ظاہر کرنا۔ کبھی مسلمانوں کے سامنے اور کھلم کھلا نہیں ہو سکتا۔ ورنہ وہ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے قتل کر دیئے جاتے۔ اس لئے اُن کی خفیہ بے اطمینانی اور اس خیال فاسد کا پتہ خدائی خبر کے بغیر کبھی نہیں ہو سکتا۔

۹۵۔۔۔(۵) جب منافقین[2] کو جنگ اُحد میں شریک ہونے کے لئے کہا گیا۔ تو عبد اللہ بن ابی اور اُن کے ساتھیوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم فنون حرب سے بالکل ناواقف ہیں۔ اگر ہم لڑائی کے کرتب جانتے۔ تو تمہارے ساتھ ضرور چلتے اس لئے ہم مجبور ہیں اور یہ کہکر تین سو منافق اسلامی لشکر سے جدا ہو گئے۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان منافقین میں سے جو لوگ مسلمانوں کے ہمراہ چلے آئے تھے۔ اُن سے چند آدمی مارے گئے۔ اور کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے۔ جب ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کو ان لوگوں کے مرنے کا علم ہوا۔ تو افسوس ظاہر کیا۔ اور یہ کہا کہ اگر وہ ہماری پیروی کرتے اور جس طرح ہم بہانہ کر کے چلے آئے تھے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ چلے آتے۔ تو کیوں قتل ہوتے خدا نے منافقین کے[3] اس خیال کو اپنے رسول پر ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا

---

[1] ابو السعود ص۱۴۴ ج ۲ [2] ابو السعود ص۴۲۲ ج ۲ [3] ابو السعود ص۴۶۵ ج ۲

لو اطاعونا ما قتلوا۔ خدا ان لوگوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ جو گھروں میں بیٹھے ہوئے مرنے والے بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں کہ اگر وہ ہماری اتباع کرتے تو کبھی قتل نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ منافقین نے یہ بات مسلمانوں کے روبرو ہرگز نہیں کہی۔ اگر وہ مسلمانوں کے سامنے یہ بات کہتے تو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ کہ جس بات کو وہ چھپاتے ہیں خداوندتعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے۔ اس جملہ پر مسلمان ضرور معترض ہوتے۔ جیسے اُن کی عادت ہے اور منافقین بھی اس اعتراض میں اُنکے ساتھ مل جاتے۔ دُوسرے جب منافقین نے جنگ میں شریک نہ ہونے کا پہلے یہ عذر بیان کیا تھا کہ ہم قواعد جنگ سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔ تو ایسی بات مسلمانوں کے سامنے کب کہہ سکتے تھے۔ جس میں اُن کا بہانہ کرنا اور جھوٹ بولنا ثابت ہوتا۔ اس لئے یہ بات ضرور ماننی پڑے گی۔ کہ منافقین نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ مسلمانوں سے چھپا کر اور پوشیدہ کہا تھا۔ اور ایسی خفیہ گفتگو اور پوشیدہ راز کی اطلاع نبی کریم صلعم کو بغیر خدا کے بتائے کبھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ خبر یقیناً خدا کی بتائی ہوئی تھی۔

۹۶ـــ(۶) ابورافع۔ حیی بن اخطب۔ مالک بن صیف۔ کعب بن اشرف جیسے یہودی علماء نے نبی عربی صلعم کے اوصاف اور نشانیوں کو جو توریت میں لکھی ہوئی بدل کر اس کی جگہ اپنی طرف سے چند من گھڑت باتیں لکھدیں۔ جب کوئی شخص نبی آخرالزمان کی علامتیں اور اُن کے اوصاف دریافت کرنے کے لئے

اُن کے پاس آتا۔ اور توریت میں لکھی ہوئی نشانیاں پوچھتا۔ تو وہ اپنی بنائی ہوئی عبارت توریت کی آیتوں کے ساتھ اس طرح پڑھتے کہ سُننے والا اُس کو توریت کی ایک آیت سمجھتا اور پھر کہتے کہ ہم نے جو کچھ سُنایا ہے۔ وہ خدا

لہ ابوسعود صفحہ ۱۰۶ ج ۲

کی نازل کردہ کتاب توریت کی آیتیں ہیں۔ اور ایک روائیت میں یوں آیا ہے کہ رسُولِ خُدا صلعم نے توریت کی چند باتیں یہودیوں سے دریافت کیں۔ مگر انہوں نے حق بات کے کہنے سے گریز کیا۔ اور اپنی طرف سے چند جھُوٹی اور غلط باتیں بنا کر توریت کی طرف منسُوب کر دیں۔ اور اُن کو اسی طرح پڑھ کر سُنایا۔ جس سے اُس کے کلامِ الہٰی اور توریت کی ایک آیئت[۱] ہونے کا دھوکا ہونے لگا۔ حق تعالیٰ نے اپنے رسُول کو یہودیوں کی شرارت اور اصل حقیقت سے مطلع اور خبردار کرنے کے لئے یہ نازل فرمائی۔ وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ‌ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ۔ یعنی یہودیوں کی ایک جماعت ایسی ہے۔ جو اپنی طرف سے ایک بات لکھتی ہے اور پھر اُس کو توریت کے ساتھ ملا کر اس طرح پڑھتی ہے۔ جس سے تُم سمجھنے لگتے ہو۔ کہ یہ بھی توریت کی ایک آیئت ہے۔ باوجودیکہ وہ توریت کی آیئت نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خُدا کی طرف سے نہیں ہے۔ مگر پھر جھُوٹ بولتے ہیں۔ اور اُن کو خُدا کا کلام بتاتے ہیں۔ یہ دھوکا اور فریب جو یہودیوں نے مسلمانوں کو دینا چاہا۔ اور انسانی کلام کو خُدا کی طرف منسُوب کرنے کی کوشش کی۔ یقیناً انہوں نے پہلے سے اُس کا مواد مسلمانوں سے چھُپا کر پوشیدہ طور پر اکٹھا کیا تھا۔ اگر اس تحریف کا علم مسلمانوں کو ہوتا تو یہ یہودی اُن کو دھوکا دینے کی کبھی جُرأت نہ کرتے۔ اور توریت کی طرح اُس کو پڑھ کر نہ سُناتے۔ خبر رسانی کے ذرائع مسدُود ہونے کے باوجود کسی انسان کو ایسی پوشیدہ باتوں کی اطلاع وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ یہ خبر خُدا کی بتائی ہوئی تھی۔

۹۷ــــ (۷) ابو سُفیان[۲] نے جنگ اُحُد سے واپس ہوتے ہوئے پکار کر یہ کہا کہ آئندہ سال ہمارے اور تمہارے درمیان بدر کے مقام پر لڑائی ہو گی۔ مسلمانوں نے اس

---

[۱] ابو سعود صد ۱۱ ج ۳ [۲] ابو سعود صد ۲۷۳ ج ۳

اعلان کو منظور کرلیا۔ جب ایک سال بعد بدر میں جمع ہونے کا دن آیا۔ تو ابوسُفیان لڑائی کے ارادہ سے بدر کی طرف روانہ ہُوا۔ جب وہ مزظہران میں پہنچا۔ جو مکّہ اور بدر کے درمیان ایک جگہ ہے تو مسلمانوں کا رُعب اور ہیبت الٰہی اُس کے دل پر ایسی چھاگئی۔ کہ اُس کو ایک قدم آگے بڑھنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ اتفاق سے ایک جماعت بنی عبدقیس کی یا نعیم ابن مسعود اشجعی مدینہ کی طرف جارہا تھا۔ ابوسُفیان نے اُس کو کچھ اُجرت دی۔ اور یہ کہا کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں سے کہنا کہ ابوسُفیان ایک زبردست لشکر لے کر تم سے لڑنے کے لئے آرہا ہے۔ تمہاری جان کی خیر نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اُن سے لڑنے کے لئے نہ جاؤ۔ اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ اُس وقت خُداوند تعالیٰ نے اپنے رسُول کو یہ خبر دی۔ اِنَّمَا ذَالِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ۔ یہ شیطان ہے۔ جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈرانا چاہتا ہے۔ تم اُن سے ہرگز نہ ڈرو۔ اور میرا خوف اپنے دل میں رکھو۔ اس آیت میں صاف بتادیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ اُس کی کوئی اصلیّت نہیں۔ محض تمہیں ڈرانے کے لئے جھُوٹی باتیں بنارہا ہے۔ چنانچہ[1] رسُولِ خُدا صلعم مسُلمانوں کا لشکر لے کر بدر کے میدان میں جا اُترے۔ اور آٹھ دن تک وہاں رہے۔ مگر ابوسُفیان نے صورت تک نہ دکھائی۔ ظاہر ہے کہ جب ابوسُفیان اپنے آدمی کو مسلمانوں کی طرف بھیج رہا تھا۔ تو اُس وقت اِن میں سے ایک آدمی بھی اِس کے پاس نہ تھا۔ اِس واسطے مسلمانوں کے لئے خدائی خبر کے علاوہ اس واقعہ سے مطلع ہونے کا دُوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

۹۸ــــ(۸) حیی[2] بن اخطب خیبری اور کعب بن اشرف نشتر یہودی سواروں کو لے کر مکّہ میں پہنچے۔ اور سرداران مکّہ کو جمع کرکے رسُولِ خُدا صلعم کے خلاف جنگ کرنے پر اُن سے عہدو پیماں کرنے لگے۔ اہلِ مکّہ نے کہا کہ تم اور مُسلمان دونوں اہلِ کتاب ہو جو خیال تمہیں اُن کا ہوگا۔ وہ ہمارا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے جب تک تم ہمارے معبودوں کو

---

[1] ابن خلدون [2] تفسیر ابوسعود صد ۱۷۲ ج ۳

سجدہ نہیں کرو گے۔ اس وقت تک ہم تمہارا اعتبار نہیں کر سکتے۔ یہودیوں نے بُتوں کے آگے سر رکھدیا۔ اور اُس کے بعد دونوں جماعتوں نے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ اسی اثناء میں ابوسُفیان نے کعب بن اشرف سے پُوچھا کہ محمدؐ صلعم توحید کی طرف بُلاتے ہیں۔ اور شرک سے منع کرتے ہیں۔ ہم لوگ بیت اللہ کی دربانی کرتے۔ اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اور مہمان نواز ہیں۔ ہم دونوں میں سے ہدایئت اور راستی پر کون ہے۔ کعب نے جواب دیا کہ تُم صحیح راستہ پر ہو۔ مدینہ سے دو سو میل فاصلہ پر اسلام کی دو مخالف جماعتوں میں گُفتگو ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا کوئی آدمی اس مجلس میں موجود نہیں ہے۔ مگر اس واقعہ کو ظاہر کرنے کے لئے پیغمبرِ خُدا صلعم کی زبان مُبارک پر قرآن کے یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا پ۵ ع۵۔ کیا آپ اُن لوگوں کو نہیں دیکھتے۔ جو توریت کا علم رکھنے کے باوجود بتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اُن کو سجدہ کرتے ہیں۔ مشرکین کو ایمانداروں سے اچھا بتاتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ اسقدر دوری کے باوجود اِس واقعہ کے ظاہر ہونے کا ذریعہ خُدائی خبر کے سوا کوئی دُوسرا نہیں ہو سکتا۔

۹۹ــــ (۹) جب[1] سردار دوجہاں صلعم منافقین کو کسی کام کے کرنے کا حکم فرماتے۔ تو وہ اُس کو خوشی سے قبُول کر لیتے۔ اور اُس پر اپنی رضامندی ظاہر کرتے۔ لیکن جب مجلس نبوی سے باہر نکلتے۔ اور مسلمانوں سے الگ ہوتے۔ تو اُن کی مخالفت کرتے اور فرمان نبوی سے مُنہ موڑ لیتے تھے۔ خُدا تعالیٰ نے اُن کی اس دورنگی اور منافقانہ چال کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیئت نازل فرمائی۔ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ پ۵ ع۸۔ جب آپ کے پاس رہتے ہیں۔ تو فرمانبرداری کا وعدہ کرتے ہیں۔ جب آپ

---

[1] ابوالسعود صـ۲۱۴ ج ۳ بیضاوی

جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں۔
تو اُن میں سے ایک جماعت آپ کے فرمانے کے خلاف آپس میں مشورہ اور تدبیریں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مشوروں کو لکھتا اور آپ کو اُن سے مطلع کرتا ہے۔ جب منافقین رسُولِ خدا صلعم کی خدمت اقدس میں کسی بات کا اقرار کر کے آتے تھے۔ تو وہ مسلمانوں کے روبرو اس کے خلاف کبھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ اس لئے جو کچھ وہ کہتے تھے۔ یقیناً تنہائی میں اور مسلمانوں سے چھپا کر کہتے تھے۔ لہٰذا بغیر کسی ظاہری ذریعہ کے ایک چھپی ہوئی بات کی خبر دینا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

۱۰۰۔۔۔(۱۰) طعمہ[1] بن ابیرق منافق نے زرہ چوری کر کے ایک یہودی کے پاس چھپا دی مسلمانوں نے نشان لگاتے لگاتے یہودی کو جا پکڑا۔ یہودی نے کہا کہ طعمہ میرے پاس زرہ امانت کے طور پر رکھ گیا ہے۔ اور بخدا میں نے چوری نہیں کی۔ جب یہودی نے اپنی براءۃ پیش کر دی۔ تو مسلمانوں نے طعمہ کو چوری کے الزام میں پکڑ لیا۔ طعمہ کے رشتہ داروں اور اُس کی جماعت کے دُوسرے منافقین نے رات کو یہ مشورہ کیا کہ صُبح مجلس نبوی میں جا کر طعمہ کے بے گناہ ہونے پر قسمیں کھائیں۔ اور چوری کا الزام جس طرح بھی ہو یہودی کے سر مڑھیں۔ رات کو یہ مشورہ ہُوا۔ صبح سویرے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے نبی کریم صلعم کو تمام واقعہ کی بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی۔ اور آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا

پ ۵ ع ۱۳۔ وہ لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ اور خدا سے نہیں چھپاتے۔ باوجودیکہ وہ اس وقت بھی اِن کے ساتھ تھا۔ جب وہ ایک بے گناہ کو پھنسانے کا مشورہ کر رہے تھے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے احاطۂ علمی سے وہ چیز باہر نہیں ہے۔ خدائی اطلاع کے بغیر اس مشورہ سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ مسلمانوں کے پاس نہیں تھا۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ یہ خبر بھی خدا ہی کی بتائی ہوئی ہے۔

---

[1] بیضاوی ص ۱۷۲۔

۱۰۱۔۔۔(۱۱) جب کسی جنگ میں مُسلمانوں کی فتح ہوتی۔ اور اُن کو مالِ غنیمت حاصل ہوتا۔ تو منافقین کہتے۔ کہ ہم بھی تمہاری طرح مُسلمان ہیں۔ اِس مال میں ہمارا بھی حِصّہ ہونا چاہیئے۔ اور جب کفّاروں کا غلبہ ہوتا۔ تو اُن سے یہ کہتے کہ تمہیں کامیابی اس لئے نصیب ہوئی ہے کہ ہم نے مُسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اگر ہم اُن کے دوش بدوش ہو کر تُم سے لڑتے۔ تو تمہیں کبھی فتح حاصل نہ ہوتی۔ ہم نے مسلمانوں کا ساتھ اس لئے چھوڑا تھا کہ تمہیں اُنکے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہو۔ لہٰذا جو کچھ لڑائی میں مال و دولت تمہیں ملی ہے۔ اسس میں ہمارا بھی حِصّہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس واقعہ کی خبر دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ پ۵ ع۱۷۔ اگر تمہاری فتح ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں۔ کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ اور اگر کافروں کو کامیابی حاصل ہو جائے تو اُن سے کہتے کہ اگر تُم مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک رہتے۔ تو کیا ہم تم پر غالب نہ آتے اور کیا ہم نے مسلمانوں کو تم پر کامیاب ہونے سے نہیں روکا۔ ظاہر ہے کہ منافقین نے مُسلمانوں سے جو کچھ کہا۔ وہ اُنکے رُو برو نہیں کہا۔ اور کُفّاروں کے ساتھ اُن کی گفتگو مُسلمانوں کی موجودگی میں نہ تھی۔ لہٰذا اسی پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کا جاننا۔ جبکہ خبر رسانی کا ذریعہ موجود نہ تھا۔ خدائی خبر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

۱۰۲۔۔۔(۱۲) توریت میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم اور سنگسار کرنا لکھی ہوئی تھی۔ لیکن علماء یہود نے شُرفاء اور دولت مندوں کے لئے توریت کے خلاف یہ سزا اپنی طرف سے تجویز کی۔ کہ زانی مرد عورت کا مُنہ کالا کر کے اُس کی بازار میں تشہیر کی جائے۔ اور دو چار کوڑے مار کر چھوڑ دیا جائے اور اِس حکم کو توریت کی طرف منسُوب کرتے اور رجم سے انکار کرتے تھے۔ اتفاقاً کسی زمانہ میں خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شریف مرد اور عورت نے زنا کیا۔ جس کی سب کو خبر ہو گئی۔ یہودی عُلماء نے اِن دونوں کا مقدمہ پیغمبر خدا

---

(۱) تفسیر ابوالسعود ص ۳۶ ج ۲ و تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۰۶۔

صلعم کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور یہ تاکید کی۔ کہ اگر وہ رجم کا حکم دیں۔ تو ہرگز نہ ماننا۔ اگر رُسوائی کی سزا تجویز کریں۔ تو چنداں مضائقہ نہیں ہے۔ جب ایک جماعت یہودیوں کی ان دونوں کو لے کر رسُول خُدا صلعم کی خدمتِ اقدس میں پہنچی اور آپ سے اس کے متعلق توریت سے فیصلہ چاہا۔ تو آپ نے اُن کو رجم اور سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ یہودیوں نے اُس کے ماننے سے انکار کیا۔ اور یہ کہا کہ توریت میں زانی کی یہ سزا نہیں ہے۔ اُس میں کالا منہ کرکے رُسوا کرنا زانی کی سزا لکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تُم ابنِ صوریا کو جو فدک میں رہتا ہے۔ جانتے ہو۔ یہودیوں نے جواب دیا۔ کہ ہم اُس کو اچھّی طرح جانتے ہیں۔ وہ یہودی مذہب کا زبردست عالم ہے۔ آج اِس سے بڑھ کر ہمارے مذہب کا جاننے والا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ رجم کا حکم توریت میں ہے یا نہیں۔ ابنِ صوریا کے پاس پہنچے۔ رسُولِ خُدا صلعم نے ابنِ صوریا سے کہا۔ تجھے اُس خُدا کی قسم جس نے مُوسیٰ علیہ السّلام پر توریت نازل فرمائی۔ بنی اسرائیل کو دریائے نیل سے نجات دی۔ اور فرعون کو غرق کیا۔ توریت میں شادی شُدہ زانی کی سزا کیا ہے۔ ابنِ صوریا نے جواب دیا۔ کہ ایسے مرد عورت کی سزا توریت میں رجم کرنا لکھی ہے۔ اِس کے خلاف جو کچھ سزائیں بنائی جاتی ہیں۔ وہ یہودیوں کی تجویز کردہ ہیں۔ خُدا کا حکم ہرگز نہیں ہے۔ جاہل یہودی ابنِ صوریا کے پیچھے لگ گئے اور اُس کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ ابنِ صوریا نے جو بات اُن سے کہی۔ وہ یہ تھی کہ میں توریت کی نشانیوں کی وجہ سے اچھّی طرح جانتا ہوں کہ نبی آخر الزّمان یہی ہیں۔ اگر میں ان کے سامنے جھُوٹ بولتا۔ تو فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ یہودیوں کی خُفیہ تحریف اور تبدیلی کی خبر دینا اور بغیر پڑھے یا کسی سے سُنے ہوئے یہ بتا دینا کہ توریت کا حکم رجم ہے۔ اور رُسوا کرنا زانی کی سزا توریت میں نہیں ہے۔ بغیر خُدا کی اطلاع کے نہیں ہو سکتا۔

۱۰۴ (۱۳۱) اہلِ کتاب کے سامنے قرآن عزیز کی سچائی پر تین چیزیں پیش کی گئیں۔ اوّلاً یہ کہا گیا۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ

---

[1] تفسیر ابوالسعود ج ۴ ص ۲۳۸۔

الَّذِیۡ ھُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ پ ۲۰ ع ۲۔ قرآن کریم بہت سی ایسی باتوں کو صاف اور واضح کر کے بیان کرتا ہے۔ جس میں بنی اسرائیل مدت سے اختلافات کرتے چلے آرہے تھے۔ اور حالت مشتبہ ہونے کی وجہ سے کوئی بات اُن پر ابھی تک واضح نہیں ہوئی تھی۔ جیساکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں یہود اور نصاریٰ دونوں جماعتیں مختلف رائیں رکھتی تھیں۔ یہود اُن کو جھوٹا اور نصرانی اُن کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ مگر قرآن نے اِن دونوں عقیدوں کی سخت مخالفت کی۔ اُن کو خدا کا بندہ اور برگزیدہ رسول بتایا۔ اُن کی ماں کو پاک دامن اور صدیقہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے مانا۔ یہ ایسا صاف اور کھلا ہوا عقیدہ تھا کہ اس زمانہ کے یہود و نصاریٰ اگرچہ زبانی اس کی صحت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ مگر ان کے دل اِس فیصلہ کی سچائی کو تسلیم کر رہے تھے۔ معتبر تاریخیں اور قدیم کتبے اس کی تائید میں تھے۔ اصلی توریت اور غیر محرّف انجیلیں اِس کی گواہ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسول خدا صلعم کی خدمت میں نجران سے آنے والے نصرانی علماء نے حضرت عیسٰیؑ کے متعلق اِس عقیدے کے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اور آپ نے اُن کو اس پر مباہلہ کی دعوت دی۔ اور یہ کہا کہ دونوں جماعتیں مل کر یہ دُعا کریں کہ جو فریق اپنے دعویٰ اور عقیدے میں جھوٹا ہو۔ وہ تباہ و برباد کر دیا جائے۔ تو علماءِ نصاریٰ اُس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اور قسم کے بدلے میں جزیہ اور ٹیکس سالانہ ادا کرنا منظور کر لیا۔[1] اسی طرح جب جعفرؓ بن طالبؓ حبش کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں پہونچے۔ جو مذہباً عیسائی ہونے کے علاوہ اپنے مذہب سے اچھی طرح واقف تھا۔ تو آپ نے نجاشی کی درخواست پر سورۃ مریم تلاوت فرمائی۔ اس سورۃ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق اسلامی عقیدہ کو کھول کر بیان کیا گیا تھا۔ اُس نے یہ ساری سورۃ سُننے کے بعد اِس امر کی تصدیق کی۔ کہ حضرت عیسٰی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔[2] پھر اس کے بعد پیغمبر خدا صلعم نے ایک گرامی نامہ نجاشی کے پاس بھیجا ہے۔ جس میں حضرت عیسٰی کے متعلق اسلامی

---

[1] ابن کثیر [2] تاریخ مروضۃ الصفا۔ ابن ہشام وغیرہ [3] ابن خلدون

عقیدہ کو بھی آپ نے ظاہر فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں نجاشی نے جو عریضہ رسول اللہ صلعم کی خدمت اقدس میں لکھا ہے۔ اس میں اس عقیدہ کے صحیح اور درست ہونے کا اس طرح اقرار کیا ہے۔ اما بعد فَقَدْ بَلَغَنِي كِتَابُكَ يَا رَسُولَ اللهِ فِيمَا ذَكَرْتَ مِنْ أَمْرِ عِيسَى فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَا نَزِيدُ بِالرَّأْيِ عَلَىٰ مَا ذَكَرْتَ إِنَّهُ كَمَا قُلْتَ يَا رَسُولَ اللهِ۔ آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ آسمان اور زمین کے رب کی قسم میں اس پر ایک حرف اپنی رائے سے بڑھانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اور وہ سب کا سب درست اور صحیح ہے۔ دوسری بات جو اہل کتاب کے سامنے قرآن کی سچائی میں پیش کی گئی وہ یہ تھی۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ پ ۶ ع ۷۔ تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آگیا۔ جس نے توریت وانجیل کی بہت سی وہ باتیں ظاہر کی ہیں۔ جن کو تم نے لوگوں سے چھپا لیا تھا۔ رسول خدا صلعم کے اوصاف اور نشانیوں کے علاوہ انہوں نے بہت سے احکام چھپا رکھے تھے۔ لوگوں کی امانتیں ہضم کر جاتے۔ اور ان سے قرض لے کر نہ دیتے۔ اور جب ان سے مطالبہ کیا جاتا۔ تو کہتے کہ دوسرے مذہب والوں کی امانتوں کے ادا کرنے کا توریت میں کوئی حکم نہیں ہے۔ بعض یہودی علماء نے زانی کی اصلی سزا کو توریت سے مٹا کر اس کی جگہ دوسری سزا لکھ دی۔ اور بعضوں نے رجم اور سنگسار کرنے کے لئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس مجلس میں عبداللہ بن سلام بھی موجود تھے۔ جو یہودی مذہب کے زبردست عالم اور مسلمان ہو چکے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ توریت میں زانی کی سزا سنگسار کرنا نہیں لکھی۔ فیصلہ کے لئے توریت منگائی گئی۔ جس صفحہ پر زانی کی سزا رجم لکھی ہوئی تھی۔ اس آیت پر یہودیوں نے ہاتھ رکھ لیا۔ عبداللہ رض بن سلام نے فرمایا کہ ہاتھ اٹھاؤ۔ جب ہاتھ اٹھایا تو اس میں

لہ ابن خلدون۔

وہی حکم لکھا ہوا تھا۔ جو حضور نے ارشاد فرمایا تھا۔ تیسری دلیل قرآن کی سچائی پر یہ تھی۔
وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ
يَدَيْهِ ۔ یہ مبارک کتاب جو ہم نے نازل کی ہے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی
ہے۔ یعنی جب اس میں بیان کردہ دینی اصول اور عقیدے پہلی آسمانی کتابوں کے
موافق ہیں اور جو تعلیم قدیم الایام سے انبیاء علیہم السّلام کی چلی آرہی ہے۔ یہ کتاب
اُسی کی مؤید اور تصدیق کرنے والی ہے۔ تو پھر انکار کی کیا وجہ ہے۔ یا جو باتیں پہلے نبیوں
کی تعلیم سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے بعد معلوم ہوتی ہیں۔ یا انبیاء علیہم السّلام
کے سوا کسی کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا۔ جب یہ کتاب ایسی علمی نکتوں اور پرانے تاریخی
حالات کی صحیح خبر دیتی ہے۔ تو اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں کیونکر شک ہو سکتا ہے۔
کیونکہ یہ حالات جس شخص کی زبان سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ ایک اَن پڑھ اُمّی محض
ہے۔ تعلیمی خوبیوں سے معرّا دُنیا کی تاریخوں سے بالکل بے خبر ہے۔ انبیاء کے حالات
بالکل صحیح اور درست بیان کرتا ہے۔ یہ بات بغیر تائید آسمانی اور خدائی خبر کے ایسے
شخص کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پہلی آسمانی کتابوں کی جن باتوں میں قرآن عزیز نے تصدیق
کی ہے۔ ہم آئندہ اس پر ایک مستقل باب میں تبصرہ کریں گے۔ یہاں صرف ایک
واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہودیوں[1] نے نبی عربی صلعم کی نبوّت کو جانچنے کے لئے آپس
میں مشورہ کیا۔ کہ ہم اِن سے ایسی تین باتوں کا سوال کرتے ہیں کہ جس کو نبی کے علاوہ
کوئی دُوسرا آدمی نہیں جانتا۔ اور یہ کہا کہ اگر انہوں نے دو باتوں کا جواب دے دیا
اور ایک بات کا صاف طور پر جواب
نہ دیا۔ تو یہ سچّے نبی ہیں۔ کیونکہ اللہ نے ایسی بات کا کسی کو بھی صحیح پتہ نہیں دیا۔ چنانچہ
یہ مشورہ کرنے کے بعد یہ لوگ پیغمبر خُدا صلعم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور
سکندر ذوالقرنین اور اصحابِ کہف کا قصّہ حضور سے پُوچھا۔ آپ پر وحی نازل ہوئی۔

---

[1] بیضاوی۔ ابوالسعود ج ۴ ص ۵۴۴۔

جس میں اِن دونوں کا قصہ مفصلاً ذکر کیا گیا تھا۔ تیسری بات جس کے متعلق انہیں جواب لینا نہیں تھا۔ وہ رُوح تھی۔ اِس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ۔ یہ لوگ روح کے بارے میں آپ سے سوال کرتے ہیں۔ ان سے کہدیجئے کہ رُوح امورِ الٰہیہ میں سے ایک امر ہے۔ اس میں رُوح کی حقیقت واضح کرکے بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ اُس کو مبہم رکھا ہے اور توریت میں بھی اِس کا ذکر مبہم ہی آیا ہے۔ اور یہودیوں نے جو آپ کے جانچنے کا معیار اپنی نظر میں مقرر کیا تھا۔ وہ پُورا ہوُا۔ اور آپ کا بغیر پڑھے اور کسی سے سُنے ہوئے پہلی آسمانی کتابوں کے موافق سکندرِ اعظم اور اصحابِ کہف کا صحیح قصہ بیان کر دینا اس کتاب کے کلامِ الٰہی ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

۱۰۴ــــ (۱۴۱) ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافقین کی ایک جماعت نے اپنی مجلس میں پیغمبرِ خُدا صلعم کی شان میں گستاخی کی۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔ مبادا ان باتوں کی آپ کو اطلاع نہ ہو جائے۔ جلاس بن سوید منافق بولا کہ اگر اُن کو خبر ہوگئی۔ تو ہم قسمیں کھالیں گے۔ اور وہ قسموں کا اعتبار کرلیا کرتے ہیں۔ رسُول اللہ صلعم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی۔ اور آپ پر اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ پ۱۰ ع۱۴۔ منافقین کی ایک جماعت رسُول اللہ کو ایذا اور تکلیف دیتی ہے۔ اور پھر کہتی ہے کہ وہ کانوں کے کچے ہیں۔ جب ہم اُن سے اپنا بری ہونا ظاہر کریں گے تو وہ فوراً اُس کا اعتبار کرلیں گے۔ ظاہر ہے کہ منافقین نے نبی کریم صلعم کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ مُسلمانوں کے سامنے ہرگز نہیں کہا۔ اس لئے رسُول اللہ صلعم کا ایسی چھُپی ہوئی بات سے واقف ہو جانا۔ خُدا تعالیٰ کے اطلاع بغیر ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے جلاس بن سوید اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اپنی خطاء پر نادم ہوُا اور سچّا مُسلمان بن گیا۔

---

[۱] ابوالسعود ج ۶ صہ ۵۸۴ [۲] تفسیر کبیر صہ ۴۶۵۔

۱۰۵۔ (۱۵) تبوک سے واپس آتے ہوئے منافقین کی ایک جماعت نے جن کی تعداد ۱۴ یا ۱۵ تھی۔ رات کے وقت اندھیرے میں نبی کریم صلعم پر حملہ کرنا چاہا۔ اور وہ اس ناپاک ارادے سے رات کے وقت کپڑا مُنہ پر لپٹے ہوئے پہاڑ کی ایک گھاٹی سے نکلے۔ مگر عمار بن یاسر حضور کے اُونٹ کی مُہار پکڑے ہوئے۔ اور حذیفہؓ آپ کی سواری کو پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ حذیفہ نے اپنے پیچھے اونٹوں کے پاؤں کی رفتار اور ہتھیاروں کی جھنکار سُنی۔ تو اِدھر متوجہ ہوئے۔ دیکھا کہ کچھ آدمی مُنہ چھپائے حضور کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ حذیفہ نے للکار کر ڈانٹ بتائی۔ منافقین اُن کی آواز سُنتے ہی بھاگ گئے۔ اور مسلمانوں میں جا ملے۔ آپ نے حذیفہ سے پُوچھا کہ تُم نے اِن لوگوں کو پہچانا ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ نہیں۔ قرآن میں یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہ حملہ کرنے والے آپ کے لشکر کے منافقین تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی۔ هَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا پ۱۰ع۱۶ منافقین نے ایسی باتوں کا ارادہ کیا تھا۔ جس کو وہ حاصل نہیں کر سکے۔

ایک[1] روائیت میں ہے کہ خُدا کے فرشتہ جبرئیل نے اِن لوگوں کے نام رسُول اللہ صلعم کو بتا دیئے تھے۔

باوجودیکہ مسلمانوں ہی کے لشکر میں سے جن پر پُورا اعتماد تھا۔ ایک جماعت آپ پر حملہ کرنا چاہتی تھی۔ اور آپ کا ساتھی اُن کی شناخت بھی نہ کر سکا۔ لیکن وثوق اور پُختگی کے ساتھ یہ خبر دی جاتی ہے کہ حملہ آور آپ کے ہمراہی منافقین تھے۔ اور ایک طرف سے سوائے سکوت اور اظہار ندامت کے اس کی تردید بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے معلوم ہوُا کہ اُن کے متعلق جو کچھ خبر دی گئی۔ وہ بالکل صحیح تھی اور مسلمانوں کو وحی کے نازل ہونے سے پہلے حملہ آوروں کا بالکل علم نہ تھا۔ وحی نازل ہونے کے بعد اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ آئیت کے نازل ہونے تک خاموش رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ ازیں حذیفہ نے شناخت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور حملہ آور نبی علیہ السّلام کے سامنے تک نہیں آئے تھے۔ جو وہ پہچان لیتے۔ اس لئے اس واقعہ کی اطلاع دینے

---

[1] تفسیر کبیر ص۴ ۔ ابن کثیر

والا خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دُوسرا نہیں ہو سکتا۔

۱۰۶ (۱۶) سنہ ۹ھ کے شروع میں طائف سے واپس ہونے کے بعد رسُولِ خُدا صلعم نے چند ماہ مدینہ میں قیام فرمایا۔ زمانہ قیام میں رُوم کے بادشاہ ہرقل کیطرف سے آپ کو یہ خبریں پہونچنے لگیں کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

آپ نے ان خبروں سے متاثر ہو کر رجب سنہ ۹ھ میں رومیوں پر جہاد کرنے اور حملہ کی تیاری کا حکم دیا۔ گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ کھجوروں کی فصل تیار تھی۔ سفر دور دراز کا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی حالت نہائیت درجہ ضعیف اور کمزور اور مقابلہ میں ایک بڑا زبردست اور طاقتور دُشمن سامنے تھا۔ یہ اسباب قدرتی طور پر ایسے جمع ہو گئے تھے۔ جو اس جنگ میں شریک ہونے سے روک رہے تھے۔ منافقین اُن مصیبتوں کی وجہ سے خصوصًا اس خیال سے کہ قوی دُشمن سامنے ہے۔ اس لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے عدم استطاعت اور شرکت کی طاقت نہ رکھنے کا بہانہ کر کے رسُولِ خُدا صلعم سے گھر رہنے کی اجازت حاصل کرلی۔ رسُول اللہ صلعم مسلمانوں کو لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ اور دو مہینہ تک مدینہ سے غائب رہے۔ پیچھے منافقین نے آپ کے ساتھ نہ جانے پر خوشی کی۔ اور یہ کہا کہ اس جنگ میں شریک ہونے سے سوائے گرمی میں مرنے اور جان و مال کا نقصان کرنے کے کچھ حاصل نہ تھا۔ اس لئے اچھا ہُوا کہ ہم اس میں شریک نہ ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رسُول کو اس واقعہ کی خبر دی اور یہ آئیت نازل فرمائی۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ پ۱۰ ع۱۷۔

منافقین جہاد میں شریک نہ ہونے سے رسول اللہ صلعم کے ساتھ جانے سے لوگوں کو

لہ ابن خلدون۔ تفسیر کبیر ج۴ صہ ۴۳۶۔

رد کا۔ منافقین یہ باتیں اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ رسُول اللہ صلعم کو اِس واقعہ کی خبر دینے والا خُدا کے سوا کون تھا۔

اس واقعہ کے صحیح ہونے کی اس بات سے تائید ہوتی ہے۔ کہ جب نبی اکرم صلعم سفر سے واپس تشریف لائے۔ اور منافقین کو اس بات کا علم ہوا کہ ہم نے جو باتیں آپس میں بیٹھ کر کی تھیں۔ اُس کی خبر مسلمانوں کو ہو گئی ہے تو اُنہوں نے رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں آکر قسم کھائی۔ کہ ہمارا جنگ میں شریک نہ ہونا محض اسی وجہ سے تھا۔ کہ ہم لڑائی میں جانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جب قرآن نے یہ راز بھی فاش کر دیا۔ اور صاف طور پر بتا دیا کہ یہ لوگ جھوٹی قسم کھا رہے ہیں۔ اور حقیقت میں اُن کے شریک نہ ہونے کی وہ وجہ تھی۔ جو بیان کی گئی تو اُن کو سخت ندامت ہوئی۔ اور انہوں نے معذرت کے طور پر کہا کہ اگر اب کوئی جنگ، ہو گی تو ہم ضرور شریک ہوں گے۔ جیسا کہ اُس کی اگلی آئیت سے ظاہر ہے۔

منافقین کا ندامت کے بعد دوسری جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار ہونا اس بات کو بتا رہا ہے۔ کہ اُنہوں نے ابھی تک لڑائی میں شریک نہ ہونے پر جو عذر طاقت نہ رکھنے کا بیان کیا تھا۔ وہ سراسر جھوٹ اور غلط تھا۔ کیونکہ اگر اُن کا یہ عذر صحیح تھا تو تھوڑی دیر بعد وہ عذر کہاں جاتا رہا۔ اور اُن کو جنگ میں شریک ہونے کی طاقت کس جگہ سے حاصل ہو گئی۔ جو وہ آئندہ لڑائی میں جانے کے واسطے تیار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوُا کہ اُنہوں نے عدم استطاعت کا جو عذر کیا تھا۔ وہ غلط تھا۔ اور جو قرآن نے خبر دی تھی۔ وہ بالکل صحیح اور دُرست تھی

۱۰۷ـــ(۱۷) مدینہ میں رسُول اللہ صلعم کی تشریف آوری سے پہلے ایک شخص ابو عامر نامی عیسائی مذہب کا راہب یا تارک الدنیا رہتا تھا۔ لوگ اُس کی عزت کرتے۔ اور ہر وقت اُس کی خدمت گذاری میں رہتے تھے۔ جب پیغمبر خُدا صلعم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ تو لوگوں نے ابو عامر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور کوئی شخص اُس کی مجلس میں نہ جاتا۔ اُس کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ اور اُس نے

اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ جب تک رسُول خدا صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ سے نہ نکالوں گا۔ چین سے نہ بیٹھوں گا۔ وہ یہ خیال لے کر مدینہ سے نکلا اور کچھ عرصہ تک وہاں سے غائب رہا۔ لیکن جب ۳ھ میں اہلِ مکّہ اور مسلمانوں کے درمیان اُحد کی لڑائی ہوئی۔ تو ابو عامر کافروں کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد وہ ہر جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ پر آتا رہا۔ یہاں تک جب ۸ھ میں اہل ہوازن کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو اُس نے ارادہ کیا کہ ملک شام جا کر رُوم کے بادشاہ ہرقل سے مدد لے اور بہت سی فوج ہمراہ لاکر مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرے۔

شام کی طرف جانے سے پہلے بعض منافقین کو جو قبا میں رہتے تھے۔ کہلا بھیجا کہ تُم مسجد کے نام سے ایک مکان تیار کرد۔ اور میں شام سے فوج لینے کے واسطے جا رہا ہوں۔ میں تُم سے واپسی کے بعد اسی مسجد میں ملوں گا۔ میرے ساتھ چند آدمی اور بھی ہوں گے۔ ہتھیار اور لڑائی کا دُوسرا سامان جس قدر تُم سے ہو سکے۔ وہ اپنے پاس جمع رکھنا۔ اس اطلاع کے بعد منافقین نے جن کی تعداد ۱۲ آدمی تھی۔ مسلمانوں کی مسجد کے پاس ایک اور مسجد کی بُنیاد رکھی۔ جب وہ بن کر تیار ہو گئی۔ تو منافقین رسُول اللہ صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور یہ عرض کی۔ کہ مسجد بالکل مکمل ہو گئی ہے۔ آپ برکت کے لئے ایک مرتبہ نماز ادا فرما دیں۔ پھر عام مسلمانوں کو اس نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاوے گی۔ منافقین رسُول خدا صلعم سے نماز اس مسجد میں اس لئے ادا کرانا چاہتے تھے۔ کہ مسلمانوں کو اُن کی نسبت کسی قسم کی بدگمانی نہ رہے۔ اور وہ اُن کی طرف سے بالکل غافل اور بے پرواہ ہو جائیں۔

جب اُن سے پُوچھا گیا۔ کہ ایک مسجد کی موجودگی میں تُم نے دُوسری مسجد بلا ضرورت کیوں بنائی۔ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اندھیرے میں بارش اور سردیوں کی راتوں میں وہاں جانا مشکل تھا۔ دوسرے اگر کوئی مسافر آجاتا۔ تو اُس کو ٹھہرنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ اس لئے یہ مسجد بنائی گئی۔ تاکہ ایسی ضرورتوں کے وقت کام آئے۔

جب منافقین نے حضور کی خدمت میں یہ عرض کی. تو آپ اس وقت غزوہ تبوک کیلئے جارہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ واپسی کے بعد تمہاری مسجد میں نماز ادا کی جاوے گی۔ ابھی تک مسلمانوں کو حقیقت حال کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ ان کو سچا سمجھ رہے تھے۔ لیکن جب قرآن میں اس راز کو فاش کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ تو مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۲ع پ۱۱

یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے مسجد مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور کفر کو پھیلانے۔ مسلمانوں کے درمیان جدائی ڈالنے اور اس شخص کے لئے ٹھہرنے کی جگہ بنائی ہے۔ جو ابتک خُدا اور اُس کے رسول سے لڑائی کرتا رہا ہے۔ اگرچہ وہ اس بات کی قسم کھائیں گے کہ ہم نے یہ مسجد اللہ کا ذکر کرنے اور نیکی کے کاموں کے واسطے بنائی ہے مگر حق تعالیٰ گواہی دیتا ہے۔ کہ یہ لوگ اس دعوے میں بالکل جھوٹے ہیں۔

جب رسُول اللہ صلعم اس آیئت کے نازل ہونے کے بعد تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے چند مسلمانوں کو بھیجکر اس مسجد کو گرانے اور اُس کے سامان کو جلانے کا حکم فرمایا۔ اس آیئت کے نازل ہونے سے پہلے پیغمبر خُدا صلعم کو اس واقعہ کے متعلق بالکل اطلاع نہ تھی۔ اگر آپ کو اس کا علم ہوتا۔ تو آپ اس میں نماز پڑھنے کا وعدہ کبھی نہ کرتے۔ اور اسی وقت مسجد کے گرا دینے کا حکم صادر فرما دیتے۔ نیز مسلمانوں کے پاس اس خبر سے واقف ہونے کا کوئی ظاہری ذریعہ بھی موجود نہ تھا۔ اس لئے معلوم ہؤا کہ رسول خُدا صلعم کو اس واقعہ کی اطلاع دینے والا خُدا کے سوا کوئی دُوسرا نہیں تھا۔

۱۰۸ـــ (۱۸) قبا کی وہ مسجد جو مخلص اور دیندار مسلمانوں نے بنا رکھی تھی۔ اس مسجد کے نمازیوں کی تعریف میں یہ آیئت نازل ہوئی۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا۔ پ۱۱ ع۲۔ اس مسجد کے نمازی پاکی کو پسند کرتے ہیں۔ اس

آئت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر خدا صلعم مہاجرین کے ساتھ قبا تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر اس مسجد کے نمازیوں سے یہ بات پوچھی کہ تم وضو نہیں کیا کرتے ہو۔ جو خدا تعالےٰ تمہاری تعریف کر رہا ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ ہم ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ڈھیلے سے صاف کر کے پانی کے ساتھ استنجا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بس تعریف کرنے کی یہی وجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ قبا والوں کا حال انہی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتا تھا۔ اگر انہوں نے اس آئت کے نازل ہونے سے پہلے حضور کو اسی واقعہ کی خبر دی ہوتی۔ تو آپ کا دریافت حال کے لئے قبا تشریف لانا اور اُن کا حقیقت حال سے آپ کو مطلع کرنا۔ بالکل لغو اور مہمل ہوتا۔ اس سے معلوم ہؤا کہ یہ خبر بھی خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے۔

۱۰۹ (۱۹) علم الٰہی کی وُسعت اور اس کے پھیلاؤ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن شریف میں مختلف صورتیں اختیار کی گئیں۔ کہیں کہا گیا۔ مَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ۔ خدا تعالیٰ پر زمین آسمان کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ کسی جگہ یہ کہا گیا۔ وَاِنَّ رَبَّکَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُھُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ جو کچھ وہ اپنے دل میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ اور جو بات ظاہر کرتے ہیں۔ تیرا پروردگار ان سب باتوں کو جانتا ہے۔ ایک جگہ ذکر ہؤا۔ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ وہ دلوں کے بھیدوں سے باخبر ہے۔ نیز ارشاد ہوا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ جو بات وہ چھپاتے ہیں۔ یا ظاہر کرتے۔ اللہ سبحانہٗ پر وہ سب باتیں روشن ہیں۔ ایک جگہ یہ فرمایا۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ۔ وہ اُن کی اگلی اور پچھلی باتوں کو جانتا ہے۔ کوئی شخص اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی فرمایا گیا۔ اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ خواہ تم کسی بات کو چھپا کر رکھو۔ یا ظاہر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ غرض اس طرح کی آئتیں ایک نہیں سینکڑوں

قرآن عزیز میں موجود ہیں۔ جن کا علم اپنے اور بیگانہ دونوں کو مساوی طور پر حاصل ہے۔
علم الٰہی کی ان خصوصیات کو جاننے کے بعد ہر شخص اس بات سے بھی واقف ہے کہ
محمدؐ عربی صلعم اپنا تعلق اسی ذات کے ساتھ بتاتے ہیں۔ جس کو قرآن میں غیبوں کا
جاننے والا اور تمام کا رازدان کہا گیا ہے۔ جس سے زمین آسمان کی کوئی چیز چھپی ہوئی
نہیں ہے۔ ان دونوں دعووں کے بعد قرآن کی صداقت اور اُس کی سچائی کا دریافت
کرنا ایک عقلمند انسان کے لئے نہایت درجہ سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ
اگر قرآن مجید میں دلوں کے حالات اور راز کی باتیں مخالفین کے خُفیہ مشورے
آئندہ کے واقعات کے متعلق ایسی خبریں دی گئی ہیں۔ جن کا کبھی خلاف نہیں ہُوا۔
وہ یقیناً خُدا کا فرستادہ اور پیغامبر اور وہ کلام جس میں اس قسم کی خبریں دی گئیں۔
وہ خُدا کا کلام ہے۔ ورنہ یہ دعوٰی سماعت کے قابل نہیں رہے گا۔

لیکن جب دیکھا جاتا ہے کہ اس طرح کی خبریں قرآن عزیز میں ایک نہیں بلکہ
بہت سی ہیں۔ جن کا انکار اس وقت کی مخالف جماعتوں سے بھی نہیں ہو سکا۔
تو منصف مزاج انسان کو قرآن کی صداقت اور آپ کے سچے رسُول ہونے میں
ذرّہ برابر شک نہیں رہتا۔

۱۱۰۔۔۔ (۲۰) جب رسول اللہ صلعم پر حق ظاہر ہُوا اور آپ دُنیا میں سچائی پھیلانے کے
واسطے خُدا کی طرف سے مامور ہوئے۔ تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو کھانا تیار
کرنے کا حکم فرمایا۔ اور سرداران قریش کی دعوت کی۔ جب وہ لوگ کھانے سے
فارغ ہو گئے۔ تو آپ نے قرآن عزیز کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ اور توحید کیطرف
بُلاتے ہوئے۔ یہ فرمایا۔ قولوا لا الٰہ الا اللہ حتّیٰ تطیعکم العرب
وتدین لکم العجم۔ اگر تم نے یہ مان لیا کہ خُدا کے سوا کوئی دُوسرا معبود
نہیں ہے تو عرب اور عجم تمام تمہارے مطیع و فرمانبردار بن جائیں گے۔ مگر اس
وقت آپس میں کچھ سرگوشی کی تھی۔ لیکن جو بات آپ کی تقریر ختم ہونے کے
بعد اُن کی زبان سے نکلی۔ وُہ یہ تھی کہ ہم خُدا کو ایک ماننے کے واسطے تیار نہیں ہیں۔

[1] تفسیر کبیر ج ۵ صہ ۴۰۷۔

حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اُن کی سرگوشی اور مشورے سے مطلع کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا پ۱۵ ع۵۔ خُدا تعالیٰ اس وقت سُن رہا تھا۔ جب وہ آپ کے متعلق آپس میں یہ مشورہ اور سرگوشی کر رہے تھے کہ اس شخص پر جادُو کا اثر ہے۔ اس کی پیروی کرنا مُناسب نہیں ہے۔

اگر انہوں نے یہ بات رسُول خُدا صلعم کے مُنہ پر کی ہوتی۔ تو اُس کو نجوی یعنی سرگوشی اور مشورے کے ساتھ کبھی تعبیر نہ کیا جاتا۔ ورنہ مخالفین کو قرآن پر اعتراض کرنے کا بہترین موقعہ ہاتھ آجاتا۔ اور کسی کی سرگوشی سے ظاہری اطلاعات کے بغیر واقف ہونا خدائی خبر کے سوا دوسرے طریقے سے ناممکن ہے۔

۱۱۱ (۲۱) سنہ ۶ھ میں غزوۂ بنی المصطلق سے واپس آتے ہوئے رسُول اللہ صلعم نے راستہ میں ایک جگہ قیام فرمایا۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضؓ اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ رات کے آخری حِصّہ میں آپ نے قافلہ کو کوچ کا حُکم دیا۔ اور لوگ روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔ اُس وقت حضرت عائشہ رضؓ کو انسانی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ ذرا فاصلہ سے قضاءِ حاجت کے لئے بیٹھ گئیں۔ حضرت عائشہ رضؓ اپنی بہن اسماءؓ سے عاریۃً ہار مانگ کر لائیں تھیں۔ جب وہ ضرورت سے فارغ ہوئیں۔ اور گلے پر ہاتھ ڈالا۔ تو ہار موجود نہ تھا۔ خیال ہُوا کہ یہیں بیٹھے ہوئے گر گیا ہے۔ اسلئے اسکو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اِس کے تلاش کرنے میں معمولی دیر ہو گئی۔ پیچھے قافلہ والوں نے آپ کا کجاوہ اُٹھا کر اُونٹ پر رکھدیا۔ اور یہ سمجھا کہ عائشہ رضؓ ہودج میں بیٹھی ہوئی ہیں۔

چونکہ عائشہ صدیقہ رضؓ بدن کی ہلکی تھیں۔ اِس لئے کجاوہ اُٹھانے والے کو دھوکا لگ گیا۔

لہ تاریخ ابن کثیر۔ سیرۃ ابن ہشام۔ بخاری ج۲ زاد المعاد۔

حضرت عائشہ جب اپنی جگہ واپس آئیں اور دیکھا کہ قافلہ چلا گیا۔ تو وہ اُسی جگہ ٹھہر گئیں۔ تاکہ تلاش کرنے والا پریشان نہ ہو۔ اور وہ اِس جگہ سے آکر لے جائے۔ رات کا آخری حصہ تھا۔ صُبح ہونے والی تھی۔ حضرت عائشہ کی آنکھ لگ گئی۔

صفوان بن معطل سلمی جو دیکھ بھال اور گری پڑی چیز کو اُٹھانے کے واسطے قافلہ سے پیچھے روانہ ہُوا کرتے تھے۔ وہ صُبح سویرے اس جگہ پہنچے جہاں عائشہ صدیقہ سوئیں تھیں۔ صفوان نے اُن کو دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہ پڑھی۔ اور اپنا اُونٹ عائشہ کے سوار ہونے کے لئے بٹھا دیا۔ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں۔ صفوان کے اِنَّا لِلّٰہ پڑھنے سے مری آنکھ کھُل گئی۔ اور میں اُونٹ پر سوار ہوگئی۔ صفوان بن معطل اُونٹ کی مُہار پکڑ کر پیدل چلنے لگے اور تقریبًا ۱۱ بجے دُوسرے پڑاؤ پر مسلمانوں سے جا ملے۔

عبداللہ بن ابی منافق اسی سفر میں مسلمانوں کے ہمراہ تھا۔ اُس نے عائشہ صدیقہ رضؓ پر بدگمانی کی۔ اور اُن پر عیاذًا باللہ زنا کی تہمت لگائی۔ مسلمانوں میں سے مسطح اور حسان بن ثابت اُس کے ساتھ ہوگئے۔ رسُول خُدا صلعم کو یہ بات سُن کر سخت رنج ہُوا۔ آپ نے مدینہ منورہ پہنچ کر مختلف لوگوں سے حضرت عائشہ کے متعلق حالات دریافت کئے۔ سب نے اُن کو نیک اور پاکدامن بتایا۔ اِس کے بعد آپ نے لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمایا کہ میں نے جہاں تک تحقیق کی۔ عائشہ عفیفہ اور نیک ہی معلوم ہوئی۔ اور صفوان بھی نیک اور متقی آدمی نظر آتا ہے۔ جس شخص نے میری اہل کی نسبت بدزبانی کی ہے۔ اور مجھے صدمہ پہنچایا ہے۔ اُس نے اچھّا نہیں کیا۔ اس واقعہ کو اسی طرح ایک مہینہ گذر گیا۔ اور وحی نہ آئی۔ نہ اس عرصہ میں اصلیت کا پتہ چلا۔ اور نہ تہمت لگانیوالوں کے جھُوٹ اور سچ کی حقیقت معلوم ہو سکی۔

حضرت عائشہ رضؓ سفر سے واپس آکر بیمار ہوگئیں۔ اور ایک مہینہ تک بیمار رہیں۔ بیماری کے زمانہ میں آپ کو تہمت وغیرہ کا مطلقًا علم نہ ہُوا۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسُول خُدا صلعم مجھ سے بات نہ کرتے تھے۔ میں حیران تھی۔ کہ اُن کے ناراض ہونے کی کیا وجہ ہے۔ جب میں تندرست ہوگئی تو مسطح کی ماں کی زبانی اس واقعہ

کی اطلاع ہوئی۔ عائشہ صدیقہ نے جب یہ واقعہ سُنا۔ تو سخت صدمہ ہؤا۔ رات دن رونے میں کٹتا۔ حضور سے اجازت لے کر میکے یا باپ کے گھر چلی گئیں۔

ایک دن رسُول اللہ صلعم ابوبکر کے مکان پر تشریف لائے۔ اور عائشہ سے سے فرمانے لگے۔ کہ عائشہ رضؓ اگر کوئی گناہ تجھ سے سرزد ہوگیا ہے۔ تو خدا سے معافی مانگ لے۔ وہ خطاؤں کا بخشنے والا اور اُن سے درگذر کرنے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ نے کہا کہ میں ہرگز توبہ نہ کروں گی۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں۔ اگر میں انکار کرتی ہوں تو تم لوگ ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے۔ اس لئے میں صبر کرتی ہوں۔ اور اپنا معاملہ خدا پر چھوڑتی ہوں۔ ابھی تک رسُول خدا صلعم اپنی جگہ سے اُٹھنے بھی نہیں پائے تھے۔ کہ آپ کے چہرہ مُبارک پر وحی نازل ہونے کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہؤا۔ تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ تجھے بشارت اور خوشخبری ہو کہ اللہ سبحانہٗ نے تجھے بری کر دیا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ پ ۱۸ ع ۹۔

بے شک جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے۔ وہ تمہارے ہی میں سے ایک جماعت ہے۔ تم اُس کو اپنے لئے شر اور بُرائی نہ سمجھو بلکہ اس میں تمہارے واسطے خیر اور بھلائی ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے گناہ کمایا ہے۔ اور جو اس بہتان طرازی اور جھوٹ کا بانی مُبانی ہے۔ اُس کے واسطے سخت عذاب ہے۔ رسُولِ خدا صلعم کا اس معاملہ میں ایک مہینہ تک متحیّر اور پریشان رہنا۔ اور باوجود ایک غیرت مند انسان ہونے کے اتنی مدّت لوگوں کی زبان سے لغو اور بے ہودہ باتیں سُننا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کہ قرآن محمد صلعم کا بنایا ہؤا نہیں ہے۔ ورنہ اتنی دیر تک خاموش رہنے اور منافقین کی باتوں سے پریشان ہونے اور رنج سہنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر ایک مہینہ تک عائشہ رضؓ سے ناخوش ہو کر بولنا۔ اور اس معاملہ میں متردّد رہنا۔ اور وحی نازل ہونے کے

بعد دفعتہً خیال میں زبردست تبدیلی پیدا ہو جانا بتا رہا ہے کہ یہ غیر معمولی تغیّر اسی لئے ہوا کہ وحی الٰہی نے ظاہر ہو کر سچے اور جھوٹے کا فیصلہ قطعی طور پر کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ الزام لگانے والوں سے ثبوت مانگا گیا۔ تو وہ اس کے پیش کرنے سے عاجز ہو گئے۔ بلکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی۔ وہ عورت کے پاس جانے کے قابل ہی نہ تھا۔

اس کے بعد حسّان بن ثابت کو جو اس واقعہ میں تہمت لگانے والوں کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور حضرت عائشہؓ کی شان میں یہ شعر کہا۔

شعر ~ حصان رزان ماتزنّ بریبۃٍ۔ وتصبح غرثیٰ من لحوم الغواغل۔

عائشہ صدیقہؓ پاکدامن اور کامل عقل والی عورت ہیں۔ جن پر کسی قسم کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ اور نہ وہ کسی عفیفہ اور پاکدامن عورت کی بُرائی کرتی ہیں۔

۱۱۲ (۲۲) غزوۂ خندق[1] میں قریش۔ غطفان۔ یہود قریظہ۔ اور بنو نضیر یہ چار قبیلے جن کی تعداد ۱۲ ہزار تھی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مدینہ پہنچے۔ اور جاتے ہی مدینہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ مسلمان اُن کی قوّت کو دیکھ کر گھبرا اُٹھے۔ اور اُن کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ مسلمان حوائج ضروریہ کے لئے اپنے مورچوں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ رات کو کسی وقت انسانی ضرورتوں سے فارغ ہوتے۔ اِسی غزوۂ میں کئی وقت تک مسلمان بھوکے رہے۔ پیٹوں پر پتھر باندھتے۔ جب مسلمانوں کی حالت اس درجہ غیر ہو گئی۔ تو منافقین[2] نے آپس میں کہا کہ محمد عربی صلعم رُوم اور فارس کے فتح ہونے کی جو کچھ خبریں دیتے ہیں۔ وہ سب دھوکا ہے۔ مسلمانوں کا آج ہی فیصلہ ہو جانے والا ہے۔ اُن کو اتنی مُہلت ہی نہ ملے گی۔ جو وہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر ہاتھ ڈال سکیں۔ قرآن میں منافقین کی اُن خفیہ باتوں اور پوشیدہ گفتگو کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا پ ۲۱ ع ۱۸۔ منافقین اور ضعیف العقیدہ لوگوں نے مخالفین کی کثرت کو دیکھ کر کہا کہ

[1] بیضاوی صہ ۱۶۱ ج ۲ — [2] بیضاوی

اللہ اور اُس کے رسُول نے فتح و نصرت کے وعدے کر رکھے ہیں۔ وہ سب دھوکا اور فریب ہے۔ منافقین کی یہ بات ایسی نہ تھی۔ جو مسلمانوں کے سامنے کہی جاتی۔ یقیناً اُنہوں نے خفیہ طور پر اپنی مجلس میں کہی۔ مسلمانوں کے رُوبرو ہرگز نہیں کہی۔ پھر رسُول اللہ صلعم کو اس بات کی اطلاع خُدا تعالیٰ کے بتائے بغیر کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ یہ خبر بھی خُدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۱۱۳ــــ(۲۳) اسی غزوہ میں جب مخالفین کا زور ہُوا۔ اور مسلمانوں کی پریشانی بڑھی تو منافقین کی ایک جماعت نے مسلمانوں سے الگ ہونا چاہا اور یہ بہانا کیا کہ ہمارے گھر اکیلے اور غیر محفوظ ہیں۔ ڈر ہے کہ مخالفین کوئی دستہ فوج کا اُدھر متوجہ کر دیں۔ اور وہ ہمارے اہل و عیال کو مار ڈالے۔ اِس لئے ہمیں گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ منافقین کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا پ۲۱ ع۱۸۔ منافقین کی ایک جماعت گھر کے اکیلے اور غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے رسُول اللہ صلعم سے چلے جانے کی اجازت مانگتی ہے۔ اُن کے گھر ہرگز غیر محفوظ نہیں ہیں۔ وہ بھاگنا چاہتے ہیں۔ جب مدینہ کے گرداگرد خندق کھودی ہوئی تھی۔ اور مدینہ بوجہ خندق کے دُشمنوں کی زد سے محفوظ تھا۔ تو منافقین کا مکانات کے اکیلے ہونے کا عذر کرنا بالکل جھوٹ بات تھی۔ اس کے علاوہ جب اُن کے عذر کا جھوٹ ہونا ظاہر کیا گیا۔ تو وہ اُس کی تردید نہ کر سکے۔ باوجودیکہ اُن کا اس معاملہ میں اپنی صفائی پیش کرنا بہت آسان اور سہل امر تھا۔ صرف ہاتھ پکڑ کر اپنے گھروں کا غیر محفوظ ہونا ہی دکھانا پڑتا تھا۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ قرآن نے اُن کے متعلق جو خبر دی تھی۔ وہ بالکل سچی تھی۔ اور اصلیت کا علم رسُول اللہ صلعم کو بذریعہ وحی کے ہُوا۔

۱۱۴ (۲۴) جب[1] منافقین نے اس غزوہ میں کفاروں کا غلبہ دیکھا۔ تو ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو اور آپس میں ایک دوسرے کو مسلمانوں کی مدد سے رد کنے لگے۔ اور

---

[1] بیضاوی ج۲ صہ ۱۶۲۔

کہنے لگے کہ مسلمان ان مخالف قبیلوں کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک نہیں لڑ سکتے۔ یعنی تمہیں اُن کے ساتھ شریک ہو کر اپنی جان گنوانا بیکار اور فضول ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی اس حرکت سے مسلمانوں کو مطلع کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا پ۲۱ ع۱۸۔ اللہ تعالیٰ اُن کو خوب جانتا ہے۔ جو جنگ میں شریک ہونے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور اُن کو اپنی طرح گھروں میں بٹھانا چاہتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ مسلمان اِن جماعتوں کا مقابلہ دیر تک نہیں کر سکتے۔ منافقین کا جنگ میں جانے سے روکنا۔ اور مسلمانوں کی نسبت کہنا۔ رسول اللہ صلعم کے رُو برُو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جب یہ بات خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔ اگر کوئی آدمی اس خبر کا پہنچانے والا ہوتا۔ تو وہ ضرور اُس کو پیش کر کے اس خبر کے آسمانی ہونے کو جھٹلا سکتے تھے۔

۱۱۵ــــ(۲۵) جب منافقین کا کسی سے جھگڑا ہو جاتا۔ اور حق فریق مخالف کی طرف ہوتا۔ تو وہ اُس کا فیصلہ کرنے کے لئے نبی کریم صلعم کی خدمت میں نہ آتے۔ اور اپنے مخالف کو مجبور کرتے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلہ کے واسطے کسی اور کے پاس لے جائے اور اگر حق ان کی جانب ہوتا۔ تو پھر رسول اللہ صلعم انکے حق کے خلاف کبھی نہیں کریں گے۔ اس لئے نفع کی اُمید میں اُن کی طرف دوڑتے۔ اور جب نقصان کا خطرہ ہوتا۔ تو آپ سے کوسوں بھاگتے تھے۔

جب اِس حرکت پر قرآن میں اُن کی مذمت کی گئی۔ تو وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ یا رسُول اللہ خدا تعالیٰ کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم اپنے گھروں سے نکل جائیں یا اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ دیں اور مال و دولت پر لات مار کر الگ ہو جائیں۔ تو ہم آپ کے حکم کی فوراً تعمیل کرنے میں ذرا دیر نہ کریں اور اگر آپ جہاد کے لئے بلائیں۔ تو ہم سب اُس میں شریک ہونے کے لئے تیار ہیں۔ مگر قرآن نے خبر دی کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ کو دھوکا اور فریب دینا چاہتے ہیں وہ ہرگز اِن باتوں کو پورا

---

[1] تفسیر کبیر ج ۶ صہ ۳۰۰۔

کرنے کے واسطے دل سے تیار نہیں ہیں۔ اور اُن کے اس جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ پ ۱۸ ع ۱۳۔ منافقین بڑی پختہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جس کام کیواسطے آپ ہمیں حکم دیں۔ ہم اُس کو بجالانے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ اُن سے کہدو۔ کہ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ۔ سچائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے خوب واقف ہے۔ قرآن نے منافقین کے دلی جذبات کے متعلق جو کچھ خبر دی۔ وہ بالکل صحیح تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کے دو مہینہ بعد جب اُن کو حُدیبیہ میں شریک ہونے کے لئے کہا گیا تو چونکہ اُن کو اہلِ مکّہ کی طرف سے سخت خطرہ تھا۔ اس لئے اس سفر میں رسُول اللہ صلعم کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اور غزدہ تبوک میں نہ مال سے مسلمانوں کی مدد کی۔ اور نہ خود شریک ہوئے۔ بلکہ اس میں نہ جانے کے لئے سینکڑوں طرح کے جھوٹے عذرات گھڑے اور بہانے بنائے۔ کسی کے دلی جذبات کی ایسی صحیح خبر دینا۔ خُدا کے سوا کسی دُوسرے کا کام نہیں ہو سکتا۔

۱۱۹ ــــ (۲۶) ایک دن چند منافقین رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ کہ بخُدا ہم یہ بات دل سے جانتے ہیں۔ اور ہمارا اس پر پختہ یقین ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسُول ہیں۔

لیکن قرآن نے یہ خبر دی کہ منافقیں کا یہ دعویٰ کہ ہم آپ کو دل سے خُدا کا سچّا رسُول جانتے ہیں۔ جھُوٹا ہے۔ اُن کا ایمان لانا اور مسلمان بننا محض جان بچانے کی غرض ہے۔ ورنہ وہ دل سے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ منافقین کے جھُوٹا ہونے کا زور دار لفظوں میں دعویٰ کرتے ہوئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاللّٰہُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ پ ۲۸ ع ۱۳۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ منافقین اس دعوٰی میں جھُوٹے ہیں۔ اُن کی زندگی کے آئندہ حالات بتا رہے ہیں۔ کہ درحقیقت وہ کسی روز بھی سچے مُسلمان نہ بنے اور ہمیشہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے

واسطے جھوٹ بولتے رہے۔ اس کے علاوہ اس اقرار کے بعد لوگوں کو یہ کہکر ایمان سے روکتے تھے کہ محمد عربی صلعم سچے رسُول نہیں ہیں۔ اور نیز اہل مدینہ کو مہاجرین کے ساتھ ہمدردی کرنے سے بھی روکا۔ جیساکہ یہ دونوں باتیں اسی سورت میں ذکر کی گئیں ہیں۔

جب اُن کی یہ حالت تھی۔ تو اُن کا رسُول اللہ کے نبی ہونے پر قسمیں کھا کر اقرار کرنا محض دھوکا اور فریب تھا اور وہ اپنے اس دعوٰی میں سراسر جھوٹے اور دغاباز تھے۔ اور اُسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔ کسی کے دلی خیالات کی ایسی سچی اور صحیح خبر دینا خدُا کے سوا دوسرے سے ناممکن ہے۔

۱۱۷ــــ(۲۷) غزوۂ[1] بنی مصطلق میں جو شعبان ۶ھ میں ہوُا۔ جہجاہ بن مسعود غفاری اور سنان میں ورقُد جہنی میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا۔ اوّل الذکر مہاجرین میں سے تھے۔ اور دُوسرے انصاری جہجاہ مہاجر نے سنان کے مُنہ پر طمانچہ مارا انصاری نے اپنی حمائت کے لئے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو بُلالیا۔ فریقین میں جھگڑا بڑھ جانے کے قریب تھا کہ رسُول اللہ صلعم کو خبر ہوگئی۔ آپ نے فورًا موقعہ پر پہنچ کر قصّہ کو رفع دفع کردیا۔ جب عبداللہ بن ابی منافق کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنی جماعت میں کہا کہ اگر ہم بخیر و عافیت مدینہ ہا پہنچ گئے تو ہم وہاں سے اُن رذیل مہاجرین کو ضرور نکال دیں گے۔ اتفاق[2] سے مخلص مسلمانوں میں سے زید بن ارقم بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اُنہوں نے بات سُن کر رسُول اللہ صلعم کے گوش گذار دی۔ جب آپ نے عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھیوں کو بُلا کر پوُچھا تو انہوں نے قسم کھائی۔ اور اس بات کے کہنے سے انکار کردیا۔ حضوُر نے قسم کھانے کی وجہ سے اُس کا اعتبار کرلیا۔ زید بن ارقم فرماتے ہیں۔ کہ مجُھے اس بات کا سخت رنج ہوُا اور میری قوم نے مجُھے ملامت کی کہ تُو یہ بات کہہ کر نبی کریم صلعم کی نظروں میں جھُوٹا ہوگیا ہے۔ اس وقت

---

[1] ابن خلدون۔ تفسیر ابن کثیر ص۵ [2] ابن کثیر و ابن خلدون

خدا تعالیٰ نے زید بن ارقم کی سچائی ظاہر کرنے اور اپنے حبیب کو اصل واقعہ سے مطلع کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ پ۲۸ ع۱۳۔ منافقون نے یہ بات کہی ہے۔ کہ اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو عزتمند ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ حضور نے زید بن ارقم کو بلا کر فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ نے تیری تصدیق کی۔ اور منافقین کا مجرم اور جھوٹا ہونا ظاہر فرمایا۔ ایسی صورت میں جبکہ قسم کھانے کی وجہ سے رسول خدا صلعم منافقین کا اعتبار کر چکے تھے۔ اور زید بن ارقم پر جھوٹا ہونے کا بظاہر الزام قائم ہو چکا تھا۔ اس وقت اصل حقیقت سے اطلاع دینے والا خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے نے جو سچے اور دیندار مسلمان تھے۔ اس کو گھر میں نہ گھسنے دیا۔ جبتک کہ اس نے اپنے ذلیل ہونے اور رسول اللہ صلعم اور مہاجرین کے عزتمند ہونے کا اقرار نہ کر لیا۔

۱۱۸ــــ(۲۸) رسول خدا صلعم نے اپنی بیبیوں کے واسطے دنوں کی تقسیم کر رکھی تھی۔ جو دن کسی عورت کی باری ــــ اور نوبت کا ہوتا۔ اس روز آپ کھانا پینا۔ اور استراحت وغیرہ اس عورت کے گھر فرمایا کرتے تھے۔ اور باقی آمد و رفت کا سلسلہ دوسری بیویوں کے گھر بھی رہتا تھا۔ اگرچہ ایسا کرنا خدا کی طرف سے ضروری نہیں تھا۔ لیکن ازواج مطہرات کی دلجوئی اور ان کی شکائیت رفع کرنے کے واسطے مہربانی کے طور پر آپ سب کے ساتھ ایک جیسا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔

اتفاقاً ایک دن اپنی بیوی زینب کے گھر آپ تشریف لے گئے۔ اس روز عائشہ صدیقہ رضہ کی باری تھی۔ زینب نے آپ کو شہد کا میٹھا پانی پلایا[۲] حضرت عائشہ رضہ کو اس بات کی اطلاع ہو گئی۔ انہوں نے حضور کی دوسری بیوی حفصہ سے یہ مشورہ کیا کہ جس کے پاس رسول اللہ صلعم پہلے تشریف لائیں۔ تو وہ ان سے کہے کہ یا رسول اللہ صلعم آپ کے منہ سے مغافیر[۳] کی بو آ رہی ہے۔ تو چونکہ آپ اپنے دہن کو صاف رکھتے ہیں اور بو پسند نہیں فرماتے۔ اس لئے ممکن ہے کہ آئندہ زینب کے پاس جا کر آپ شہد نہ پئیں۔

---

[۱] تفسیر ابو السعود ص۸۔ [۲] رواہ البخاری [۳] مغافیر جمع مغفور کھجور کے شگوفے۔

پیغمبرِ خدا صلعم زینب کے پاس سے اُٹھ کر حفصہ کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے وُہی بات کہی۔ جس کا عائشہ سے پہلے مشورہ ہو چکا تھا

آپؐ نے فرمایا کہ مغافیر تو میں نے نہیں کھایا۔ البتہ شہد ضرور پیا ہے۔ ممکن ہے کوئی مکھی مغافیر پہ بیٹھ گئی ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی شہد نہ پیوں گا۔ مگر تو یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ اور ایک بات یہ فرمائی کہ میں تجھے خوشخبری سُناتا ہوں کہ میرے بعد ابُوبکرؓ اور عمرؓ میری اُمت کے کاروبار کو چلائیں گے۔ اور اس بات کے ظاہر کرنے سے بھی منع فرمایا۔ لیکن حضرت حفصہ نے عائشہؓ صدیقہ سے یہ دونوں باتیں ذکر کردیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسُول کو اس بات کی خبر دی۔ کہ حفصہ نے تمہارا راز عائشہ پر ظاہر کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے مطلع ہونے کے بعد حفصہ سے فرمایا کہ تو نے عائشہؓ سے وہ راز بیان کردیا ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ یا رسُول اللہ آپ کو کس نے بتایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے جو سب کا علیم و خبیر ہے۔ مجھے اُس نے اطلاع دی ہے۔ اس واقعہ کو سورۃ تحریم میں اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِہٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَأَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ پ۲۸ ع۱۹۔ جب نبی علیہ السلام نے اپنی بعض ازواج سے راز کی بات کہی۔ جس کو اُس نے آپ کی دُوسری بیوی پر ظاہر کر دیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اُس کی خبر اپنے رسُول کو دے دی۔ تو اُس نے بعض باتیں اپنی بیوی پر ظاہر کیں اور بعض باتوں کے ذکر کرنے سے درگذر کیا۔ جب اُس کی بیوی نے پُوچھا کہ آپ کو اس بات کی کس نے خبر دی ہے تو اُس نے جواب دیا کہ اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ نے جو سب کا رازدان ہے بتایا ہے۔ راز کے ظاہر کر دینے کی اطلاع رسُول خدا کو ان دونوں بیویوں کی طرف سے یقیناً نہیں ہوئی۔ ورنہ من انبأک (یا رسُول اللہ آپ کو کس نے بتایا ہے) نہ فرمایا جاتا اس کے علاوہ جب نبی کریم صلعم نے راز کے افشا اور ظاہر کرنے سے حفصہ کو منع فرما دیا تھا۔ تو وہ اُس کو ظاہر کرنے کے

۱؎ البخاری۔ ۲؎ ذکرہ انکشاف۔

بعد یہ بات کیونکر کہہ سکتی تھی کہ میں نے آپ کا راز عائشہ پر ظاہر کر دیا ہے اور نہ عائشہ ہی سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ حفصہ کو پھنسانے اور مجرم بنانے کے واسطے حضور پر یہ بات ظاہر کرتیں۔ کیونکہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے ملی ہوئیں۔ اور شیر و شکر تھیں۔ ان دونوں کے علاوہ تیسرا کوئی آدمی درمیان میں نہیں تھا۔ جس کے ذریعہ سے اس بات کی اطلاع ہو جاتی۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کی اطلاع دینے والا علاّم الغیوب کے سوا کوئی نہیں تھا۔ یَا عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ نَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ آمین۔

بابُ التحدّی بِالقرآن

لِکَوْنِهٖ فِیْ اَقصیٰ مَرَاتِبِ الْبَلَاغَۃِ وَالْفَصَاحَۃِ۔

قرآن کا یہ دعوٰی ہے کہ وہ خُدا کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی شخص اس طرح کا فصیح اور بلیغ کلام نہیں بنا سکتا۔

فصحاء عرب کے سامنے ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار یہ دعوٰی پیش کرتے ہوئے اُن سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر یہ کلام تمہاری نظر میں محمد عربی صلعم کا بنایا ہوا ہے تو انسانی کلام کی نقل اُتارنا نہائیت درجہ سہل اور آسان کام ہے تُم بھی اِس کی مثال بنا کر اُس کا انسانی کلام ہونا ثابت کرو۔ اور اگر تُم قرآن جیسا کلام بنانے سے عاجز رہے تو بے مثل ہونے کی وجہ سے اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی قسم کا شک کرنا جائز نہ ہوگا۔ لیکن وہ آخر وقت تک اس دعوٰی کو باطل نہ کر سکے۔ اس لئے معلوم ہوا۔ کہ قرآن کی بے مثلیت مخالفین کے نزدیک بھی مسلّم اور مانی ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ ضد اور عداوت کی وجہ سے اُس کا زبان سے اقرار نہیں کرتے تھے۔ لیکن اُن کا دل اس بات کی گواہی دے رہا تھا اس پر عُلماء نے ۳ قرینہ بیان کئے ہیں۔ جن سے قرآن کی بے مثلیت ظاہر ہوتے ہوئے اُس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۱۹ (۱) جب محمد عربی صلعم نے نبوّت کا دعوٰی کیا۔ اور یہ بات ظاہر کی کہ مجھ پر خُدا کا کلام قرآن نازل ہوتا ہے۔ تو عرب کے فصیح و بلیغ انسانوں کے سامنے اپنی سچائی کے ثبوت میں ایک ہی بات پیش کی۔ اور وہ یہ تھی۔ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلیٰ عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ۔ جو کتاب ہم نے محمد صلعم پر نازل کی ہے۔ اگر تمہیں اِس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہے تو تُم بھی اس طرح کی ایک چھوٹی سی سُورت بنا کر لاؤ۔

حق و باطل سچ اور جھوٹ کے فیصلہ کے لئے جو بات اُن کے سامنے پیش کی گئی۔ وہ اُن کے لئے نہایت درجہ سہل اور آسان چیز تھی۔ کیونکہ وہ عربی زبان کے ماہر نظم و نثر کے مالک تھے۔ اُن کی طاقت لسانی اور زبان آوری کا شہرہ عرب کے ہر حصّہ میں پھیلا ہوُا تھا۔ وہ اپنے مقابلہ میں دُنیا کی قوموں کو گونگا اور اپنے آپ کو ناطق اور بولنے والا کہتے تھے۔ نیز اِن میں ایسے نامور شعُراء اور زبان دان ادیب موجود تھے جو کعبہ کے دروازے پر اپنے لکھّے ہوئے قصیدے لٹکاتے۔ اور تمام عرب کو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے دعوت دیتے تھے۔ عُتبہ بن ربیعہ جیسا بلیغُ الکلام اور شیریں زبان آدمی مکّہ میں مقیم تھا۔ ولید بن مغیرہ جس کی زبان دانی عرب میں مسلّم تھی۔ اور لوگ اپنا کلام اصلاح کی غرض سے اِس کے سامنے پیش کرتے تھے ابھی تک اِن میں زندہ موجود تھا۔ اس سہولت اور آسانی کے باوجود اُن کو مقابلہ پر اُبھارنے اور برانگیختہ کرنے والے اسباب بھی موجود تھے۔ کیونکہ قرآن میں اُن کے معبودوں کی بُرائی بیان کی جاتی۔ اُن کو چھوڑ کر ایک خُدا کے سامنے جُھکنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ کبھی اُن کے آباؤ اور اجداد کو گمراہ بتایا جاتا۔ اُن کی رائے کی غلطی اور بیوقوفی اُن پر ظاہر کی جاتی۔ اور گاہے اُن کی خودسری کو توڑ کر اطاعت اور فرماں برداری کا سبق دیا جاتا۔ ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈرانے شرم اور غیرت دلانے والے الفاظ بھی اُن سے کہے جاتے۔ تاکہ وہ قرآن کا مقابلہ کرنے کے واسطے تیّار ہوں مگر وہ کمزور انسان کی طرح مُنہ چُھپائے رہتے۔ اور کبھی مقابلہ پر نہیں آتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن عزیز اِن کی نظر میں بے مثل تھا اور یہی اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی نشانی ہے۔

۱۲۰ــــ(۲) یہ بات مشہور اور درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے کہ اہلِ مکّہ کو قرآن مجید کا مقابلہ کرنے اور اُس کی نقل اُتارنے کے لئے بار بار بلایا گیا۔ اور اُن کو غیرت بھی دلائی گئی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

ل؎ اعجاز القرآن۔

اور مردوں کی طرح بے حس و حرکت رہے ہے۔ نہ کبھی خود ایسا کلام بنا کر لائے اور نہ ہی کسی پہلے گزرے ہوئے فصیح اور بلیغ انسان کے کلام کو قرآن کے مقابلہ میں پیش کرنے کی جرأت کی۔ اگر وہ اس معرکہ میں کامیاب ہوتے اور وہ قرآن عزیز کے مقابلہ میں کوئی ایسا فصیح بلیغ کلام کبھی بنا کر لاتے۔ جس کو قرآن پر فوقیت حاصل ہوتی۔ یا کم ازکم فصاحت و بلاغت میں اُس کے برابر ہوتا۔ تو یہ بات اُس وقت عرب کے گوشے گوشے میں پھیل جاتی۔

جب کسی مشہور شاعر کا رجزیہ کلام اور مدحیہ قصیدے اور غزلیات کا چرچا عام ہو جاتا تھا۔ اور ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر اُن کے اشعار کم و بیش گائے جاتے تھے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسے بڑے اور زبردست مقابلہ میں عرب کا کوئی فرد قرآن پر غالب آتا۔ اور اُس کا چرچا خاص و عام کی زبان پر نہ ہوتا۔ اور اس صورت میں وہ کلام ہم تک ضرور نقل ہو کر آتا۔ کیونکہ جب کاہنوں کے جُملے اور شاعروں کے قصیدے اُن کے مذاقیہ اشعار عشقیہ غزلیں میدان جنگ کے رجزیہ فقرے اونٹوں گھوڑوں اور شراب وغیرہ کی تعریف میں نظمیں منقول ہوتی چلی آرہی ہیں۔ تو ایسا کلام بھی ہمارے پاس ضرور پہنچتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ موافق اور مخالف دونوں جماعتیں اس بارے میں بالکل خاموش اور ساکت ہیں۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ زبان دان عربوں کی نظر میں قرآن کی مثال لانا۔ کوہ کُندن و جُوئے شیر اور ان سے بھی زیادہ مشکل کام تھا۔ جب اہل زبان کا اس میدان میں یہ حال ہے تو دوسرا آدمی کیا خاک مقابلہ کر سکتا ہے۔

۱۲۹۔۔۔(۳) دُنیا جانتی ہے کہ اہلِ مکہ نے اسلام کو مٹانے اور اس مذہب کو ترقی سے رد کنے اور اس کے استیصال کرنے میں بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں ہیں۔ اس جذبہ سے متأثر ہو کر انہوں نے سینکڑوں جھگڑے سر لئے۔ امن کی زندگی چھوڑ کر بدامنی پیدا کی اپنے ہاتھوں سے خویش اقرباء کو تکلیفیں دیں۔ گھروں سے نکالا۔ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا۔ خود مرے دوسروں کو مارا۔ لڑائیاں لڑے۔ مال و دولت کو ضائع اور برباد کیا خود رُسوا ہوئے۔ اپنے بچّوں کو اور عورتوں کو ذلیل کرایا۔ یہ سب کچھ کیا۔ لیکن قرآن عزیز کا مقابلہ نہ کیا۔ جو اس سے ہزاروں درجہ سہل اور آسان کام تھا۔ اگر وہ ایسا کر لیتے۔ تو تمام

جھگڑوں کا فیصلہ ہو جاتا اور جب قرآن کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاتا۔ تو کوئی اُس کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ خود بھی آرام سے رہتے اور دوسروں کو بھی تکلیفات کا سامنا نہ ہوتا۔

پھر اُن سے سارے قرآن کی مثال پیش کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک ادنیٰ سورت کی نقل اُتارنے کا اس سے بھی بڑھ کر فلیا توا بحدیث مثلہٖ۔ قرآن جیسی ایک بات کہنے کا اُن سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ لیکن وہ اس آسان کام کے لئے تیار نہ ہوئے۔ جان و مال اور عزت و آبرو سب کچھ خاک میں ملادی۔ آسان اور سہل راستہ کو چھوڑ کر مشکل کی طرف جانا بتا رہا ہے کہ قرآن کی مثال پیش کرنے اور اُس کی نقل اُتارنے سے عرب کے تمام افراد عاجز تھے۔

شاید اس بیان سے ناظرین کی پوری تشفی نہ ہوئی ہو۔ اور وہ قرآن کریم کی بے مثلیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہوں۔ اسلئے ہم اس موقعہ پر جہاں تک عوام کی سمجھ کا تعلق ہے۔ چند باتیں بیان کرتے ہیں۔ جن سے باعتبار فصاحت و بلاغت قرآن مجید کا بے مثل ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس کے متعلق کچھ ذکر کریں فصاحت اور بلاغت کی حقیقت سے واقف ہونا ضروری ہے۔

فصاحت اور بلاغت کلام کی ایسی دو صفتیں ہیں۔ کہ جن میں یہ دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ کلام خوبی اور لطافت میں بلند پایہ اور دلوں میں تاثیر کرنے کے لحاظ سے جادو کا اثر رکھتا ہے۔

فصاحت کے معنی لغت میں گویائی کے لئے زبان کا کھلنا ہیں۔ لیکن اہل معانی کے نزدیک اِس کی یہ تعریف ہے۔ الفاظ سادہ۔ آسان اور کثیر الاستعمال ہوں بگڑے ہوئے مبتذل اور سوقیانہ نہ ہوں۔ اور اُس کی ترکیب نحوی اور صرفی قواعد کے موافق ہو۔ اور جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب میں آئے۔ اُن لفظوں کی ساخت اور ہیئت اور اُن کی بندش اور نشست سُبکی اور گرانی کے ساتھ اِس کلام کو خاص تناسب اور توازن ہو۔ اور جب اس لفظی مناسبت کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تو کلام کی رونق اور اُس کی خوبصورتی بھی رخصت ہو جاتی ہے۔

دُوسری چیز کلام میں خُوبی اور لطافت پیدا کرنے والی فصاحت کی رعائت کرنے کے بعد کلام کا بلیغ ہونا ہے۔ بلاغت اہل ادب کی اصطلاح میں یہ ہے۔ کلام میں ان خصوصیتا اور مناسبتوں کا حتی الوسع پورا لحاظ رکھنا جس کو اس وقت کے حالات اور گفتگو کا موقع اور محل اس کلام میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا معشوق سے گفتگو کرنے کے وقت اِس کی دل بستگی کی باتیں کرتا۔ تاکہ گفتگو کا سلسلہ دیر تک قائم رہے اور کچھ عرصہ بالمواجہہ رہنے کے لُطف سے بہرہ اندوز ہوتا رہے اور اگر ہو سکے تو اپنے سوز و گداز اور شوق و محبت کا اس پر اظہار کرتے ہوئے دلی جذبات اور کیفیات کا صحیح نقشہ پیش کرے۔ اسی طرح کسی خبر کا انکار کرنے والے کے سامنے کلام میں تاکید پیدا کرنے والے الفاظ استعمال کرنا۔ جس رنگ میں معترض اپنا شبہ یا اعتراض پیش کرے۔ اس کے جواب میں اس قسم کی رعائت ملحوظ رکھنا۔ تنگی وقت اور عجلت کی وجہ سے کلام کو مختصر بیان کرنا۔ اور دوستوں کی پُر لطف صُحبت میں کیف آور باتیں اور کلام میں طوالت پیدا کرنا اہل کمال کی مجلس میں رنگیں بیانی اور نازک خیالیوں کا ڈھیر لگانا اور سب سے بڑھ کر اصل واقعہ کو نقل کرتے ہوئے اس وقت کا صحیح نقشہ لفظوں میں کھینچنا رزم و بزم کی مجلس لگانا۔ مدح و ذم فخر و ہجو۔ تہنیت۔ تعریض۔ شوق اور محبت۔ ظلم و ستم غرض جس مضمون کو بیان کرنا ہو۔ اس کے ادا کرنے کا پیرایہ ایسا نفیس اور دلکش ہو کہ ہو بہو واقعات کے ظاہر ہونے کے وقت کا سماں آنکھوں کے سامنے آجائے۔ یہ تمام باتیں کلام میں بلاغت پیدا کرتی ہیں۔ اس قسم کی اور سینکڑوں خصُوصیتیں ہیں۔ جن کی رعائت کرنے سے کلام کا درجہ بلاغت میں بقدر رعائت اُونچا اور بلند ہو جاتا ہے۔ جس کلام میں فصاحت کے بعد اِن چیزوں کی پوری رعائت ہوتی ہے۔ وہ حسن و لطافت اور اپنی دلکشی اور سریع التاثیر ہونے میں بے مثل ہو جاتا ہے۔ اور جس کلام میں ان باتوں کی پُوری رعائت نہیں کی جاتی۔ وہ کلام اسی قدر بلاغت سے دور اور ذوق سلیم پر گراں ہوتا ہے۔

۱۲۲۔ (۴) ابھی معلوم ہُوا کہ حالات اور واقعات کے لحاظ سے جو خصوصیتیں کلام میں

پیدا ہوتی ہیں۔ اُن کی رعایت کرنے کا نام بلاغت ہے۔ چونکہ ایسی پیدا ہونے والی خصوصیات اور مناسبتیں دو چار نہیں ہیں جن کا خیال رکھنا انسان کے واسطے سہل اور آسانی ہو۔ بلکہ سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔ اس لئے گفتگو کرنے کے وقت انسانی عقل اِن خصوصیتوں کا پورا خیال نہیں رکھ سکتی۔ کسی نہ کسی مناسبت اور خصوصیت سے اُس کی نگاہ چوک جاتی ہے۔ مگر قرآن عزیز میں کلام کے تمام پہلوؤں پر نظر ہوتی ہے۔ ایک شخص جن خیالات اور جذبات کو لے کر گفتگو کرتا ہے۔ اُس کے جذبات کا اظہار حقیقت کا انکشاف۔ خیالات فاسدہ کی تردید۔ اُن کی مذمت اور بُرائی عقائد اور اعمال کی اصلاح موجودہ یا آئندہ اعتراضوں کے جوابات ترغیب و ترہیب کلام کو مؤکد بیان کرنا یا نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ غرض جن مناسبات کی اس موقعہ پر ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں اُن کی پوری پوری رعایت کی جاتی ہے۔ انسانی عقل کا قصور اور اُس کی نظر کی کوتاہی ان چیزوں کا بیک وقت احاطہ کرنے سے عاجز رہ جاتی ہے۔ اس لئے انسان کتنا ہی فصیح اور بلیغ کیوں نہ ہو۔ مگر وہ قرآن جیسا کلام کبھی نہیں بنا سکتا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔ یعنی اپنا ایمان لانا اور مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ۔ کہ یہ کبھی مسلمان بنے ہی نہیں۔ یعنی یہ بات نہیں ہے کہ کسی وقت اُن پر حق ظاہر ہو گیا تھا۔ اور پھر دین سے نکل گئے۔ بلکہ وہ کسی روز بھی مسلمان نہیں بنے۔ اور جس طرح وہ اپنا ایمان ظاہر کرنے سے پہلے کافر تھے۔ اب بھی وہ اسی طرح کافر ہیں۔ اس قدر جواب دینا کافی تھا۔ لیکن اصل حقیقت کو ظاہر کرنے کے بعد جس جذبہ کے ماتحت انہوں نے مسلمان ہونا ظاہر کیا تھا۔ اِس کو اس طرح بیان کیا۔ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا۔ وہ ایسا کر کے خدا کو اور اُس کے رسول اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ پھر اس حرکت کی تردید کرتے ہوئے اُس کا بے سود ہونا بلکہ اُلٹا اُسی کی ذات کو اُس کا ضرر پہنچنا یوں ذکر کیا ہے۔ وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ۔ اس دھوکے اور فریب کا نقصان اور ضرر اُنہی کی ذات کو پہنچے گا۔ وہ خدا اور اُس کے رسول کو کچھ نقصان نہیں

پہنچا سکتے۔ اب یہاں پر شبہ ہوتا تھا کہ جب اس مکر وفریب کا وبال اور اس کی مضرت انہی کی طرف لوٹتی ہے۔ تو ان کو اس کا علم کیوں نہیں ہوتا۔ ارشاد ہوا۔ وَمَا يَشْعُرُونَ۔ یعنی باطل پرستی اور گناہوں میں پڑے رہنے کی وجہ سے ان کے حواس کی سلامتی ضائع ہو گئی۔ جس طرح وہ شخص جس کے مزاج پر خون کا غلبہ ہو۔ اس کو کڑوی چیز بھی میٹھی نظر آتی ہے۔ اسی طرح کفر اور معصیت سے اُن کے دل اس درجہ مانوس ہو گئے ہیں کہ ان کی نظر میں اِن چیزوں کی مطلقاً برائی نہیں رہی۔ پھر دھوکا اور فریب دینے کی دو وجہ ایک باطنی اور ایک ظاہری بیان کی۔ باطنی اور روحانی وجہ یہ ہے۔ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا یعنی اُن کے دل پہلے سے گناہوں کے ساتھ مانوس تھے۔ اس لئے اس گناہ کے کرنے کی جرأت اُن میں پیدا ہو گئی۔ ایسا کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ گناہ کرنے کا ذوق و شوق اُن کے دل میں اور زیادہ ہو گیا۔ کیونکہ گناہ کرنے سے نفس میں اس فعل کی رغبت زیادہ ہی ہوتی ہے کم نہیں ہوتی۔ خدیعہ اور دھوکا دہی اختیار کرنے کی دوسری ظاہری وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمان اور کافر دونوں کے ساتھ سازباز کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے تھے۔ البتہ ان دونوں میں اتنا ہی فرق تھا کہ کفاروں کے ساتھ دل سے اور مسلمانوں کو محض زبان سے خوش رکھنا چاہتے تھے اور اُس کو عقلمندی اور ہوشیاری سے تعبیر کرتے۔ اور اس دورنگی کو عالم کا نظام باقی رکھنے کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اگلی آیتوں میں اُن کے ایک ایک خیال کی تردید کی ہے۔ اور نصیحت کو قبول نہ کرنے اور نفاق اور کذب بیانی پر باقی رہنے کی وجہ سے قیامت کے درد ناک عذاب سے بھی ڈرایا ہے۔

قرآن مجید کا انداز بیان شروع سے لے کر آخر تک اسی طرح چلا گیا ہے۔

مثال (۲) نصاریٰ کے اس عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے کہ عیسیٰ علیہم السلام عیاذاً باللہ خدا کے بیٹے یا ثالث ثلثہ ہیں۔ یہ فرمایا گیا۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اللہ ایک ہی ہے۔ چونکہ توحید بیان کرنے کے بعد اِبنیت کے عقیدے کی تردید کرنی منظور تھی۔ یہ عقیدہ

خُدا کی نسبت نہایت درجہ کی گستاخی اور بے ادبی کا پہلو لئے ہوئے تھا۔ اور اُس کا زبان پر لانا۔ اگرچہ بطور نقل ہی کے ہو۔ مذموم اور بُرا تھا۔ اس لئے اس تردید کو تنزیہ اور پاکی کے لفظ سے شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ سُبْحَانَهٗ اَنْ یَکُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اُس کے کوئی لڑکا یا لڑکی ہو۔ پھر ولد نہ ہونے کی دُو دلیلیں بھی ذکر کردیں۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ پ ۶ ع ۳۔ اس کے اولاد کیونکر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زمین آسماں کی ہر چیز اُس کی ملکیت میں ہے اور وہ سب کا مالک ہے اور باپ بیٹے کا مالک نہیں ہؤا کرتا۔ اور دوسری دلیل یہ دی۔ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا۔ اور اس دعویٰ کے ثبوت میں خُدا کا کارساز مطلق ہونا کافی ہے۔

یعنی اولاد کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ باپ دُنیا میں اپنی یادگار باقی رکھنے کا آرزومند ہے۔ یا مُصیبت کے وقت اس سے مدد لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ خُدا تعالیٰ کو اِن دونوں باتوں کی حاجت نہیں ہے۔ وہ تمام جہاں کا کارساز اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانے والا ہے۔ اُسے کسی کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔ اور جب وہ سب کا کارساز ہے۔ اور تمام مخلوق اُس کی دست نگر اور محتاج ہے۔ تو وہ ضرور آخر تک رہے گا۔ اس لئے اسے کسی کام چلانے والے کی بھی حاجت نہیں ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ مسیح علیہ السلام جس کو تم خُدا کے ساتھ ملا رہے ہو۔ وہ خُدا کا بندہ بن کر خوش ہوتا ہے۔ (مدعی سُست اور گواہ چُست) اور تم اُس کو خُدا بنائے بیٹھے ہو۔ پھر اپنی شان بے نیازی عظمت اور کبریائی کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ جو شخص ہماری عبادت کرنے اور غلامی میں داخل ہونے سے نفرت کرے۔ یا اپنے آپ کو کھینچے۔ اُس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مثال (۳۱) منافقین نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر آپ کے رسُول ہونے کی گواہی دی۔ اور یہ کہا۔ نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ۔ ہم دل سے کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسُول ہیں۔

چونکہ منافقین دل سے آپ کے رسُول ہونے کے قائل نہ تھے۔ صرف زبانی اقرار

کرتے تھے۔ اس قول میں اُنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم آپ کے رسُول ہونے کا دل سے اقرار کرتے ہیں اور وہ اس دعویٰ میں بالکل جھُوٹے تھے۔ اس لئے خُدا تعالیٰ نے اُن کی تردید کی۔ اور اس زوردار لفظوں میں کی جن کے ذریعہ سے اُنہوں نے اپنا اعتبار قائم کرنا چاہا تھا۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ۔ اللہ گواہ ہے کہ منافقین اپنے اس دعویٰ میں جھُوٹے ہیں۔ مگر چُونکہ اُن کو اس قول میں جھُوٹا کہنے سے یہ شُبہ ہونے کا اندیشہ تھا کہ وہ آپ کو رسُول اللہ کہنے میں بھی جھُوٹے ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ آپ اللہ کے فرستادہ اور پیغامبر نہیں ہیں۔ اس لئے اس شُبہ کا ازالہ منافقین کی تردید کرنے سے پہلے ہی کر دیا۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ بیشک خُدا تعالےٰ کے سچے رسُول ہیں۔ پھر اُن کے دعوے کا منشاء اور اُن کے رائے کی غلطی وغیرہ بیان کی گئیں۔

۱۲۳ (۵) ہم دیکھتے ہیں کہ ربُّ العزت مخلوقات کی ان ضرورتوں کا کفیل اور ذمہ دار بن جاتا ہے۔ جس کے پُورا ہونے کی اُن میں طاقت نہیں ہوتی۔

اور جب وُہ خُدا کی عطا کردہ قوتوں کے ذریعہ سے اپنی ضرورتوں کے پُورا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ تو خُداوندی کفالت اور ذمہ داری اُن سے کنارہ کش ہو جاتی ہے اور اُن کو معاشں وغیرہ کے حاصل کرنے میں ان قوتوں کے استعمال کا محتاج بنا دیا جاتا ہے۔ جس طرح خُدا کا یہ معاملہ اہل عالم کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں میں نظر آتا ہے۔ بالکل یہی حال قرآنِ عزیز کے طرز بیان میں موجود ہے۔ جس بات کو انسان اپنی عقل سے دریافت کر لیتا ہے۔ اُس کا نام تک قرآن کریم میں نہیں لیا جاتا۔

بسا اوقات ایک بات ذکر کی جاتی ہے۔ جس کے اشارہ یا اقتضاء اور دلالت سے دُوسری بات سمجھی جاتی ہے۔ تو اس اشارہ ہی پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ اور اس کو صریح حُکم کی شکل میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ایسے الفاظ منتخب کئے جاتے ہیں۔ ایسی ترکیب میں اُن کو لایا جاتا ہے کہ ایک ہی عبارت سے متعدد فائدے اور مختلف احکام ظاہر ہونے لگتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کے ہر ہر لفظ میں رموز اور

نکات کا ایک خزانہ بھرا ہُوا نظر آتا ہے۔ اور جو اعتراض صدیوں کے بعد لوگوں کے دماغ میں پیدا ہونے والا ہے۔ اُس کا جواب قرآن عزیز ہی کے لفظوں میں موجود ہوتا ہے۔

اپنے کلام میں اِن تمام باتوں کی رعایت کرنے والا اور عالم کے دوسرے معاملات کے ساتھ اپنے کلام میں مشابہت پیدا کرنے والا خدا کے سوا کوئی دُوسرا نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ اِس کے بے مثل ہونے کی ہے۔

مثال۔ جس شخص کے ایک لڑکی یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں۔ اور لڑکا کوئی نہ ہو۔ تو اُس کی میراث اور ترکہ کے تقسیم کرنے کا قاعدہ اور ضابطۂ قرآنِ مجید میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ اگر مرنے والے کی وارث محض لڑکیاں ہی ہوں۔ اور لڑکا کوئی نہ ہو۔ تو ایک لڑکی کُل جائیداد کا آدھا لے گی۔ اور اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہیں تو تمام لڑکیوں کو دو تہائی دینا چاہیئے۔

ایک اور دو سے زیادہ لڑکیوں کا حال تو بیان کیا گیا۔ لیکن اگر کسی شخص کی وارث دو لڑکیاں ہوں۔ تو اُن کا حصہ میراث میں سے کتنا ہوگا۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں صریح طور پر کسی جگہ نہیں آیا۔ کیونکہ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں وارث ہوں۔ تو جائیداد کے تقسیم کرنے کا طریقہ اس طرح بیان کیا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کی برابر ہے۔ یعنی اگر کسی کے وارث ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو۔ تو کُل جائیداد کو ۳ حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ جس میں سے دو تہائی لڑکے کا اور ⅓ لڑکی کا ہے۔

اس صورت میں ایک لڑکی کا حصہ ⅓ ہے اور دو لڑکیوں کی برابر یعنی ⅔ لڑکے کا ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دو لڑکیوں کا حصہ میراث میں ⅔ ہے۔ دوسرے جب لڑکی اپنے بھائی کے ساتھ ⅓ کی مالک ہو جاتی ہے۔ باوجودیکہ بھائی کا درجہ اُس

لڑکی نصف کی مالک ہے۔ تو ۲ لڑکیاں یقیناً ⅔ کی وارث ہوں گی۔

تیسرے دو بہنوں کا حصہ ⅔ قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ لڑکیاں رشتہ میں بہ نسبت بہنوں کے زیادہ قریب ہیں۔ تو وہ بدرجہ اُولیٰ ⅔ کی مالک ہونی چاہئیں چونکہ ان آیتوں کا ذکر اس طرح کیا گیا تھا کہ اس سے ۲ لڑکیوں کا حصہ بالکل ظاہر اور واضح تھا اس لئے اس کو صراحتہً بیان کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اِدھر اُن آیتوں کا کمال بھی ظاہر ہوگیا کہ مختصر ہونے کے باوجود بہت سے معانی پر حاوی ہیں۔ اور جو علم میراث سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ پچاس صفحہ کا مضمون وراثت قرآن عزیز میں ایک صفحہ کے اندر کس خوش اسلوبی کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

۱۲۴ (۱) جس طرح قدرت نے مخلوقات میں جو چیز جس جگہ رکھدی ہے۔ اُس کو ایسی جگہ رکھنے سے مطلوبہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اگر اس میں معمولی تبدیلی یا تغیر پیدا کردیا جائے۔ تو اس شکل کی خوبصورتی نہیں رہتی اور غرض فوت ہوجاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال قرآن مجید کا ہے۔

اگر اس میں کسی جگہ سے ایک لفظ ہٹا کر اُس کی جگہ اُسی کے ہم معنی دُوسرا لفظ رکھدیا جائے۔ تو عبارت کی روانی اور کلام کی رونق جاتی رہتی ہے۔ اور جس غرض سے پہلا لفظ ذکر کیا تھا۔ وہ غرض بھی باقی نہیں رہتی۔

مثال ہے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جو کچھ دل نے دیکھا۔ وہ صحیح دیکھا)

فؤاد اور قلب یہ دونوں لفظ عربی زبان میں ہم معنی اور مترادف ہیں۔

اگر اسی آیت میں بجائے الفؤاد کے القلب رکھدیں۔ اور یوں کہیں۔ مَا كَذَبَ الْقَلْبُ مَا رَاٰی۔ تو کلام کی خوبی جاتی رہے گی۔ کیونکہ جو تناسب اور توازن اس جگہ لفظ فؤاد کو حاصل ہے۔ وہ قلب کو ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ قلب کی ب اور ما کی م نے جمع ہوکر تناسب اُڑا دیا۔ اسی طرح اگر اس آیت میں اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ۔ بے شک اس میں اِن لوگوں کے واسطے نصیحت ہے۔ جن کے پاس دل ہے۔ اور وہ کان لگا کر اس کلام

کو سُنتے ہیں۔ بجائے قلب کے فؤاد رکھدیا جائے تو پھر کلام کی حلاوت اور شیریں رُخصت ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ وہ یہاں قلب کے معنی عقل کے بھی لگ سکتے ہیں۔ اور یہ بات فؤاد میں نہیں ہے اور القی السَّمعَ وَھُوَ شَہِیۡد۔ نے تو کلام میں وہ لطافت پیدا کی ہے۔ کہ اگر اِس کی جگہ اس معنی کو ادا کرنے کے واسطے کوئی دُوسرا لفظ رکھا جائے تو یہ خوبی اور حسن کلام میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

مثال (۲) لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَعَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ۔ جو شخص نیکی کرتا ہے اُس کا فائدہ اُسی کے لئے ہے اور جو بدی اور گناہ کا کام کرتا ہے۔ اُس کا نقصان بھی اُسی کو پہنچے گا۔

کسب کے معنی کمانا۔ اور اکتساب کے معنی شوق اور کوشش سے کمانا ہیں۔ چونکہ انسان طبعی طور پر بدی کی طرف زیادہ راغب ہے اور گناہ کے کاموں میں اُس کو لذّت معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے جو شوق اور رغبت انسان کو گناہ کے کرنے میں ہوتی ہے۔ وہ نیکی کے کام میں نہیں ہوتی۔ اس لئے آیت میں بدی کے لئے اکتسبت اور نیکی کے کسبت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اگر اکتسبت کی جگہ اُسی کے ہم معنی کوئی لفظ فَعَلَتۡ۔ صَنَعَتۡ۔ اِختَرَحَتۡ۔ عَمِلَتۡ وغیرہ میں سے رکھدیا جائے۔ تو موجودہ غرض کبھی حاصل نہ ہو گی۔ اور کلام کی روانی جاتی رہے گی۔

اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر اور اُس کو آگے پیچھے کرنے سے کلام کی لطافت اور مقصود اصلی جاتا رہتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی تبدیلی قرآن ہی کے الفاظ سے ہو۔ مگر جس آیت میں جو لفظ مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں غرض تقدیم ہی کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ اور جس جگہ اس لفظ کو بعد میں بیان کیا ہے۔ وہاں اُس کا پیچھے ہی ہونا مناسب ہے۔ مثال۔ قُلۡ اِنۡ تُخۡفُوۡا مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ اَوۡ تُبۡدُوۡہُ یَعۡلَمۡہُ اللّٰہُ۔ جو بات تُم اپنے دل میں چھپاتے ہو۔ اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ اس آیت میں اخفاء کے ذکر کو اظہار کرنے پر مقدم کیا ہے وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ۔ جو کچھ تُم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو بات تُم چھپاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تُم سے اُس پر محاسبہ اور

باز پُرس کرے گا۔

اس آیت میں ابداء اور اظہار کو اخفاء سے پہلے بیان کیا ہے۔ مگر چونکہ پہلی آیت میں خدا کا علمی احاطہ بیان کرنا اور کافروں کے اس خیال کی تردید کرنی مقصود ہے کہ وُہ چھُپی ہوئی بات کو نہیں جان سکتا۔ اس لئے پہلے خفی اور پوشیدہ امور کے جاننے کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس موقعہ میں اس بات پر زور دینے کی ضرورت زیادہ تھی۔ اور دُوسری آئیت میں اعمال کا محاسبہ اور اُن پر باز پُرس کرنے کا بیان تھا۔ اور خُدا کا علمی احاطہ بتانا مقصود نہیں تھا۔ اس لئے ابداء کو اخفاء پہ مقدم ذکر کیا گیا۔ کیونکہ ظاہری عملوں پر محاسبہ کرنا چھپے ہوئے اعمال کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔

غرض قرآن مجید کا ہر لفظ اپنی جگہ پر موتیوں کی طرح ٹکا ہوا ہے۔ اُس کو وہاں سے ہٹانا اُس کی خوبصورتی اور غرض کو ضائع کرنا ہے۔ اگر قرآن مجید کے کسی لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھ کر اصلی غرض کو حاصل کرنا چاہیں تو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ مقصد تو اسی صورت میں نصیب ہو سکتا ہے۔ جبکہ قرآن عزیز کے الفاظ اور اُن کی وضع اور ترکیب کا پُورا پُورا لحاظ رکھا جائے۔ ورنہ کلام کی حلاوت اور شیرینی کے ساتھ ساتھ مقصود اصلی بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔

مثال۔ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔

عورتوں میں سے جس عورت کو تُم چاہو۔ اُس سے نکاح کرو۔ دو دو ہوں یا تین تین یا چار چار اس آئیت میں اس بات کی اجازت دی گئی کہ جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو۔ اگر ایسی عورتوں سے تم نکاح کرنا چاہو۔ تو چار تک کر سکتے ہو۔ پھر اس میں تعمیم ہے کہ خواہ سارے مسلمان دو دو ہی کریں۔ تین تین اور چار چار کریں۔ یا کوئی دو عورتیں کرے۔ اور کوئی تین اور چار کرے۔ مگر چار سے زیادہ نہ کرے۔

یہ معنی انہی لفظوں کے ساتھ حاصل ہو سکتے ہیں۔ اگر مثنیٰ و ثلاث و رُباع کی جگہ اثنین و ثلثۃ و اربعًا رکھ دیا جائے۔ تو ان اعداد کا مجموعہ مراد ہوگا۔ نفس تین اور چار مُراد نہیں رہے گا۔ کیونکہ جب یوں کہا جاتا ہے۔ کہ ان لوگوں کو دو دو روپیہ دے دو۔

تو اُس کی مراد صرف دو روپے ہوتے ہیں۔ اور اگر دو اور دو روپیہ دے دو کہیں۔ تو اُس سے چار روپے دینا مقصود ہوتا ہے۔ اگر مثنیٰ و ثُلاث و رُباع میں بجائے واؤ کے لفظ آو لے آئیں۔ تو پھر یہ معنی ہوں گے کہ تمام مسلمان ان تینوں عددوں میں سے جونسا ایک عدد چاہیں وہ منتخب کرلیں۔ اگر دو کرتے ہیں۔ تو پھر سارے دو دو ہی عورتیں کیا کریں۔ اس بات کی اجازت نہ ہو گی۔ کہ کوئی ایک کرے۔ اور کوئی دو بلکہ سب کو اپنا حال ایک جیسا کرنا پڑے گا۔

غرض اس قسم کی خوبیاں انسان کے کلام میں کبھی نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ وہ اُن کو نباہ سکتا ہے۔ یہی وجہ قرآن عزیز کے بے مثل ہونے کی ہے۔

۱۲۵۔ (۷) فن انشا پردازی اور علم ادب میں ایک فصیح اور بلیغ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اصل واقعہ کو بیان کرتے ہوئے مرقع نگاری کا خاص طور پر لحاظ رکھے۔ بعض واقعات کی ایسی پوری پوری تصویر کھینچے کہ واقعہ کے ظاہر ہونے کے وقت کا سماں۔ اُس کے موقع اور محل کا نقشہ آنکھوں کے سامنے اصلی شکل میں نظر آنے لگے۔ مثلاً جو شخص رزمیہ مضامین لکھنا اور میدانِ جنگ کا نقشہ کھینچنا چاہے تو اُس کو لڑائی کے متعلق تمام جزئیات اور حالات کا احاطہ کرنا اور اُن کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ معرکہ آرائی۔ لشکر کشی۔ سامان حرب و ضرب فتح و شکست۔ سفر و حضر فریقین کی چالیں قید و بند دشت نوردی بادیہ پیمائی غرض اس طرح کے سینکڑوں جزئیات ہیں۔ جن کا لحاظ رکھنا اور اُن کو ہو بہو ادا کرنا مرقع نگاری کا کمال ہے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

اوّل زبان پر ایسا حاوی اور اُس پر ایسی قدرت رکھتا ہو۔ کہ واقعات کا نقشہ کھینچنے کے وقت وہ فصیح الفاظ کا خزانہ اُلٹ دے۔ دل آویز اور سلیس عبارت میں لفظوں کا پرا جما دے۔

دوسرے اگرچہ واقعہ نگار کو اصل واقعہ کے متعلق اجمالی علم ہو لیکن مرقع نگار کا فرض ہے کہ وہ اس واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات اپنی طبیعت سے گھڑ کر اس

تناسب اور موزونیت کے ساتھ ادا کرے۔ کہ سُننے والے کو واقعہ کی نسبت مطلقاً شک نہ ہو۔ اور وہ جھُوٹ کو سچ سمجھنے لگے۔ جیسے فردوسی میدان جنگ کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے ؎ جہاں لرز لرزاں شد و دشت و کوہ زمیں شد زنعل ستوراں ستوہ

بر آمد ز ہر سو لشکر خروشس ہمے پیل رازاں بدرید گوشس

ان اشعار میں جنگ کی ہماہمی اور جوش و خروش کو ظاہر کرنے کے لئے جوشیلے الفاظ اور زور دار جملوں کا تودہ لگا رکھا ہے۔

میر اُنیس فوج کی تیاری اور سامان جنگ کے متعلق کہتا ہے۔ ؎

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل

تھے برچھیوں کی صورتِ مقراض پہل پہ پہل۔

خنجر وہ جس کی آب میں تھی تلخیِ اجل

وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو مُنہ کے بل۔

ہنگامہ جنگ پہ کہتا ہے۔ ؎

نقارہ دغا پہ لگی چوب یک بیک اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک

شہپور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک قرنا پُھنکی کہ گونج اٹھا دشت دُور تک

شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے۔

ابن دراج اندلسی نے ایک قصیدے میں اپنے شیر خوار بچّہ کی اُس حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ جبکہ وہ اُس سے جُدا ہونے لگا ہے۔ اور بچّہ زبان سے تو کچھُ نہیں کہتا مگر حسرت بھری نگاہ سے جدائی کے غم کو ظاہر کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

عَيِيٌّ بِمَرْجُوعِ الْخِطَابِ وَلَحْظُهُ بِمَوْقِعِ اَهْوَاءِ النُّفُوسِ خَبِيْرٌ۔

اگرچہ وہ بات کا جواب دینے سے عاجز ہے۔ مگر اُس کی آنکھ محبّت کے واقع ہونے کی جگہ سے خوب واقف ہے۔ یعنی وہ ان اداؤں کو جانتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ عرب کا مشہور فصیح و بلیغ شاعر امراء القیس لکھتا ہے۔ ؎

وَيَوْمَ دَخَلْتُ الْخِدْرَ خِدْرَ عُنَيْزَةٍ فَقَالَتْ لَكَ الْوَيْلَاتُ اِنَّكَ مُرْجِلِي

تقولُ وقدْ مَالَ الْغبیطُ بِنَا معًا   عقرتَ بعیری امْرَأَ القیس فَانْزِلْ ۔

جس روز میں عنیزہ کے کجاوہ میں اُس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا تیرا بُرا ہو تو مجھے پیدل چلائے گا۔ اور جب ہم دونوں سے کجاوہ ایک طرف جھک گیا تو وہ کہنے لگی کہ اُمراء القیس تو نے مرے اُونٹ کی کمر لگادی ہے۔ تو اُتر جا۔ ان دونوں شعروں میں شاعر نے اپنی محبُوبہ عنیزہ کے ساتھ بیٹھنے اور کجاوہ کا ایک طرف جُھک جانے کی وجہ سے عنیزہ کا اُس کو اُتارنے کا حال بیان کیا ہے۔ اور اس مطلب کو ادا کرنے کے لئے صریح الفاظ بیان کئے ہیں۔ پھر یہ ظاہر نہ کیا کہ کجاوہ کا ایک طرف جُھکنا بُوجھ کی وجہ سے تھا یا دھینگا مُشتی اور چھیڑ چھاڑ کرنے کی وجہ سے۔ ان تینوں زبانوں کے شاعروں نے واقعات کی تصویر کھینچنے کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو مرقع نگاری پر صراحتہً دلالت کرتے تھے۔ چونکہ واقعات کی تصویر کھینچنا۔ اصلی واقعہ کے نقل کرنے سے بالکل الگ اور زائد چیز ہے۔ اس لئے ایک لائق ادیب اور ماہر انشاء پرداز کو واقعہ نگاری کے وقت ایسے الفاظ اور جُملوں کے فراہم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو واقعات کا نقشہ قائم کرنے میں صریح طور پر مدد دیں۔ اور اگر ان لفظوں کو چھوڑ کر ان الفاظ پر اکتفاء کیا جائے جن سے نفس واقعہ کا علم ہو۔ تو انسان سے مرقع نگاری کا فرض کبھی ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے واقعات کی تصویر کھینچنے کے وقت بہت سی جھُوٹی باتیں اصلی واقعہ سے زیادہ اپنی طرف سے لگانی پڑتی ہیں۔ مگر قرآن عزیز کی واقعات نگاری اس سے بالکل ہی جُدا ہے۔ اس میں حالات کا نقشہ موقع اور محل کی تصویر کھینچنے کے لئے ایسے لفظوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جن کا مفہوم اصل مراد سے زائد نہ ہو۔ یا یوں کہا جائے۔ کہ قرآن مجید میں صریح لفظوں کے ذریعہ سے واقعات کا نقشہ پیش نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ انسان کے کلام میں ہوا کرتا ہے۔ بلکہ اصل مراد کو ذکر کرنے کے وقت اِس کا طرز بیان اور ادا کرنے کا پیرایہ ایسا عجیب ہوتا ہے۔ کہ اس سے واقعات کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ جاتی ہے۔ بندش کی خوبی اور جُملوں کی نفیس ترکیبیں لفظوں کا انتخاب ایسے طریقہ پر کیا گیا ہے کہ وہ وجدانی کیفیات کا صراحتہً نام لئے بغیر دلی جذبات اور نفسانی کیفیتوں اور

اس مقام کی خصوصیات پر دلالت کرتا ہے۔ اور ان چیزوں کے ظاہر کرنے کے لئے انسان کی طرح صریح لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کو اپنی طرف سے رنگ آمیزیاں اور جھوٹی باتیں بنا کر مرقع نگاری کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ انسان اپنے کلام میں ہر جگہ واقعات کا نقشہ پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس میں بہت سے جزئیات پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ جس کا ہر دفعہ پورا پورا خیال رکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ مگر قرآن مجید کا انداز بیان کسی جگہ بھی نہیں بدلا۔ شروع سے لے کر آخر تک یہی حال ہے۔

مثال (۱) حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بداعمالیوں سے سخت تنگ آئے ہوئے ہیں۔ ادھر قوم کا ذوق و شوق اس بدفعلی میں ترقی پر ہے۔ اِن دونوں کے دلی جذبات اور وجدانی کیفیتوں کے نقشہ غیر صریح لفظوں میں اصل واقعہ کو ظاہر کرتے ہوئے کس خوش اسلوبی کے ساتھ کھینچتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ۔ جب خدا کے فرشتہ نوعمر لڑکوں کی شکل میں لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے۔ تو وہ اُن کی وجہ سے غمگین ہوا۔ اور دل تنگ ہونے لگا۔ اور کہا کہ آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔ یعنی اُن کو اس بات کا خوف اور ڈر ہوا۔ کہ مبادا میری قوم کو ان کے آنے کی خبر ہو جائے۔ اور وہ اُن کا قصد کریں۔ اور میں اُن کی مدافعت نہ کر سکوں۔ ان خیالات کے جمع ہونے سے جو اضطراب اور بے چینی اُن کے دل میں پیدا ہوئی ہے۔ اُس کو اصل واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ضمنی طور پر غیر صریح لفظوں میں بیان ہے۔ اضطراب و خاف و تحیّر فی امرہم یعنی بے چین ہوا ڈرا۔ اور اُن کے بارے میں متحیّر اور پریشان ہوا۔ نہیں کہا جو اس مراد پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔ آگے لوط علیہ السلام کی قوم کی وجدانی کیفیت اور دلی جذبات کی تصویر کھینچی ہے۔ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ۔ لڑکوں کی خبر سُن کر اُن کے پاس قوم بے تحاشہ بھاگتی ہوئی آئی۔ لفظ یُہرَعُون نے اُن کے دلی جذبات اور بد اخلاقی کا فوٹو کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ کیونکہ اس کے معنی گرتے پڑتے۔ اندھا دُھند

بھاگتے ہوئے آتا ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ ان کی قوم اس بدفعلی میں اسدرجہ انہماک اور غلو رکھتی تھی۔ کہ جہاں کہیں اُن کو یہ بات نظر آتی۔ پھر اُن سے صبر نہیں ہو سکتا تھا۔ آگے اس بداخلاقی کا ذوق و شوق پیدا ہونے کی وجہ اور علت بیان کی ہے۔ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ۔ اس سے پہلے بداعمالیوں میں مُبتلا تھے۔ آپ لُوط علیہ السلام اور اُن کی قوم کا مکالمہ اور آپس کی گفتگو نقل کرتے ہوئے حضرت لُوط کی پریشانی اور قوم کی بے ہودہ اور لغو حرکتوں سے نفرت اور اُن پر غصّہ کی وجدانی حالت ادھر لُوط علیہ السلام کو اپنی بےکسی اور تنہائی کا خیال ان تمام حالات کا سماں اس طرح باندھا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ۔ اے میری قوم کے لوگو یہ میری لڑکیاں ہیں۔ تم ان سے نکاح کر لو۔ یہ تمہارے واسطے پاک اور ستھری ہیں۔ خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے ذلیل اور رُسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی صلاح کار نہیں ہے۔ لفظ یا قوم اور لاتخزُون لُوط علیہ السلام کی بےکسی اور مجبوری پر دلالت کرتے ہیں۔ اور "ہولاء بناتی" میں اضطراب اور بےچینی کا اظہار ہے اور الیس منکم رجل رشید" سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لُوط علیہ السلام کو اس حرکت کی وجہ سے قوم پر سخت غصّہ ہے۔ لیکن مغلوب اور بےیار و مددگار ہونے کے سبب اس لفظ سے زیادہ اپنی قوم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ پھر قوم کی اس کام کے لئے انتہا درجہ کی گمراہی کو ظاہر کیا ہے۔ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِىْ بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَّ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ۔ قوم نے کہا تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری لڑکیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور جو ہمارا ارادہ ہے۔ تو اُس سے واقف اور باخبر ہے۔ لُوط علیہ السلام اپنی قوم کا یہ جواب سُن کر مایوس اور مضطرب ہو کر فرماتے ہیں۔ قَالَ لَوْ اَنَّ لِىْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِىْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ۔ کاش تمہارے مقابلہ کی مجھ میں قوت ہوتی یا کوئی میرا قوی اور زبردست مددگار ہوتا۔ اس

تمام بیان میں طرفین کے دلی جذبات کا کس قدر صحیح اور ہو بہو نقشہ کھینچا ہے۔ مگر کسی جگہ بھی ان حالات پر دلالت کرنے کے لئے صریح الفاظ ذکر نہیں کئے۔

جب ان آنیوالے مہمانوں نے لوط علیہ السلام کی بے چینی بڑھتی ہوئی دیکھی۔ تو انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ اور بتایا کہ ہم انسان نہیں ہیں۔ بلکہ خدا کے فرشتے ہیں۔ اس قوم کو ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں۔ وَاِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ۔ اور یہ کل صبح ہلاک کر دئیے جائیں گے۔

لوط علیہ السلام جو اپنی قوم سے نہایت تنگ آئے ہوئے تھے۔ جب قوم کی ہلاکت کا حال سنتے ہیں۔ تو بے چینی اور اضطراب قوم کی طرف سے جاتا رہتا ہے۔ اور اب یہ شوق ہوتا ہے۔ کہ وہ گھڑی کب آئے گی۔ جبکہ یہ ناہنجار قوم اپنے کیفر کردار کو پہنچے گی۔ اس شوق کی وجہ سے اضطرابی کیفیت جو دل میں پیدا ہوئی۔ اُس کو اگلی آیت میں ظاہر کیا ہے۔ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ۔ یعنی اس قدر جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا صبح نزدیک نہیں ہے۔

مثال (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں جبکہ اُن کی عمر ۱۲۰ برس کی اور اُن کی بیوی حضرت سارہ ۹۹ برس کی ہو جاتی ہے۔ ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت اور خوشخبری دی جاتی ہے۔ یہ بات سُن کر اُن کی بیوی کو حیرت اور تعجب ہوتا ہے۔ اور تعجب کرنے کے وقت اُن کے دل میں ایک عزت اور حیا اور تحیّر کا طوفان اُٹھتا ہے اور اسمیں سے بے چینی اور ایک اضطرابی لہر پیدا ہوتی ہے۔ جس کو ان لفظوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ۔ وہ یہ بات سُن کر چیختی ہوئی آئی۔ اور اپنے مُنہ پر ایک طمانچہ مارا۔ اور کہا بُڑھیا بانجھ یعنی میں بُڑھیا ہو گئی ہوں۔ بچہ جننے کا زمانہ نہیں رہا۔ میرے لڑکا کس طرح ہو گا۔ ان خیالات سے جو دل میں ایک بے چینی اور اضطراب کے ساتھ ساتھ حیا اور شرم پیدا ہوئی۔ اس حالت کا نقشہ غیر صریح لفظوں میں کس عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کھینچا گیا ہے اور ہاتھ پاؤں سے حرکت کرتا ہے اس حالت کو فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا

سے بیان کیا ہے کہ جس سے بہتر ادا کرنے کے لئے کوئی اور لفظ نہیں ہیں۔ ناظرین کو ان دو مثالوں سے قرآن عزیز کی مرقع نگاری کا حال معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ یہاں نہ تو جھوٹ کی آمیزش ہے۔ اور نہ سماں باندھنے کے لئے لفظوں کی بھرمار ہے۔ اصلی واقعہ کے بیان کرنے سے ذرا تجاوز نہیں کیا جاتا۔ پھر مرقع نگاری کا اعلیٰ درجہ یعنی دلی جذبات اور موقعہ و محل کی خصوصیتوں کا خاکہ اور فوٹو ہو بہو کھینچ دیا جاتا ہے اور یہ بات کسی انسان کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ اور نہ انسان دوسرے کے دلی جذبات اور اندرونی احساسات کا پورا اندازہ لگا کر اس کا صحیح چربہ اُتار سکتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ وَمَا كَانَ هٰذَا مِنْ سَعْتِيْ۔

۱۲۶ا۔۔۔(۸) دُنیا میں جس قدر چوٹی کے فصیح اور بلیغ انسان گذرے ہیں۔ یا جتنے شاعر اُستاد مانے گئے۔ اُن میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلے گا۔ جس کا تمام کلام اوّل سے لے کر آخر تک فصاحت و بلاغت الفاظ کی سادگی اور دلآویزی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہو۔ تمام دیوان میں ایک دو غزل یا قصیدہ اور سارے قصیدہ میں دو چار شعر ہی عمدہ اور سلیس ہوتے ہیں۔ خصوصًا جب کوئی ماہر انشاء پرداز اور علم ادب کا اُستاد ایک طویل اور ضخیم کتاب لکھنے بیٹھتا ہے۔ تو وہ سب جگہ کلام کی روانی اور عبارت کی سلاست قائم نہیں رکھ سکتا۔ کسی نہ کسی جگہ کلام میں اختلال ضرور واقع ہو جاتا ہے۔ اگر اُس کا کچھ حصہ حسن و لطافت میں اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتا ہے۔ تو اسی کلام کا بعض حصہ مبتذل اور پامال یا ردّی اور خراب بھی ضرور نظر آتا ہے۔ مگر قرآن مجید جو تقریبًا ایک ہزار صفحہ کی کتاب ہے۔ اس قسم کے اختلال اور کمزوریوں سے بالکل پاک ہے۔ باوجود اس قدر ضخیم اور طویل ہونے کے ایک جگہ بھی اُس کی فصاحت و بلاغت میں فرق نہیں آیا۔ ہر موقع پر بندش کی خوبی اور کلام کی سادگی اور سادگی کے ساتھ سلاست اور برجستگی لطیف استعارے۔ نادر تشبیہیں موجود ہیں۔ تمام آیتیں ایک دوسرے کے ساتھ فصاحت اور بلاغت میں متشابہ اور متناسب ہیں۔ عجیب نکتے اور حکمت کی باتیں انمول موتیوں کی طرح ہر صفحہ پر بکھری ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے۔ جو فصاحت اور بلاغت کے

ایسے درجہ پر واقع ہو۔ جس کا جواب دینا اور مقابلہ کرنا انسان کے واسطے ممکن ہو۔ بلکہ ہر ایک آیت اعجاز کے انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی ہے جس کی نقل اُتارنا انسانی قدرت اور اُس کے اقتدار سے کوسوں دُور ہے۔ انسانی علمی قوتوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے اپنے کلام میں طویل اور دراز ہونے کے باوجود فصاحت اور بلاغت کی پوُری رعائیت نہیں رکھ سکتا کہیں اس سے لغزش ضرور ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف قرآن مجید میں عبارت کی سادگی اور کلام کی روانی اس کے لفظوں کی فصاحت اور دل آویزی اور بلاغت کے اصُولوں کی رعائیت کسی جگہ بھی فوت ہونے نہیں پاتی۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ قرآن خُدا کی کتاب ہے اور کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں۔

۱۲۷ــــ(۹) انسان کیسا سحر نگار اور جادو بیان شاعر اور انشاء پرداز کیوں نہ ہو۔ مگر وہ ہر ایک مضمون کو خوش اسلوبی اور فصاحت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا۔ جس مضمون سے اس کی طبیعت کا لگاؤ ہوتا ہے اور جس چیز کے ساتھ اس کے دل کو قدرتی مناسبت ہوتی ہے۔ اس کو ادا کرنے کے وقت اس کے کلام میں فصاحت کے ساتھ ساتھ سادگی اور روانی برجستگی اور سلاست خود بخود پیدا ہوتی ہے اور جن چیزوں کی طرف سے طبیعت کا میلان اور جھکاؤ نہیں ہوتا۔ وہاں نہ کلام میں چُستی نظر آتی ہے اور نہ الفاظ کی بندشوں میں کوئی خوبی عبارت کی روانی اور اس کی سلاست بالکل کافور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کی طبیعت ہجو میں زیادہ چلتی ہے اور بعض مدح گوئی اور تعریف میں یکتا اور طاق ہوتے ہیں۔ بعضوں کا کلام غزل میں اعلیٰ پایہ پر ہوتا ہے۔ جب وہ قصیدہ لکھنے بیٹھتا ہے تو اس سے ایک لفظ بھی اچھی طرح نہیں لکھا جاتا اور بعضے قصیدہ گوئی میں اُستاد مانے جاتے ہیں۔ جب اِن کا کلام غزل میں دیکھا جاتا ہے۔ تو بالکل پھیکا اور معمولی نظر آتا ہے۔ کسی کو وعظ و پند کے بیان کا ملکہ حاصل ہے۔ کوئی مذاقیہ جملوں اور دل لگی کی باتوں میں زباندانی کے جوہر دکھاتا ہے۔ کوئی حرب و ضرب اور میدانِ جنگ کا نقشہ لفظوں میں کھینچ کر رکھ دیتا ہے۔ کسی کو مرثیہ گوئی میں بڑا کمال ہوتا ہے اور رزم بزم کی مجلسوں میں اس کی طبیعت بالکل نہیں چلتی۔ غرض دُنیا کا کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہے۔

جوہر میدان میں یکتا تازی کے جوہر دکھائے اور ہر مضمون کو اصلی درجہ کی فصاحت اور بلاغت میں ادا کر سکے۔ امرءُ القیس نابغہ اور زہیب عرب کے فصیح اور بلیغ شاعروں میں سے ہیں مگر ان تینوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ نابغہ کی فصاحت ڈرانے کے وقت اور زہیب کی زبان دانی ترغیب دینے کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور امراء القیس جیسا سوار ہونے کیوقت پہ چمکتا ہے۔ سواری کے جانور اور اس کے سوار کی تعریف میں زبان کے جوہر دکھاتا۔ وہ بیان کی نزاکت دوسرے موقعہ پر اس سے ظاہر نہیں ہوتی۔ مگر قرآن عزیز دُنیا میں ایک ایسی کتاب ہے۔ جسمیں تاریخ۔ وعظ۔ حکمت کی باتیں مسائل ترغیب وترہیب مثالیں وعدہ وعید اخلاقیات معاملات اُمورِ زندگی کے انصرام کے طریقے مرنے کے بعد کے خیالات صحیح عقیدوں کا بیان خیالات فاسدہ کی تردید تمدن اور معاشرتی اصول کی تشریح وغیرہ وغیرہ بہت سے مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ایک جگہ بھی الفاظ کی سلاست بندش کی چستی ترکیب کی خوبی بلاغت کا اہتمام فوت نہیں ہوا۔ ہر قسم کا مضمون اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت میں ادا کیا گیا ہے۔ اور کلام کا زور کسی جگہ بھی گھٹنے نہیں پایا۔ یہ بات انسانی کلام میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ قرآن عزیز خُدا تعالیٰ کی کتاب ہے۔

۱۲۸ــــ (۱۰) نماز اور روزے کے احکام حج زکوٰۃ کے مسئلے عقائد اور اعمال کا بیان قصّے اور وعظ گوئی۔ قیامت کے حالات جنّت اور دوزخ کا ذکر کافروں کی مذمت ایماندار اور نیک عمل والوں کی مدح حمد و نعت اصول معاشرت وغیرہ ایسے پھیکے مضامین ہیں۔ جن کو بیان کرنے کے وقت ایک فصیح اور بلیغ انسانی کلام کا حسن و لطافت تحریر کا زور اور عبارت کی روانی الفاظ کی سلاست بندشوں کی چُستی قائم نہیں رکھ سکتا۔ نادر تشبیہیں اور عجیب استعارے بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے اور جب تک بہت سا جھوٹ اپنے پاس سے نہ لگادے۔ کلام میں خوبی پیدا کرنی اس کے لئے دُشوار ہو جاتی ہے

چنانچہ بہت سے ماہر انشار پرداز اور جادو بیان شاعروں کے کلام میں
جو انہوں نے حمد و نعت میں لکھا ہے۔ وہ زور نظر نہیں آتا۔ جو حُسن و عشق و اخلاق و وعظ و پند
وغیرہ جیسے پھیکے مضامین بیان کئے گئے ہیں جن میں ذرہ برابر جھوٹ کی آمیزش نہیں ہے
جو انسانی کلام میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب ہے۔
۱۲۹ــــ(۱۱) انسان جب ایک قصہ کو کئی مرتبہ لوٹائے اور ایک مضمون کا بار بار تکرار کرے تو
وہ ہر دفعہ کلام کی خوبی اور اس کے حسن میں کسی جگہ فرق نہیں آتا۔ اسی کا نام علم بیان ہے
کہ ایک مضمون کو مختلف پیرایوں میں ادا کیا جائے مگر کسی جگہ الفاظ کی فصاحت اور کلام
کی روانی اور بلاغت کا خیال ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ایسے موقعوں میں بڑا کمال قرآن عزیز کا یہ ہے
کہ ایک مطلب جتنی شکلوں میں ادا کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا بہتر پیرایہ اس
مضمون کے ادا کرنے کے لئے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال
کے ساتھ مصر کو جاتے ہوئے راستہ بھول کر کوہ طور کے پاس جا نکلے۔ رات ہو گئی۔ اور
سردی کی وجہ سے آگ کی تلاش میں ہوئے سامنے سے پہاڑ پر ایک روشنی نظر آئی۔ تو
اہل و عیال کو وہیں چھوڑ کر راستہ دریافت کرنے یا آگ ملنے کے خیال سے روشنی کی
طرف جاتے ہوئے جو گفتگو انہوں نے اپنی اہل سے کی ہے۔ اُس کو ایک سُورت میں اس
طرح ذکر کیا ہے فَقَالَ اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِیْکُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِهَابٍ
قَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ ۔ و سورۂ طٰہٰ میں یوں بیان فرمایا ہے لَعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ
مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی۔ ایک ہی مضمون
کو کتنے بلیغ پیرایوں میں ادا کیا ہے۔ ہر ایک کلام بلاغت کی انتہائی رفعت اور بلندی
پر پہنچا ہوا ہے۔ اور عجیب نکتوں اور ادبی خوبیوں پر حاوی اور مشتمل ہے۔ جس کی وجہ
سے کسی ایک فقرہ کی مثال لانی۔ اور اس جیسا کلام بنانا انسانی طاقت سے دُشوار بلکہ
ناممکن ہو گیا ہے۔ اور یہ ایک جگہ نہیں ہے۔ بلکہ ایسی مثالیں قرآن مجید میں سینکڑوں
موجود ہیں اور اسی لئے یہ کتاب یکتا اور بے مثل ہے۔

(فائدہ) قرآن قصہ اور کہانی کی کتاب نہیں ہے وہ ایک مکمل ہدایت نامہ

ہے۔ جس میں اعمال کی اصلاح۔ اخلاق کی درستی کا سبق ہے۔ جو خدا کی ذات اور صفات کے متعلق دُنیا میں صحیح الخیالی پھیلانے کے لئے اُتاری گئی ہے۔ جس کے ذریعے سے تمدّن اور معاشرت کا سبق دیا گیا ہے۔ جس میں خالق اور مخلوق کے درمیان تعلقات پیدا کرنے کی راہیں کھولی گئیں وہ بنی نوع انسان جو غفلت اور جہالت کی اندھیریوں میں پڑے رہنے کی وجہ سے اصلیت سے دور جا پڑے ہیں۔ بدی اور گناہ کے کاموں میں رات دن لگے رہنے سے نیکی کا شوق اور سچائی کی رغبت کھو چکے ہیں۔ اور اس لئے ان کے نفس میں نیکی سے نفرت اور بدی کی طرف میلان ہو گیا ہے۔ ان کے دل میں نیکی کا بیج بونے اور بدی کے خیالات مٹانے۔ حق اور راستی کی تعلیم دینے کے لئے یہ کتاب محمد عربی صلعم پر نازل کی گئی۔

جب اس کتاب کے ظاہر کرنے کی اصلی غرض و غائیت ہدائیت دینی اور نیکی کی تعلیم کرنی ٹھہری تو ضروری ہؤا کہ اس کتاب میں ہدائیت و ارشاد اور تعلیم و تربیت کے طریقوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔

چونکہ تعلیم میں ایک سبق کو بار بار دہرایا جاتا ہے۔ تاکہ مضامین اچھی طرح محفوظ اور دل نشین ہو جائیں اور اسی طرح واعظ بھی ہدائیت اور ارشاد کے وقت تمثیلیں اور عبرت خیز قصّے حکمت کی باتیں بیان کر کے اصل مقصود کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو ایک دفعہ نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بار بار دہراتا ہے۔ اس لئے قرآن عزیز میں بھی جو ہدائیت اور ارشاد کی کتاب ہے۔ بیان کا یہی طریقہ رکھا ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو جن آئیتوں میں بظاہر تکرار نظر آتا ہے۔ وہاں درحقیقت تکرار نہیں ہے۔ کیونکہ جس غرض سے وہ آئیت ایک جگہ ذکر کی جاتی ہے۔ دوسری جگہ اسی غرض سے اُس کا اعادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں اس کے ذکر کرنے کی کوئی اور ہی وجہ ہوتی ہے۔ وجوہات متعدّد ہونے کی وجہ سے آیات کو بھی دراصل متعدد ہی کہا جائے گا۔ اور یہ بات قصص میں خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

۱۳۰۔۔۔(۱۲) جب قانون ساز مجلسیں قومی یا ملکی نظام کو قائم رکھنے کے لئے قاعدے اور ضابطے بنانے لگتی ہیں۔ تو گرد و پیش کے حالات دیکھ کر اور موجودہ زمانہ کی ضرورتوں

کو خیال کر کے قوانین وضع کرتی ہیں۔ اور جو ضرورتیں اُن کی نظر سے غائب ہوتی ہیں۔ اور جن واقعات کا اُن کو علم نہیں ہوتا۔ ان کی رعائیت اصول اور ضابطوں کو وضع کرنے کے وقت ہرگز نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قانون خواہ مُلکی ہوں یا مذہبی تجارتی ہوں کہ معاشرتی قومی ہوں۔ یا وطنی غرض کسی قسم کے ضوابط اور اصُول ہوں۔ ان میں ترمیمات ہوتی رہتی ہیں۔ انسانی دماغ کے گھڑے ہوئے قانون اور ضابطوں میں یہ بات کبھی دیکھی نہیں گئی کہ جو واقعات اور حالات اصُول بنانے کے وقت واضع قانون کی نظر میں نہ تھے۔ وہ قاعدے ان پر بھی حاوی ہوں اور کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ضرورت پیش نہ آوے۔ مگر قرآن عزیز ایک ایسی کتاب ہے کہ جو قانون اور ضابطے اس میں بیان کئے گئے ہیں۔ خواہ وہ تمدّن اور معاشرت کے متعلق قواعد ہوں یا درستی اخلاق اور تزکیہ نفس کے اصُول ہوں۔ جماعتی شیرازہ بندی کے قاعدے ہوں۔ ملکی یا سیاسی نظام کے ضابطے اور قانون ہوں۔ وہ ہر زمانہ کے لئے مفید اور ہر ایک قوم اور ملک کے واسطے یکساں کارآمد ہیں۔ دُنیا کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی جس کا فیصلہ قرآن کے بیان کردہ اصُول اور ضابطوں میں موجود نہ ہو۔ آج ساڑھے تیرہ سو برس گذر چکے ہیں۔ مگر قرآن عزیز کے کسی قاعدے اور ضابطے میں ترمیم کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی اور نہ آئندہ قیامت تک آئے گی۔ بلکہ قرآن مجید کا وہ فیصلہ جو آج اہلِ زمانہ کی نظر میں غیر مفید یا مضرت رساں نظر آتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد زمانہ کی ضرورتیں اس قاعدے کے فائدہ مند ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہیں۔ پھر اہلِ دُنیا کو ہلاکت اور تباہی سے بچنے کے لئے اس ضابطے کی پابندی کے بغیر کوئی راستہ نجات کا نظر نہیں آتا۔ چنانچہ جو قومیں کل تک بیواؤں کی شادی اور کثرت ازدواج کے مسئلہ پر اعتراض کرتیں تھیں۔ آج وہ خود اس کو اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ قرآن عزیز کا ایسے محکم اور مضبوط اصُول پر حاوی ہونا بتا رہا ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ وُہ ہی ان قوانین کا بنانے والا ہے۔ جو ہر زمانہ کے حالات سے باخبر ہر قوم اور ملک کی ضرورتوں سے واقف ہے اور وہ خُدا تعالیٰ ہی کی مقدس اور برگزیدہ ہستی ہے۔

یامنزل الکتاب

عَلِّمنی تاویلہٗ وَوَفقنی العمل بِمافیہ۔

بابُ الفطریاتِ والطبیعات

وہ آیتیں جن میں انسان کی فطری اور پیدائشی جذبات کا ایسا صحیح اور مضبوط فیصلہ سنایا گیا ہے۔ جو اس نوع کے کسی فرد میں نہیں بدلا۔ اور دُنیا کی تمام قومیں نسلی اور ملکی امتیازات اور عادات و اطوار مختلف ہونے کے باوجود سب کی سب اس میں برابر کی شریک ہیں۔ آدم سے لے کر اس وقت تک ایک شخص بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس پر یہ فیصلہ صادق نہ آتا ہو۔ اگر وہ باتیں تجربہ سے کہی ہوئی ہوتیں۔ تو جس طرح تجربہ موسم کے اختلاف آب و ہوا کی تبدیلی اور عمروں کے تفاوت سے ٹوٹ جایا کرتا ہے۔ اس طرح یہ خبریں بھی بدل جانی چاہئیں۔ سقمونیا جس کے تجربہ سے مسہل ہونا ثابت ہوا ہے۔ وہ بعض مزاجوں میں بجائے اسہال لانے کے قبض پیدا کرتا ہے۔ چونکہ تجربہ میں اکثر جزئیات کو دیکھ کر تمام افراد پر حکم لگایا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی نہ کوئی جزئی ایسی ضرور نکل آئی ہے۔ جسمیں یہ تجربہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر قرآن کے یہ فیصلے ایسے نہیں ہیں۔ جو رنگ اور لون کے اختلاف۔ ملکی اور نسلی امتیازات یا وقت اور زمانہ کے بدلنے سے غلط ثابت ہوں۔ نسل انسانی میں ادنیٰ اور اعلیٰ عالم اور جاہل نیک و بد تمام کے فطری جذبات اور طبعی خیالات اسی طرح پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن عزیز نے بتائے ہیں۔ اگر یہ خبریں محمد عربی صلعم کے تجربے پر مبنی ہوتیں۔ تو اس نوع کے ہر فرد میں کبھی نہ پائی جاتی کیونکہ آپ زیادہ سے زیادہ عرب کے عادات اور خصلات کو دیکھ کر تجربہ حاصل کرتے مگر ایک ملک یا ایک قوم کے عادات اور خیالات کا اندازہ کبھی نہیں لگایا جا سکتا۔ پھر طبیعت کا اندازہ لگانا کہ وہ کسی قوم اور کسی زمانہ میں جا کر نہ بدلے۔ انسانی طاقت سے نہایت دشوار ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ایسے فیصلے کرنا یقیناً اُسی ہستی کا کام ہے جو اگلی

پچھلی نسلوں اور دُنیا کے تمام انسانوں کے پیدائشی جذبات اور فطری احساسات سے واقف اور باخبر ہے اور وہ حق سُبحانہٗ تعالیٰ ہی کی مقدّس اور بزرگ ہستی ہے لہٰذا لیسے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ یہ ہے۔

۱۳۱۔(۱) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَ قَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ پ۳ ۱ع۔ عورتوں لڑکوں مال و دولت عمدہ گھوڑے مویشی کھیتی کی محبت جو انسانی خواہشات کو پورا کرنے والی چیزیں ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں پیدائشی طور پر رچا دی گئی ہے۔ ان چیزوں کی محبت ہر انسان کے دل میں فطری اور پیدائشی طور پر موجود ہے۔ خواہ دنیا کے کسی حصّہ کا رہنے والا اور کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن اس کی طبیعت کا لگاؤ ان چیزوں کے ساتھ ضرور رہتا ہے۔

اگرچہ بعض حالتوں میں دنیوی سامان اور اسباب کی طرف سے آدمی کا دل ہٹ جاتا ہے۔ اور رغبت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ مگر ان چیزوں کی محبت کلی طور پر دل سے نہیں نکلتی۔ نبی عربی صلعم سے زیادہ کوئی دوسرا شخص دُنیا سے بے تعلق نہیں ہو سکتا۔ جنہوں نے تمام جوانی ایک بڑھیا عورت کے ساتھ بسر کر دی۔ اور ساری عمر فقر و فاقہ تنگی اور عسرت سے گذار دی باوجودیکہ آپ کی زندگی میں عیش و آرام کے سامان مہیا ہو چکے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو شاہانہ زندگی گذار سکتے تھے۔ لیکن اپنے افلاس اور تنگ دستی کو دولت پر ترجیح دی اور عمر کا سارا حصّہ مفلسی میں گذار دیا۔ دُنیا سے اس درجہ بے تعلق ہونے کے باوجود ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ جمعہ کا خُطبہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جن کی عمر تقریباً ۲ یا ۳ سال کی تھی۔ مسجد میں آ گئے۔ چونکہ امام صاحبؓ کا کُرتا لمبا اور دراز تھا۔ اس لئے آپ اس میں اُلجھ کر گرے جاتے تھے۔ اس طرح گرتے پڑتے منبر کے سامنے آ گئے۔ جس پر رسُول خدا صلعم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے جب صاحبزادے کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو خُطبہ چھوڑ کر منبر سے نیچے اُتر آئے۔ اور اُن کو گود میں اُٹھا لیا۔ اور یہ ارشاد کیا کہ اللہ جل شانہٗ نے سچ فرمایا کہ مال اور اولاد آدمی کو فتنہ میں ڈالنے والی

چیزیں ہیں۔ جس کو دیکھکر مجھ سے رہا نہ گیا اور مجبوراً خطبہ چھوڑنا پڑا۔ جب رسُول اللہ صلعم کو خُدا کے ساتھ تعلّق اور لگاؤ ہونے کے باوجود اولاد سے اس درجہ محبت تھی۔ تو دوسرے کو کیا کچھ نہ ہوگی۔ اِس کے علاوہ جو شخص اس معاملہ میں اپنے دل کی طرف رجوع کرے گا۔ اس کو ان چیزوں کی محبّت دل کی گہرائیوں میں ضرور چھپی ہوئی نظر آئے گی۔ بلکہ دُنیا کا ہر ایک کام ان چیزوں کی خواہش اور محبّت کی وجہ سے چل رہا ہے۔ ورنہ اس جہان کا کاروبار کبھی کا معطل ہوگیا ہوتا۔ انسانی فطرت کے متعلق ایسا صحیح فیصلہ کرنا کہ جس کا کسی جگہ بھی خلاف نہ ہو۔ خُدا تعالیٰ کا ہی کام ہے۔

۱۳۲۔(۲) خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا پ۵ ع۲۔ انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ جسمانی طاقت کے لحاظ سے انسان کا کمزور ہونا بالکل ظاہر ہے۔

باوجودیکہ انسان کو بہتر اور عمدہ غذا دی جاتی ہے۔ ردّی اور خراب چیزیں دوسرے حیوانات کی غذا ہیں۔ لیکن جو قوّت چوپائے اور درندوں میں پائی جاتی ہے۔ انسان میں اس کا عشر عشیر اور دسواں حِصّہ بھی موجود نہیں ہے۔ دوسرے اس کی طبیعت میں تکلیفوں کو برداشت کرنے اور شہوت کے وقت اپنے نفس کو روکنے کی طاقت بھی کم ہے۔ طبیعت اور جسم کے کمزور ہونے کا مقصد ایسا صحیح اور درست ہے کہ آج تک کسی جگہ بھی خلاف نہیں ہوا۔

۱۳۳۔(۳) وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ پ۵ ع۱۶۔ انسان کا نفس بخل اور خود غرضی کے لئے حاضر کر دیا گیا ہے۔ یعنی یہ بات ہر عورت مرد کی طبیعت میں فطرۃً موجود ہے کہ وُہ اپنا نفع دوسرے کے فائدہ پر مقدم سمجھے۔

دُنیا کے تمام مرد اور عورتوں کا یہی حال ہے۔ یہاں تک کہ میاں بیوی کے تعلّقات بھی غرض کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جب ان دونوں میں کوئی شخص اپنی غرض کو پُورا ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا۔ تو وہ اس تعلّق کو توڑنے اور جُدا کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ یہی حال ماں باپ اور اولاد کا ہے۔ فریقین میں سے جن کی غرض حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ناراض اور رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح تمام جہان غرض کا بندہ ہے اور اسی کی قرآن میں خبر دی گئی ہے۔

۱۳۴۔۔۔(۴) وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ پ۵ ع۱۹ ۔اگرچہ تم ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔ درحقیقت یہ بات انسان کی طاقت اور قوت سے باہر ہے کہ وہ اپنی چند بیویوں میں سے ہر ایک بیوی کے ساتھ برابر اور مساوی درجہ کی محبت کیا کرے کیونکہ محبت کرنا انسان کی اختیاری چیز نہیں ہے۔ کسی عورت کی کوئی بات ایسی پسند آجاتی ہے کہ آدمی کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ محبت کے معاملہ میں ہر چھوٹا بڑا انسان طبعی طور پر مجبور ہے۔ رسُول خُدا صلعم اپنی بیویوں کے ساتھ برابر کا برتاؤ اور سلوک فرمایا کرتے تھے۔ لیکن تمام بیویوں میں خدیجہ الکبریٰ سے زیادہ محبت تھی۔ اور اُن کے بعد عائشہ صدیقہ سے۔ آپ عورتوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ الہٰی جو چیز میرے اختیار میں ہے۔ یعنی سب کو مساوی حقوق دینا۔ اس کو میں پوری طرح ادا کرتا ہوں۔ اور جو بات میرے قبضہ اور اختیار سے باہر ہے۔ یعنی محبت کی زیادتی اور دلی میلان اس میں باز پُرس اور مواخذہ نہ کرنا غرض دُنیا کا کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے۔ جو محبت کی کمی یا زیادتی میں خود مختار اور قابُو یافتہ ہو اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

۱۳۵۔۔۔(۵) وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد تمہیں فتنے میں ڈالنے والی چیزیں ہیں۔ ایک چور کی چوری اور ڈاکو کی رہزنی اگر ہوتی ہے تو انہی دونوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ظلم و ستم کرنا اور کسی کو ناحق مار ڈالنا بھی انہی کی محبت میں ہوتا ہے۔ جھُوٹ اور دغا بازی کی تہ میں اُسی کا راز چھُپا ہوتا ہے۔ سفر کی صعوبتیں اور غلامی کی ذلتوں کے برداشت کرنے میں اسی کی محبت کام کر رہی ہے۔ وطن عزیز کو چھڑانے والی اور دُور دراز ملکوں میں بیگانوں کے اندر پھنسانے والی یہی دو چیزیں ہیں۔ انہی دونوں کی وجہ سے انسان دُنیا کی تکلیفیں اُٹھاتا ہے اور اُنہی کے پیچھے آخرت کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے۔ ان دونوں کا فتنہ اس قدر عام ہیں۔ کہ دُنیا کا کوئی انسان اِن سے بچا ہوُا نہیں ہے اور اُسی کی قرآن میں خبر دی گئی۔

۱۳۶۔۔(۶) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ پ ۱۱ ۷ع۔ جب آدمی پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو اُٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں۔ تو پھر وہ اس طرح گذرتا ہے۔ گویا کبھی اُس نے ہمیں کسی تکلیف کو دفع کرنے کے لئے پکارا ہی نہ تھا۔ اس آیت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ انسان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وُہ خدا کو پکارتا ہے اور جب تکلیف دُور ہو جاتی ہے۔ تو وہ اپنے انجام کو بھول جاتا ہے۔ پھر وہ کبھی خدا کو بھولے سے بھی یاد نہیں کرتا۔ انسان کافر ہو یا مسلمان دیندار ہو کہ بد دین خدا کو ماننے والا ہو یا اس سے انکار کرنے والا کوئی ہو۔ جب وہ تکلیف اور مصیبت میں گھر جاتا ہے۔ اور کوئی راستہ خلاصی کا نظر نہیں آتا۔ تو پھر اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت خدا کے آگے التجا اور اسی سے فریاد کرتا ہے۔ اور جب مصیبت سر سے ٹل جاتی ہے۔ راحت و آرام میسّر ہو جاتا ہے تو اس کو انجام کا کوئی فکر نہیں رہتا۔ اور جس سوز و گداز اور درد بھری آواز میں مصیبت کے وقت خدا کو یاد کرتا تھا۔ وہ حالت بھی نہیں رہتی اور یہی مطلب اس آیت کا ہے وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ پ ۲۵ ۱ع۔ جب ہم انسان پر انعامات کرتے ہیں تو وہ ہم سے مُنہ پھیر کر چلتا ہے اور جب اُس کو کوئی مصیبت چھُولیتی ہے تو وہ بڑی لمبی چوڑی دُعائیں کرتا ہے۔

۱۳۷۔۔(۷) وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّیْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ پ ۱۲ ۲ع۔ جب ہم انسان کو تکلیف کے بعد راحت اور آرام دیتے ہیں۔ تو وہ بہت خوش ہوتا ہے اور فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب مصیبت کے دن مجھ سے ٹل گئے۔ یعنی انسان عیش اور آرام کے وقت مصیبت کے دنوں کو بھول جاتا ہے اور دولت کے نشہ میں مست ہو جاتا ہے۔ اس نشہ کی مستی کم و بیش تمام انسانوں کے سروں پر سوار ہوتی ہے۔ معمولی سی رقم جمع ہو جانے پر آدمی کے نفس میں بے اعتنائی اور ایک قسم کی بے فکری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کو قرآن شریف میں

فرح اور فخر کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا اس فیصلہ کے صحیح اور درست ہونے میں کوئی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۳۸۔(۸) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ پ۱۴ ع۷۔
انسان کو پانی کے ایک ذلیل قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن وہ بڑا جھگڑالو ہے۔ یعنی طاقت اور قوت کے وقت اِس کو اپنی کمزوری اور ضُعف کا خیال نہیں رہتا۔ راحت اور عیش کے دنوں میں وہ اپنی گذشتہ مصیبت کو بھول جاتا ہے۔ اس آیت میں انسان کی طبیعت کا کس طرح صحیح اندازہ لگایا گیا ہے۔ ادنیٰ یا اعلیٰ کسی طبقے کا انسان ہو۔ قوت کے زمانہ میں اس کو اپنی کمزوری کا احساس نہیں رہتا۔ بہت ممکن ہے کہ کوئی شخص اخلاقیات کی پابندی سے اس جذبہ کو کچھ دیر دبائے رکھے۔ لیکن ایک نہ ایک وقت اس کا اثر ضرور ہو کر رہتا ہے۔

۱۳۹۔(۹) يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ پ۱۵ ع۲۔
انسان جس طرح خیر کی دُعا کرتا ہے۔ اسی طرح وہ کبھی اپنے لئے شر کو مانگتا ہے۔ جب انسان مُصیبت میں گھر جاتا ہے اور اس سے چھٹکارا کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ تو اس مایوسی کے عالم میں وہ جان دینے پر تیار ہو جاتا ہے اور خُدا تعالیٰ سے اپنے مر جانے کی دُعائیں کرتا ہے۔ یعنی اس میں تحمّل اور برداشت کی زیادہ طاقت نہیں رہتی تکلیف کے دور ہونے میں معمولی دیر ہو جانے سے گھبرا اُٹھتا ہے اور زندگی سے تنگ آکر مرنے کی آرزو کرنے لگتا ہے۔ بالکل صحیح ہے۔ تمام دُنیا کے انسانوں کا یہی حال ہے۔ ذوق کہتا ہے

؎ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے۔ مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔

۱۴۰۔(۱۰) وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا پ۱۵ ع۲۔ انسان بڑا جلد باز ہے۔ یعنی انسان کسی کام کے عواقب اور انجام پر نظر نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر کام کو بے سوچے سمجھے جلدی سے کرنا یا دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر عقل کی احتیاط اور اُس کی دُور اندیشی انسان کے ساتھ نہ ہوتی۔ وہ جلد بازی سے ہر کام خراب کر دیا کرتا۔ لیکن باوجود اس روک تھام کے پھر بھی طبیعت کا تقاضا اس کو جلدی کرنے پر کبھی نہ کبھی مجبور کر دیتا ہے۔ دُنیا کا ہر ایک انسان اسی مرض میں مبتلا ہے اور یہی قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔

۱۴۱۔۔۔(۱۱) وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا پ۱۵ ع۱۲۔ انسان کی طبیعت میں بخل ہے یعنی جس طرح بخیل فقر و فاقہ اور احتیاج کے ڈر سے پیسہ کو روک رکھتا ہے اور خرچ نہیں کرتا۔ ہر انسان میں کم وبیش یہ خصلت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صبح کا کھانا شام کے لئے اور شام کا صبح کیواسطے جمع کر کے رکھتا ہے۔ خدا کو رزاق اور روزی رساں کہتا ہے۔ لیکن اس پر پورا بھروسہ اور پختہ اعتقاد نہیں رکھتا۔

اور اگلے وقت کے لئے اندوختہ جمع کرنے کے فکر میں لگا رہتا ہے۔ دُنیا میں ایک آدمی بھی ایسا نظر نہ آئے گا۔ جس میں یہ عادت نہ پائی جاتی ہو۔

انسان کیسا ہی زاہد اور تارک الدُّنیا ہو۔ مگر یہ خصلت کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو کر ضرور رہتی ہے۔

۱۴۲۔۔۔(۱۲) وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا پ۱۵ ع۷۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ اِس کی ہزار آرزوئیں پوری کردی جائیں۔ مگر پھر بھی شُکر کے الفاظ اس کی زبان پر نہیں آتے۔ اور اگر کسی نے مذہبی تعلیم کے اثر سے کچھ شُکر ادا بھی کر لیا۔ تو وہ خُداوندی نعمتوں کے مقابلہ میں کسی شمار ہی میں نہیں آسکتا۔ پھر ہر نعمت کا شُکریہ جُدا گانہ ہے۔ تندرستی کا شکر کمزور اور ضعیفوں کی مدد کرنا ہے۔ اور دولتمند ہونے کا شکرانہ غریبوں اور محتاجوں کی خبر لینا ہے۔ اس طرح کا شُکر کس سے ادا ہو سکتا ہے۔

قطعہ:۔

ہُماں بہ کہ زتقصیرِ خویش۔ عذر بدرگاہِ خُدا آورد
ورنہ سزاوارِ خُداوندیش۔ کس نتواند کہ بجا آورد

۱۴۳۔۔۔(۱۳) وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا پ۱۵ ع۲۰۔ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

درحقیقت انسان بڑا حُجتی واقع ہوا ہے۔ جانتا ہے کہ خُدا تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ خدائی کاموں کے سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے۔ لیکن وہ خُدائی کاموں میں دخل دیئے بغیر نہیں رہتا۔ زمین کیوں بنائی آسمان سات کیوں بنائے۔ ہوا کس لئے چلی۔ اس وقت بارش کیوں ہوئی۔ اس طرح کی سینکڑوں حجتیں ہیں۔ جو انسان خُدا

کے کاموں میں نکالتا رہتا ہے اور یہی اُس کے حُجّتی ہونے کی دلیل ہے۔

۱۴۴۔۔۔(۱۴) وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ پ۱۸ ع۱۰۔ عورتیں زمین پر اس خیال سے پاؤں نہ ماریں کہ اس سے اِن کی وہ زینت ظاہر ہو جائے۔ جس کو اُنہوں نے چھپا رکھا ہے۔ یعنی پازیب اور جھانجن وغیرہ کی جھنکار سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کریں۔ اس آیت میں عورتوں کے ایک فطری جذبہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت اپنی خوبصورتی اور زینت کو ظاہر کر کے بہت خوش ہوتی ہے اور اُس کا ثبوت یہ ہے کہ دُنیا کی تمام عورتیں اپنی طاقت اور استطاعت کے موافق بناؤ سنگھار کا شوق رکھتیں ہیں۔ جس کو دیکھئے وہ زیور اور لباس کی شوقین زیب و زینت کے دوسرے سامانوں کی دلدادہ ہے۔ معمولی ملاقات اور سیر و سیاحت کے وقت عمدہ اور نفیس لباس اور زیور پہننے کی خواہش مندرہتی ہے۔ اپنی خوبصورتی کو خود بھی پسند کرتی ہے اور دُوسرے سے تعریف سُن کر خوش ہوتی ہے۔ عورتوں کے اس فطری جذبہ کا ایسا صحیح اندازہ لگانا خُدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

۱۴۵۔۔۔(۱۵) ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ پ۲۴ ع۲۔ جب انسان کو محتاجی کے بعد ہم اپنی مہربانی سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں۔ تو وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ دولت اپنے ہُنر کے زور سے حاصل کی ہے۔ یعنی خودپسندی اور غرور کی وجہ سے اندھا ہو جاتا ہے اور اُس کو منعم حقیقی احسان کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ تمام انسانوں میں انانیت اور مَیں موجود ہے۔ اسی وجہ سے دُنیا کے کاروبار میں تدبیر کا حِصّہ زیادہ سمجھا جاتا ہے اور کارساز مطلق کی ان کارفرمائیوں کو نہیں دیکھا جاتا جس نے اِن تدبیروں کو مفید اور کارآمد بنایا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ تدبیریں دراصل ظاہری بہانہ ہیں اور اس میں جو کچھ کامیابی نظر آرہی ہے وہ اسی مختار کل کے احسانات کی رہین منّت ہے۔ اگرچہ بعض آدمی مذہبی تعلیم سے متاثر ہو کر یا عقل رسا کی رہبری سے خُدا کو کارساز مطلق مان لیتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل تدابیر ہی سے مطمئن ہوتے ہیں اور وہ اُنہی کو مفتاحُ الفرج اور کُشادگی کی کُنجی خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کم و بیش یہ جذبہ تمام انسانوں میں موجود

ہے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

۱۴۶ــ(۱۶) لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـــُٔوْسٌ قَنُوْطٌ پ۲۵ ع۱۔ انسان خیر کے مانگنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اگر اُس کو کوئی تکلیف، پہنچ جاتی ہے۔ تو پھر یہ بالکل مایُوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں انسان کی دو طبعی اور فطری خصلتیں بیان کیں ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ انسان کا پیٹ کبھی خیر سے نہیں بھرتا۔ اس کے پاس خواہ کتنی ہی دولت جمع ہو۔ اور عیش و آرام کے لئے ہر طرح کا سامان مہیّا ہو۔ لیکن اُس کی حاجتیں کبھی ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ اور ہر وقت ایک نہ ایک حاجت کا سوال خُدا سے کرتا رہتا ہے اور جن کو ہم متوکل سمجھتے ہیں۔ اُن کے ساتھ بھی خُدا طلبی کا ذوق و شوق مدارج سلوک کے طے کرنے کی حاجت لگی ہوئی ہے۔ غرض انسان کا کوئی فرد بھی اس عادت سے بچا ہُوا نہیں اور یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ انسان مال و دولت سے محبت رکھتا ہے۔ دوسری بات جو اس آیت میں ذکر کی گئی۔ وہ یہ ہے کہ انسان مصیبت میں گھِر کر خُدا کی رحمت سے بالکل مایُوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے۔ یہ خصلت بھی تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب انبیاء علیہم السّلام دُشمنوں کے نرغے میں پھنس جاتے اور خُدا کی مدد آنے میں ذرا دیر ہو جاتی۔ تو مایُوسی کے آثار ان پر بھی ظاہر ہونے لگتے تھے۔ اس طرح دُنیا کا کوئی آدمی بھی اس خصلت سے بچا ہُوا نہیں ہے اور اسی کی قرآنِ عزیز نے خبر دی ہے۔

۱۴۷ــ(۱۷) اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا پ۲۹ ع۷۔ انسان میں پیدائشی طور پر حرص اور بے صبری پائی جاتی ہے۔ جب اُس پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو یہ گھبرا جاتا ہے اور جب اُس کو مال و دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ تو اُس کو روک کر خرچ کرتا ہے۔

یعنی ہر انسان میں حرص اور بے صبری موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مصیبت اور تکلیف کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ معمولی تکلیف کے واقع ہونے سے اُس کے دل میں بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کو خُدا کا بھروسہ نہیں رہتا۔ اور جب

اس پر راحت اور آرام کے دن آتے ہیں۔ اور کچھ دولت جمع ہو جاتی ہے۔ تو فقر وفاقہ اور محتاجی سے ڈر کر اُس کو خرچ نہیں کرتا اور سوچتا ہے کہ اگر میں نے آج خرچ کر دیا۔ تو کل یہ دولت میرے پاس کہاں سے آئے گی۔

یہ خصلت کم وبیش تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ جو لوگ دل کے غنی اور طبیعت کے سخی ہوتے ہیں ان دونوں خصلتوں کا اثر ان میں بھی موجود ہوتا ہے۔ زیادہ نہ سہی تھوڑا ہی سہی۔ مگر ہوتا ضرور ہے اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

۱۴۸ (۱۸) كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ أَن رَّءَاهُ ٱسْتَغْنَىٰٓ۔ انسان جب اپنے آپ کو مستغنی اور بے پرواہ دیکھتا ہے تو وہ اکڑتا اور سرکشی کرتا ہے۔

یعنی اہلِ ثروت ہونے کے بعد انسان کی طبیعت میں ترفع اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا پتہ اُس وقت چلتا ہے کہ جب اس سے کم حیثیت کا آدمی اس کے برابر بیٹھ جاتا ہے۔ تو اُس کے دل میں کراہیت اور تنفر پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ زبان سے کچھ نہ کہے۔ لیکن اُس کا دل مساوی برتاؤ ہونے کے لئے رضا مند نہیں ہوتا پھر یہ ترفع بعض طبائع میں نخوت اور غرور تک پہنچ جاتا ہے اور کوئی تکبر اور سرکشی میں ایسا بڑھ جاتا ہے کہ اپنی رائے کے مقابلہ میں خدا اور رسُول کے فیصلوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ اُن کو ٹھکراتا اور اُن کے ماننے سے انکار کرتا ہے۔

اگرچہ ریاضت اور مجاہدے کر کے اور نفس کُشی کے ذریعہ سے اس عادت کو مغلوب کر لیا جاتا ہے۔ مگر اُس کی اصل اور جڑ پھر بھی نہیں جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں اور جنگ کے موقعہ پر ہر شخص ترفع اور بڑائی کا استعمال کرنا اچھا اور محمود سمجھتا ہے۔ یَا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تَوَفَّنِیْ عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ۔

بابٌ فی ذکرِ خصائصِ الاعمال و آثارھا

اس باب میں اُن چیزوں کا بیان ہے۔ جن میں بعض اعمال کے آثار اور خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے اور وہ اثرات اسی شکل میں پائے جاتے ہیں جس طرح قرآن عزیز میں خبر دی گئی ہے۔ باوجودیکہ وہ افعال اور اُن کے نتیجے ایسے نہیں ہیں۔ جن کے متعلق یہ کہا جائے کہ شاید اُن کا علم تجربہ کے بعد حاصل ہوا ہو۔ لیکن پھر بھی وہ خبریں ایسی پختہ اور صحیح ہیں کہ آج تک کبھی اُن کا خلاف نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ کسی عمل میں کوئی نیک و بد اثر پیدا کر دینا۔ انسان کا کام نہیں ہے۔ یہ اُسی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے آگ میں جلانے اور پانی میں بجھانے کی طاقت رکھی ہے۔ ایسی خبروں میں سے ایک خبر یہ ہے۔

۱۲۹ (۱) وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلَاقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پ۱ ع۵۔ جن لوگوں کے دل میں آخرت کا ڈر ہے اور وہ جانتے ہیں۔ کہ ہمیں ایک روز خُدا کے پاس جانا ہے۔ عاجزی اور خشوع اُن کے دل میں پایا جاتا ہے۔ اُن کو نماز میں لذّت آتی ہے اور جنمیں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ اُن کو نماز کا پڑھنا گراں معلوم ہوتا ہے۔

درحقیقت جس قدر عمل صالح اور ایمان کی کمی ہوتی ہے۔ اسی درجہ نماز میں بے توجہی پائی جاتی ہے۔ دل میں دُنیا کے وساوس اور خطرات زیادہ آتے ہیں۔ عمل میں اخلاص اور خُدا کے ساتھ حضوری نصیب نہیں ہوتی۔ دل اُچاٹ رہتا ہے۔ عبادت کی لذّت اور اُس کے ادا کرنے کا ذوق و شوق حاصل نہیں ہوتا۔ گناہوں سے نفرت اور باطن کی صفائی جو نماز پڑھنے کا اثر اور نتیجہ ہے حاصل نہیں ہوتی۔ اسی مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

اَلْمُؤمِنُ فِی الْمَسْجِدِ کَالسَّمَکِ فِی الْمَاءِ وَالْمُنَافِقُ فِی الْمَسْجِدِ کَالطَّیْرِ فِی الْقَفَصِ۔ مومن نیک عمل مسجد میں آکر ایسا خوش رہتا ہے جسطرح

مچھلی پانی میں منافق اور بدعمل مسجد میں ایسا گھبراتا ہے۔ جیسے جانور پنجرے میں پھنسکر باہر نکلنے کے لئے تڑپتا ہے۔ یعنی متقی اور پرہیزگار آدمی کا عبادت میں دل لگتا ہے۔ اور لذت آتی ہے۔ گنہگار کو عبادت کرنی گراں اور اُس کی طبیعت پر اُس سے بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کسی عمل میں کبھی نیک دبد اثر پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

۱۵۰ (۲) زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا پ۲ ع ۱ ۔ کفاروں کی نظر میں دُنیا کی زندگی محبوب اور پسندیدہ بنادی گئی ہے۔ خدا کی زمین پر جس قدر کافروں کی جماعتیں اور ان کے گروہ آباد ہیں۔ وہ سب کے سب دُنیا کی زندگی کو سنوارنے اور اُس کا سازوسامان جمع کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اعمال اور اخلاق کی درستی اور خدا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرنا اور روحانیات کی ترقی اُن کے نزدیک فضول اور بے فائدہ چیزیں ہیں۔

کافروں میں سے جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے۔ اُن کا کوئی نیک عمل کرنا یا اپنے مذہب کے موافق عبادت اور ریاضت کرنا محض اس خیال سے ہوتی ہے کہ تناسخ اور اواگون کے اصول پر اگلی زندگی مصائب اور آلام سے پاک ہو جائے۔ انسانی جُون ملے اور کسی راجہ کے گھر پیدا ہو جائیں۔ یا کم از کم مہاجن اور مالدار بن جائیں۔ نفسانی امراض کو دُور کرنے اور باطن کو سنوارنے یا خدا کو خوش کرنے کے لئے ان میں ایک آدمی بھی نیکی کا کام نہیں کرتا۔ اور اُن میں سے جو قومیں مرنے کے بعد عالم آخرت کے قائل اور خدا کے سامنے حاضر ہونے کے معترف ہیں۔ اُن کی عبادت گذاری یا تو رسمی طور پر ہوتی ہے یا وہ عبادت اور ترک دُنیا کو مال و دولت کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ نفس کی اصلاح کا خیال اور خداطلبی کا سچا جذبہ اُن میں بھی موجود نہیں ہوتا۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

۱۵ (۳) سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا

غَافِلِيْنَ پ ۹ ع ۷۔ یعنی خدا کی آیتوں کو جھٹلانے اور اُن سے غافل رہنے کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں سے حق بات کے قبول کرنے کی صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ ہزار وہ سچائی کی نشانیاں دیکھیں۔ ہدائیت اور نیکی کا راستہ معلوم کریں۔ مگر وہ کبھی اُس کو اختیار نہیں کرتے۔ اور اگر بدی اور گناہ کا کام اُن کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اُس کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ زمین و آسمان کے مالک کو چھوڑ کر دوسرے سے اپنی حاجتیں مانگنا۔ مخلوق کو خالق سے ملانا توہّمات کے پیچھے لگے رہنا۔ حق کو جان لینے کے باوجود اُس کے تسلیم کرنے سے انکار کرنا۔ اُس کے کج فہم ہونے کی صریح دلیل ہے۔ اس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ جب انسان گناہوں میں مشغول اور منہمک ہو جاتا ہے تو اُس کی طبیعت میں گناہ کی لذّت اور بدی کے ساتھ اُنسیّت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نیکی کے کام سے اُس کو لگاؤ نہیں رہتا۔ جس طرح وہ شخص جس کے مزاج میں صفرا کا غلبہ اور پت کا زور ہو۔ اُس کو میٹھی چیز کڑوی اور تلخ شے مزیدار معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہدائیت اور نیکی کا راستہ بداطوار اور بُرے عمل والوں کو پیچ در پیچ اور خراب دکھائی دیتا ہے۔ کم فہمی اور ناسمجھی کی وجہ سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ سمجھنے لگتا ہے۔ احکام الٰہی اور اسلامی اصُول کے انکار کرنے سے صحیح فہم کا جاتا رہنا۔ اور حق بات کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہنا۔ اُلٹی سمجھ ہو جانا خُدا کی طرف سے ہے۔ انسان کو ان چیزوں کے پیدا کرنے میں کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔

۱۵۴ (۴) وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً پ ۱۴ ع ۱۹۔ جو مسلمان مرد عورت نیکی کے کام کرے گا۔ اُس کو ہم بیفکری کی زندگی عنائیت فرمائیں گے۔ مال و دولت اور جاہ و ثروت کے جمع ہونیکا نام عیش نہیں ہے۔ اصل میں عیش بے فکری اور دل کی فراغت اور خوشی کو کہتے ہیں۔ جس چیز سے دل کو راحت اور اطمینان نصیب ہو۔ عیش کے سامانوں میں اس سے بڑھ کر کوئی دوسری شے نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک شخص دُنیا میں بڑی دولت کا مالک ہے۔ لیکن فکرات بھی اُس کو ہزاروں ہی چمٹے ہوئے ہیں۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں

میں اُسے چین اور آرام لینے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس کے لئے وہ عیش نہیں ہے بلکہ وہ سخت مصیبت ہے۔ مصرعہ۔ انانکہ غنی تراند محتاج ترند۔

درحقیقت عیش میں وہ ہی شخص ہے جس کو دولت نہ ملنے سے رنج نہ ہو۔ اور اگر مل جائے تو اُس کے چلے جانے کا غم نہ ہو۔ ہر حالت میں وہ خوش رہے۔ نہ مصیبت سے گھبرائے اور نہ عیش کے وقت اپنی ہستی کو بھولے۔ اسی کا نام اعلیٰ درجہ کی زندگی ہے اور اسی کو حیٰوۃ طیبہ کہتے ہیں۔ یہ حالت اُنہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جو احکام شرعیہ کے پابند اور متقی پرہیزگار ہوتے ہیں۔ اور اُسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

۱۵۳ـــ(۵) وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا پ۱۵ ۱۰ع۔ ہم نے کافروں کے دلوں پر غفلت اور تاریکی کے پردے ڈال دیئے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ قرآن کے صحیح معنی نہیں سمجھتے۔ اور اُن کے کانوں کو بوجھل کر دیا ہے۔ اسی لئے وہ حق بات نہیں سُنتے۔

یعنی کفر کرنے کی وجہ سے انسان کے دل پر غفلت کے ایسے پردے پڑ جاتے ہیں کہ وہ قرآن عزیز کے اصلی اور صحیح معنی نہیں سمجھتا جب سمجھتا ہے۔ اُلٹے اور غلط معنی ہی سمجھتا ہے اور قرآن کی اصلی مراد کو اپنی سمجھ سے کبھی نہیں پاتا۔ اور نہ حق بات سُننا گوارا کرتا ہے۔ کج فہمی اور حق سے گریز کرنا۔ یہ دونوں نفسانی عیب ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہ عیب انسان میں اُس وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جب وہ خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی اور اُن کے احکام کے ماننے سے انکار کرتا ہے۔

تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ آج تک کافروں نے جتنے اعتراضات قرآن عزیز پر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک اعتراض ایسا نہیں ہے۔ جو حقیقتِ حال سے واقف ہو کر اور قرآن کی صحیح مُراد سمجھ کر کیا ہو۔ جو معنی اور مطلب مسلمانوں کے نزدیک مسلّم اور مانے ہوئے ہیں یا کم از کم مسلمانوں میں سے کسی لائق اور زبردست عالم نے وہ معنی بیان کئے ہیں۔ ایسے مفہوم پر کافروں کا اعتراض مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ

ناسمجھی اور کج فہمی کی وجہ سے اُس کے معنی غلط سمجھ کر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اعتراض ہمیشہ دو ہی وجہ سے ہوُا کرتا ہے۔ سمجھ کر یا ناسمجھی سے۔ جو لوگ عالم سمجھدار اور اپنے فن کے مسلّمہ اُستاد ہوتے ہیں۔ اس شے کے اطراف وجوانب سے اچھّی طرح واقف اور باخبر ہونے کی وجہ سے جب اُن کو بلحاظ اپنے ہنر کے اس میں کوئی نقص یا عیب نظر آتا ہے تو وہ اُس پر رد کرتے ہیں۔ اور اُس کو قبول نہیں کرتے جو لوگ کسی فن سے واقف نہیں ہوتے۔ اور حقیقت حال سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ اُن کا اعتراض ہمیشہ ناسمجھی اور کم فہمی کی وجہ سے ہوُا کرتا ہے۔ کفّار بھی قرآن عزیز پر ناسمجھی کی وجہ سے معترض ہوتے ہیں۔ اگر اُن کو حقیقت کی خبر ہو جائے۔ تو وہ اُس کو ماننے سے کبھی انکار نہ کریں۔

غرض دُنیا کی کتابوں میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جس کی مُراد کے سمجھنے میں کافر اور مسلمان ایک دوسرے سے بالکل جُدا ہیں۔ باوجودیکہ اِس کے الفاظ سادہ اور معنی ظاہر اور واضح ہوتے ہیں۔ مگر اُس کی عبارت کا جو مطلب مسلمان سمجھتا ہے۔ کافر اُس کی گرد تک بھی نہیں پہنچتا۔ اور جو معانی اور مطالب ایک دیندار مسلمان کے ذہن میں آتے ہیں۔ ایک فاسق اور گنہگار مسلمان کو اُس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ اور اسی کی قرآن میں خبر دی گئی ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے۔ یَهۡدِیۡ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ سے اُنہی لوگوں کو ہدائیت دیتا ہے جو اُس کی رضامندی پر چلتے ہیں۔

۱۵۴۔(۶) اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فَهُمۡ یَعۡمَهُوۡنَ پ۱۹ ع۱۶۔ جو لوگ یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہم نے ان کے اعمال اُن کی نظروں میں اچھے کر کے دکھلا دیئے ہیں۔ اسی واسطے وہ اپنے خیال پر اڑے ہوئے ہیں۔ اور حق کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ دُنیا میں ہزاروں ہی مذہب ہیں اور ہر مذہب والا اپنے خیالات کو صحیح اور دوسروں کو جھُوٹا سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ باوجود تصادم اور اختلاف رائے کے دُنیا کا ہر ایک مذہب سچّا نہیں ہو سکتا۔ اگر آدمی کو اپنے اعمال اور عقائد کی غلطی خود بخود معلوم ہو جاتی۔ تو دُنیا میں ہزاروں مذہب

کبھی پیدا نہ ہوتے۔ اس لئے معلوم ہؤا کہ درحقیقت جھوٹا بھی اپنے طریقہ کو سچا اور اپنے خیال میں مست ہے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

۵۵ــ(۷) اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْکَرِ پ ۲۱ ع ۱۔ نماز گناہ کے کاموں اور غیر مشروع باتوں سے روکتی ہے۔ اگر نماز کو دل لگا کر اخلاص اور خشوع کے ساتھ پڑھا جائے تو بے شک وہ گناہوں سے روکنے والی چیز ہے۔ ظاہر میں اُٹھنے بیٹھنے کا نام نماز نہیں ہے بلکہ جب تک اخلاص اور دل بستگی میسر نہ ہو۔ نماز کی روح اور اس کی حقیقت قائم نہیں ہوتی اور نہ اس کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ دوسرے نماز کا یہ اثر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب نماز کے شروع کرنے کے وقت کچھ دن گناہوں سے پوری احتیاط کی جائے۔ جس طرح دوا کا اثر ظاہر ہونے کے لئے نقصان دینے والی چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے جب تک پرہیز نہ کیا جائے۔ دوا کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی طرح نماز کے فائدے اسی وقت حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کی ابتداء کرنے کے زمانہ میں چند روز گناہوں کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جس بے توجہی کے ساتھ آج کل نماز پڑھی جاتی ہے اگرچہ درحقیقت وہ نماز نہیں ہے پھر بھی اس فائدے سے خالی نہیں ہے ایک نمازی کھلم کھلا اور سب کے سامنے گناہ نہیں کرتا۔ اس کی نظر میں کچھ نہ کچھ گناہ کی برائی ضرور ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اس کو چھپ کر اور پردہ کے پیچھے کرتا ہے۔ اور نماز نہ پڑھنے والا گناہ کے کاموں میں جری اور دلیر ہوتا ہے اور گناہ کرتے ہوئے کسی سے پردہ نہیں کرتا۔ اور جب اس کی بداعمالی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو گناہ کی برائی اس کے دل سے محو ہو جاتی ہے اور اس کام کو عیوب نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس کو فخریہ کرتا ہے۔

کسی عمل میں کوئی اثر پیدا کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔ یقیناً یہ خدا تعالٰی کا کام ہے۔

۵۶ــ(۸) وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ ـ پ ۲۵ ع ۱۰۔ جو خدا کے ذکر سے منہ موڑے۔ اور اندھا بن جائے۔ ہم

اس پر شیطان کو قابو دے دیتے ہیں۔ وہ اُس کا ہر وقت کا ساتھی اور قرین بن جاتا ہے۔ خُدا کے ذکر سے اندھا بن جانے کے یہ معنی ہیں کہ وہ احکام الٰہی کی پابندی نہیں کرتا۔ قرآن عزیز کے فیصلوں پر نہیں چلتا۔ ایسے شخص کے دل میں شیطان ہمیشہ وسوسے اور شُبہات ڈالتا رہتا ہے۔ اس کا دل شرعی فیصلوں پر مطمئن نہیں ہوتا نہ عبادت میں اُس کا دل لگتا ہے قرآن عزیز کے معانی اور مطالب کے سمجھنے کے وقت شکوک اور شبہات میں مبتلا رہتا ہے۔ نہ اُس کا دل قرآن حکیم کی تلاوت کرنے کو چاہتا ہے۔ اور نہ اُس کے معانی پر غور کر کے اُن پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ غرض کسی نیکی کے کام کی طرف اُس کے دل میں رغبت نہیں رہتی۔ جو کچھ فرمایا گیا۔ وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ ایک فاسق اور بداعمال مسلمان کا یہی حال ہے۔ معصیت اور گناہ کے کام پر ایسا اثر مرتب کرنا۔ خُداتعالیٰ کے سوا دوسرے کا کام نہیں۔ رَبنا اتمم لنا نورنا وَاغفرلنا ذنوبنا انك علیٰ كُلِّ شيیٍٔ قدیر۔

باب خصوصیات القرآن وظہورہا حسب ما اخبر بہا

قرآن شریف کی ان خصیتوں کا ذکر جن کے متعلق یہ خبر دی گئی ۔ کہ اس کی فلاں فلاں خصوصیت ہے اور وہ اس طرح پائی جاتی ہے ۔ جیسا کہ قرآن میں خبر دی گئی ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے کلام میں خاص قسم کا اثر اور خصوصیت پیدا نہیں کر سکتا ۔ یہ ربُّ العزت ہی کا حصہ ہے ۔ اس لئے ایسی خبریں یقیناً خُدائی خبریں ہیں ۔ اور ان میں سے ایک خبر یہ ہے ۔

۱۵۷ ـــ (۱) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ
ہم نے قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے ۔ کیا کوئی یاد کرنے والا ہے ۔ دُنیا میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے ۔ جس کا یاد کرنا آسان ہے ۔ سینکڑوں حافظ بچّے سے لے کر بوڑھے تک موجود ہیں ۔ اور بہت سے حافظ ایسے ہیں جو اُس کو ایک سال کے بعد اُٹھا کر دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی نہیں بھولتے اور اُس کو ازبر سُنا دیتے ہیں ۔ اتنی ضخامت والی کتاب کا یاد کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور پھر اُس کو ایک دفعہ یاد کر کے مُدّتوں نہ بھولنا ۔ انسان کی طاقت سے باہر ہے ۔ اوّل تو دُنیا کی کوئی ایسی ضخیم کتاب یاد نہیں ہوتی ۔ اور یاد کرنے کے لئے بڑی محنت اُٹھانی پڑتی ہے اور اگر یاد بھی ہو جائے تو وہ دیر تک محفوظ نہیں رہتی ۔ قرآن عزیز میں ایسی بات پیدا کرنی خُدا تعالیٰ ہی کا کام ہے ۔

۱۵۸ ـــ (۲) وَلَا يَزِيدُ الظّٰلِمِينَ اِلَّا خَسَارًا پ ۱۵ ع ۵ ۔ قرآن مجید کافروں کو ٹوٹے اور خسارے میں ڈالتا ہے ۔ کفّار اِس کو پڑھ کر اس لئے خسارے میں رہتے ہیں کہ وہ اُس کی تعلیم کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے ۔ جہالت اور گمراہی میں پھنسے رہنے کی وجہ سے اُس کے بیانات کو غلط اور اُس کے مضامین کو غیر صحیح خیال کر کے شکوک اور شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ اس طرح اُن کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچ جاتا ہے ۔ اور قرآن کے انکار کرنے کی وجہ سے آخرت کی سزا اس کے علاوہ رہتی ہے ۔

دُنیا کی کتابوں میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے ۔ جس کا اثر کفّار اور گنہگاروں

کے حق میں اور ہے۔ اور مسلمان دینداروں کے لئے اور انسان اپنے کلام میں کبھی یہ بات پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ خُدا کا کلام ہے۔

۱۵۹۔۔۔(۳) حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ رسُول خُدا صلعم سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نے ایک روز یہ ارشاد فرمایا۔ قرآن مجید بار بار پڑھنے اور تلاوت کرنے سے پُرانا نہیں ہوتا۔ اور نہ اِس کی نصیحتیں تمام ہوتی ہیں۔ اور نہ اُس کے عجائبات ختم ہونے میں آتے ہیں۔

پُرانا نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح دُنیا کی ایک کتاب کو اچھی طرح غور سے پڑھ لینے کے بعد دوبارہ ہاتھ لگانے کو جی نہیں چاہتا۔ اور اُس کے مضامین سے واقف ہونے کے بعد اُس کا پڑھنا دل پر شاق اور گراں گذرتا ہے۔ اس طرح قرآن کا حال نہیں ہے۔

جس قدر کثرت سے قرآن عزیز کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اسی قدر شوق میں زیادتی اور رغبت میں ترقّی پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات دُنیا کی کسی کتاب کو میسّر نہیں ہے۔

اسی طرح حکمت اور نصیحت کی کتابوں سے ہر مرتبہ وہ ہی مضامین ذہن میں آتے ہیں۔ جو الفاظ سے سمجھ آ رہے ہیں۔ مگر قرآن عزیز کا حال اس سے بالکل ہی جُدا ہے۔ ہر مرتبہ بغور تلاوت کرنے سے قلب کی صفائی شکوک اور شبہات کا ازالہ اور طبیعت پر نصیحتوں کا خاص اثر ہوتا ہے۔ نئے نئے لفظوں کا انکشاف دقیق اور باریک باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ غرض قرآن عزیز عجائبات کا ایک غیر متناہی خزانہ ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ انسانی کلام میں سے کسی کو بات نصیب نہیں ہے۔ ایسا عجیب اثر رکھنے والا کلام خُدا کے سوا دوسرے کا نہیں ہو سکتا۔

۱۶۰۔۔۔(۴) جب ہم اس کلام کو انسانی کلام کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں۔ تو وہ قرآن کی روانی۔ سلاست اور سادگی کے مقابلہ میں ٹھہرتا ہوا نظر نہیں آتا اور دونوں کلاموں میں زمین آسمان کا فرق صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ قرآن کریم کے ساتھ پیغمبر خُدا صلعم کے کلام کو پڑھنے سے طبیعت خود بخود گواہی دیتی ہے کہ یہ دونوں کلام ایک کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک کا مصنف اور بنانے والا جُدا جُدا ہے۔ رسُول اللہ صلعم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو جو گرامی نامہ ارسال کیا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق

اسلامی عقیدہ کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدمؑ کی طرح بے باپ کے ہوئی ہے۔ مریم علیہا السلام کے پیٹ سے لفظ کُن یا ارادۂ خداوندی کے ساتھ بغیر کسی ظاہر سبب کے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی مضمون کو قرآن میں یوں ادا کیا گیا ہے۔ دونوں کا فرق ملاحظہ ہو۔

قرآن شریف	حدیث شریف
اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (سورۃ النساء)	وَاشهد ان عیسیٰ بن مَرْيَمَ رَوحُ اللّٰہ وکلمتہ القاھا الٰی مَرْیَمَ الطیبۃ البتول الحصینہ فحملت بعیسیٰ مخلقۃ من روحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہٖ ونفخہٖ۔

معمولی غور کرنے کے بعد ان دونوں کلاموں میں زمین آسمان کا فرق نظر آرہا ہے۔ اختصار کے ساتھ جو روانی سلاست اور کلام کا زور قرآن مجید میں موجود ہے۔ حدیث نبوی صلعم میں اُس کا دسواں حصہ بھی نہیں پایا جاتا۔ سُبحانہٗ اعظم شانہٗ۔ پھر یہ کہنا کس طرح مناسب ہے کہ قرآن عزیز محمد صلعم کی بنائی ہوئی کتاب ہے۔ حَاشَ لِلّٰهِ اِنْ هٰذَا اِلَّا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔

۱۶۱ (۵) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (یونس) انسانو تمہارے پاس خُدا کی طرف سے وعظ اور اُس کی نصیحت آگئی ہے جو روحانی امراض کا علاج بھی ہے۔ قرآن عزیز کا وعظ اور نصیحت ہونا تو اُس وقت ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے معانی اور مطالب کو سمجھ لیا جائے۔ لیکن امراض قلبیہ کے دور کرنے کے واسطے اُس کے صرف الفاظ ہی کافی ہیں۔ گناہوں کی رغبت بداعمالی کا شوق قرآن عزیز کی بکثرت تلاوت کرنے سے جاتا رہتا ہے دُنیا کی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ جس کے الفاظ پڑھنے سے بغیر اُن کے معانی سمجھے ہوئے روحانیت میں اسقدر نمایاں ترقی پیدا ہو۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ خُدا ہی کا کلام ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ لَنَا هَادِيًا وَّشَفِيْعًا۔

باب تعجیز الانسان و تبکیتہ فیما ادعاہ

یہود اور نصاریٰ یا مشرکین میں سے جس جماعت نے کسی بات کا دعویٰ کیا۔ اُس کی قرآن مجید میں پُرزور تردید کرتے ہوئے اُن سے اِس بات کا ثبوت مانگا گیا۔ مگر وہ اس کے پیش کرنے سے آخر وقت تک عاجز رہے۔ باوجودیکہ نبی کریم صلعم توریت اور انجیل کی تعلیم سے واقف نہ تھے اور مخالفین نے اپنے خیال کی دُنیا میں اچھّی طرح اشاعت کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے اصلیّت کا پتہ چلانا ایک ہوشیار مؤرخ کے لئے بھی نہائیت مشکل امر تھا۔ مگر رسُول اللہ صلعم نے بے خبری اور لاعلمی کے ہوتے ہوئے اصل واقعہ کے متعلق جو بات پیش کی اُس کو مخالفین میں سے کوئی بھی رد نہ کر سکا۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محمّد صلعم نے جو کچھ فرمایا۔ وہ خُدا سے فیض پاکر فرمایا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ اس قسم کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔

۱۶۲ (۱) جب[۱] قرآنِ عزیز کا مقابلہ کرنے کے لئے فصحاء عرب کو دعوت دی گئی۔ اور اُن سے بار بار مطالبہ کیا گیا کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مانند کلام بنا کر پیش کرو اور اُنہوں نے اس مقابلہ میں اپنے آپ کو بے بس اور عاجز پایا تو خفت دور کرنے کے لئے یہ کہا۔ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ۔ اگر ہم چاہتے تو ایسا کلام کہہ سکتے تھے مگر اس کے بعد مقابلہ کا مطالبہ کثرت اور سختی کے ساتھ شروع ہو گیا ہے۔ اور اُن کے مردہ احساسات کو برانگیختہ کرنے اور مقابلہ کے جذبات کو اُبھارنے کے لئے یہ آئت ظاہر فرمائی گئی قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ اگر تمام جن اور انسان متفقہ طاقت کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے قرآن عزیز کی مانند کلام بنانا چاہیں۔ تو کبھی نہیں بنا سکتے۔

---

[۱] اعجاز القرآن۔

اس قسم کی آئیتوں کے نازل ہونے کے باوجود عرب کے غیرت مند انسان فصاحت اور بلاغت کا دعویٰ کرنے والے مُنہ میں گھونگھنیاں ڈال کر بیٹھ گئے۔ اور قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اگر وہ مجبور نہ تھے۔ تو کیا چیز اُن کو مقابلہ کرنے سے روک رہی تھی۔

۱۶۳ــــ(۲) یہود نصاریٰ اور مشرکین میں سے ہر جماعت کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ اور ان کا وہ ہی مذہب تھا۔ جو آج ہمارا مذہب ہے۔ قرآن نے تمام فرقوں کی تردید کرتے ہوئے اصلیت کا ان لفظوں میں اظہار کیا۔ مَا كَانَ اِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ پ۳ ۱۵ع۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گذرے ہوئے تقریباً ۲ ہزار برس ہو چکے تھے۔ ایسے شخص کے مذہب اور ملت کی بابت جس کو دُنیا سے رُخصت ہوئے ایک طویل زمانہ گذر چکا ہو۔ اور اُس کے خاص پیرو بھی موجود نہ ہوں۔ ایسی حالت میں کسی صحیح بات کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ خصُوصاً جبکہ تاریخ بھی اِس کے متعلق کوئی اطلاع نہ دیتی ہو۔ تو اس وقت کوئی رائے قائم کرنا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

دُنیا میں تین جماعتیں ابراہمیت کی دعویٰ دار موجود تھیں۔ اگر مُسلمان بھی ایسا ہی دعویٰ کر دیتے۔ تو زائد از زائد ایک فرق کا اور اضافہ سمجھا جاتا۔ لیکن قرآن نے محض یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ دین محمدؐی بنسبت دوسرے دینوں کے دین ابراہیمی سے ملتا جُلتا اور زیادہ قریب ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ زوردار لفظوں میں ۳ دعویداروں کی تردید بھی کر دی کہ اُن کے مذہبی اصول ان تینوں کے فرق اپنے دعووں میں جھُوٹے ہیں۔

اگر ان میں ذرہ برابر سچائی ہوتی تو وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی تاریخی حوالہ پیش کر کے قرآن کا جھُوٹا ہونا ثابت کرتے۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ باوجود تاریخی اطلاعات نہ ہونے صدیوں کے گذرے ہوئے۔ انسان کے متعلق ایسا صحیح فیصلہ کرنا اور مخالفین کا اُس کو رد اور اپنے دعویٰ کو ثابت نہ کر سکنا۔ خصُوصاً جبکہ وہ انبیاء سابقین

کی کتابوں سے واقف توریت کے مضامین پر مطلع تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ۷ سو برس بعد دُنیا میں نازل ہوئی تھی۔ اس امر کی کُھلی دلیل ہے کہ یہ خبر خُدا تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے کی بتائی ہوئی نہیں ہے۔

۱۶۴۔۔۔(۳) جب قرآن میں یہ خبر دی گئی کہ بعض طیّب اور پاک چیزیں یہودیوں پر اُن کی بداعمالیوں کی سزا میں حرام کر دی گئیں تو یہود نے اس آیت کے مضمون سے اختلاف کیا۔ اور انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ بعض عمدہ اور نفیس چیزیں بیشک ہم پر حرام ہیں۔ لیکن ہمارے گناہوں کی سزا میں حرام نہیں ہوئیں۔ بلکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہوئیں تھیں اور اس وقت سے لے کر اب تک برابر حرام چلی آرہی ہیں۔ گویا اُنہوں نے قرآنی خبر کے ایک حصے کی تردید کی۔ اور ایک حصہ کو مان لیا۔ اس وقت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ پ۴ ع۱۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ تو توریت لاکر پڑھو اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہوُا ہے۔ لیکن وہ اس مطالبہ پر ششدر اور حیران رہ گئے۔ اور اُن کو توریت کے لانے کا آخر وقت تک حوصلہ نہ ہوُا۔

اگر یہودیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ نبی عربی صلعم توریت کے مضامین سے واقف ہیں اور اُن کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ تو وہ جھوٹ بولنے اور انکار کرنے کی کبھی جرأت نہ کرتے۔ چونکہ اُن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام علوم رسمیّہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور توریت کا علم بالکل نہیں رکھتے۔ اس لئے دھوکا دینے اور جھوٹ بولنے میں اُنہوں نے دلیری کی۔

یہودیوں کا اپنے سر سے جھوٹ کا الزام دور نہ کر سکنا اور باوجود شدید مطالبہ کرنے کے توریت نہ پڑھنا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن میں جو کچُھ خبر دی گئی تھی۔ وہ خُدا کی بتائی ہوئی اور بالکل صحیح تھی اور یہودی سراسر دھوکے باز اور جھوٹے تھے۔

۱۶۵۔۔۔(۴) جب[1] اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کا نقصان ہوُا اور کچُھ آدمی مارے گئے تو مرنے والوں میں بعض آدمی ابن منافقین کے رشتہ دار بھی تھے۔ جو جنگ سے جان بچا کر گھروں میں بیٹھ رہے تھے اور اُس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ جب اُن کو اپنے عزیزوں اور

[2] بیضاوی ج ۷،۱۳۔ [1] ابوالسعود بیضاوی

دوستوں کے مرنے کی خبر ہوئی۔ تو اُنہوں نے اُن پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ بھی ہماری طرح اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کیوں مارے جاتے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ اَنْفُسِکُمُ الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ پ ۴ ع ۸۔ اُن سے کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے نفس کو موت سے بچاؤ۔

یعنی اگر گھر میں بیٹھے رہنے سے آدمی کو موت نہیں آتی تو تم اپنے آپ کو مرنے سے بچاؤ۔ دیکھیں کس طرح بچتے ہو۔

مدارک اور فتح البیان میں لکھا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تو منافقین میں سے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر وہ جنگ میں نہ جاتے تو کیوں مارے جاتے اُسی وقت ہلاک ہو گئے۔

بغیر کسی ظاہری اسباب کے منافقین کا دفعتہً مر جانا بتا رہا ہے۔ کہ یہ واقعہ خدائی قدرت کے ذریعہ سے ظہور میں آیا تھا۔ ورنہ انسان میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے معلوم ہؤا کہ یہ آیت خدا ہی کی نازل کی ہوئی ہے۔

۱۲۶۔ (۵) اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغَالِبُوْنَ پ ۱۷ ع ۴۔ کیا اہلِ مکّہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم زمین مکّہ کے اطراف و جوانب سے گھٹا رہے ہیں کیا وہ آخرکار غالب ہو کر رہیں گے۔ یعنی ہم جس طرح مکّہ کے اطراف کی زمین کافروں کے قبضہ سے نکال کر مسلمانوں کے قبضہ میں دے رہے ہیں۔ ایک روز مکّہ بھی اُن سے چھین کر مسلمانوں کو دے دیا جائے گا۔ جب خُدا کی حمایت اور مدد مسلمانوں کے ساتھ نظر آ رہی ہے۔ تو کفاروں کو نصیحت پکڑنی چاہیئے۔ اور اگر اہل مکّہ کا یہ خیال ہے کہ آخری فتح اسلام کے مقابلہ میں ہماری ہوگی۔ تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اَفَهُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ (کیا وہ غالب ہو کر رہیں گے) ذکر کرنے سے انہیں مسلمانوں کے خلاف اُبھارا گیا۔ تاکہ وہ اپنی پوری طاقت صرف کر کے مقابلہ کریں اور پھر خُدا کی قدرت کا تماشہ دیکھیں کہ مسلمان کامیاب رہتے ہیں۔ یا وہ اور قرآن کا فیصلہ سچا ہوتا ہے۔ یا اُن کا خیال صحیح نکلتا ہے۔

چنانچہ کفاروں نے تمام عرب کو لے کر ۵ھ میں مدینہ پر چڑھائی کر دی جو غزوۂ خندق یا غزوہ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اُن کو بے نیل ومرام ذلت کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔ باوجودیکہ مسلمانوں کی فوجی طاقت اس وقت تک نہائیت کمزور تھی۔ مگر وہ اُن کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ اور آخری فتح مسلمانوں ہی کو ہوئی۔ بغیر کسی ظاہری اسباب کے متعلق اسلامی عقیدہ کی شہرت ہوئی۔ تو قبیلہ نجران کے نصرانیوں کی ایک جماعت رسُولِ خُدا صلعم سے مناظرہ کرنے کے لئے مدینہ پہنچی۔ یہ جماعت ۷۱ آدمیوں کی تھی۔ ان میں سے ۱۴ رئیس اور اپنی قوم کے بزرگ اور اشراف تھے۔ عاقب ان سب کا بڑا اور سردار تھا۔ اور ایہم اُس کا نائب یا مشیر کار تھا اور ایک لاٹ پادری جس کا نام ابوحارثہ ہے۔ اُن کے ہمراہ تھا۔ یہ لوگ اپنے مذہب سے پورے واقف اور زبردست فاضل تھے۔ اُن کے مناظرہ کے جواب میں سورۃ آل عمران کی ۸۰ آیتیں نازل ہوئیں۔ جس میں حضرت عیسٰی کی بابت اسلامی عقیدہ کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

جب اُنہوں نے اس فیصلہ کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو اُن کے سامنے ایک آسان اور سہل بات پیش کی۔ اور وہ یہ تھی۔ فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ پ ۳ ع ۱۴۔ اِن سے کہدو۔ اگر تم قرآن اور اُس کے بیان کو سچّا نہیں سمجھتے۔ تو ہم اور تم دونوں اپنی اولاد اور عورتوں کو لے کر میدان میں آجائیں اور خُدا سے یہ دُعا کریں۔ کہ اے اللہ ہم دونوں میں سے جو جماعت اس فیصلہ میں جھوٹی ہو۔ اُس پر تیری پھٹکار یا مار پڑے۔ یہ سُن کر نصرانیوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ عاقب نے جو ان میں سب سے زیادہ عقلمند اور صائب الرائی تھا۔ یہ کہا خُدا کی قسم تم نے اچھی طرح جان لیا کہ محمد اللہ کے سچے رسُول ہیں۔ اور حضرت عیسٰی کے بارے میں قول فیصل اور صحیح فیصلہ سنایا ہے۔ خُدا کی قسم جب کسی قوم نے نبی سے مباہلہ کیا۔ تو وہ بالکل تباہ کر دی گئی اور اُن کا چھوٹا بڑا کوئی زندہ نہ رہا۔ اگر تمہیں اپنی دین سے محبت ہو گئی ہے اور تم اُس کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ تو بہتر یہی ہے کہ مباہلہ نہ کرو اور اپنے گھروں میں واپس ہو جاؤ۔

عاقب کی اس رائے کے ساتھ سب نے اتفاق کیا اور وہاں سے اُٹھ کر نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا یا ابا القاسم راینا ان لا نبا ھلک وان نقر علی دینک ونثبتُ علی دیننا۔ اے ابوالقاسم (صلعم) ہم آپ سے مباہلہ کرنے کے واسطے تیار نہیں ہیں۔ آپ اپنے دین پر رہیں اور ہم اپنے دین پر۔

آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم مباہلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ تو تمہیں ہماری اطاعت قبول کر لینی چاہیئے۔ اور اگر اس سے بھی انکار ہے۔ تو لڑائی کے واسطے تیار ہو جاؤ۔ اُنہوں نے عرض کی کہ ہم ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ البتہ اس شرط پر کہ آپ ہمیں اپنی حالت پر چھوڑ دیں اور کچھ تعرض نہ کریں تو ہر سال چار ہزار کپڑوں کے جوڑے اور ۳۰ زرہیں دیا کریں گے آپنے اُن سے اس شرط پر صُلح کر لی۔ اور نصرانیوں کا وفد صُلح کر کے گھر کو واپس ہو گیا۔ اگر فضلائے نصاریٰ کی نظر میں نبی اکرم صلعم خُدا کے سچّے رسُول اور قرآن اللہ کی کتاب نہ تھی۔ تو اُن کو مباہلہ سے روکنے والی کیا چیز تھی کہ ذلت کے علاوہ ہر سال کثیر رقم دینی منظور کر لی۔ لیکن مباہلہ جو اس سے ہزار درجہ آسان اور سہل تھا اُس کو قبول نہ کیا۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ وہ قرآن کی صداقت اور سچائی کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔

۱۶۸۔۔(۷) مدینہ اور خیبر کے رہنے والے بعض یہودی مشرکین مکّہ سے قرض لے کر اُس کو واپس نہ کرتے اور اگر اُن کی امانت ہوتی تو دبا لیتے۔ جب اُن سے مطالبہ کیا جاتا تو کہتے کہ توریت کا حکم یہ ہے کہ جو تمہارے مذہب میں نہ ہو۔ تو اُس کا قرض ادا کرنا یا امانت واپس کرنا ضروری نہیں ہے۔ قرآن عزیز نے اُن کے اس جھُوٹ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

مِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ پ ۳ ع ۱۶

اہل کتاب میں سے بعض ایسے آدمی ہیں۔ کہ اگر اُن کے پاس ایک دینار امانت رکھ کر غائب ہو جاؤ تو وہ کبھی اُس کو واپس نہیں کرتے۔ اور اُس کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ

غیر مذہب والوں کے ساتھ ایسا کرنے سے ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ یہ جان کر خدا پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ اللہ نے کسی جگہ اُن کو امانت کے دبا لینے کی اجازت نہیں دی۔ باوجودیکہ اُن کو مشرکین اور مسلمانوں کے سامنے جھوٹا کہا گیا۔ لیکن وہ اس الزام کو اپنے سر سے دور نہ کر سکے۔ جس طرح پہلے اس حکم کی نسبت توریت کی طرف کر رہے تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اُس کو ثابت کرنے کے لئے آخر دم تک توریت پیش نہ کر سکے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر خُدا صلعم تو توریت کے حکم سے بالکل ناواقف اور بے خبر تھے۔ آپ کو ایسی صحیح اطلاع دینے والا خُدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

۱۶۹۔ (۸) یہودیوں[1] کا یہ دعوٰی تھا کہ ہم نے توریت میں یہ لکھا ہُوا دیکھا کہ دوزخ کا دروازہ اتنا بڑا ہے۔ کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانے کے لئے ۴۰ سال صرف ہوتے ہیں۔ گنہگار یہودی اُس کو ۴۰ دن میں طے کر جائیں گے۔ اس لئے ہمارا دوزخ میں رہنا زیادہ سے زیادہ ۴۰ روز ہو گا۔ یہودیوں کے اس جھُوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗٓ پ۱ ع۹۔ کیا خُدا تعالیٰ نے تم سے ایسا کوئی عہد کر رکھا ہے۔ جس کو وہ ضرور پُورا کرے گا۔ یعنی اگر ایسا کوئی عہد ہے۔ تو اُس کو پیش کرو۔ مگر وہ آخر وقت تک پیش نہ کر سکے۔ ایک غلط بات جو یہودیوں نے توریت کی طرف منسوب کر رکھی تھی۔ باوجود واقف ہونے کے اس کی ایسی پر زور تردید کرنی خُدائی تائید کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ط

---

[1] ابوالسعود صہ ۲۸۹

باب التصدیق لما بین یدیہ من الصحف الاولیٰ

کسی کتاب کا پہلے آسمانی صحیفوں میں اور انبیاء علیہم السلام کی کتابوں کے ساتھ موافقت کرنا اور اس کی ہدایت اور تعلیم کا رنگ بالکل ان کے مطابق ہونا اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔ خصوصاً جبکہ پہلے مذہب والوں نے اپنی تعلیم کو بدل ڈالا ہے۔ غلط اور جھوٹی باتیں آسمانی صحیفوں میں ملا دیں ہیں۔ اور اصلیت کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہ رہا ہو۔ اس وقت کی تاریخیں بھی اصل واقعہ کو روشنی میں لانے سے عاجز ہوں۔ ایسی حالت میں وہ باتیں ظاہر کرنا جو پرانے صحیح نسخوں اور معتبر تاریخوں میں بڑی جدّوجہد کے بعد ملا کرتی ہیں یقیناً اس کے آسمانی کتاب ہونے کی زبردست شہادت ہے کیونکہ رسولوں کی تعلیم ہمیشہ بے غرض اور نفسانی امراض کو دور کرنے کے واسطے ہوتی ہے جس میں مجاہدہ کرنا اور نفس کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ بات عام طبائع پر گراں گزرتی ہے وہ ان شہوات اور لذتوں کو جس سے ان کی طبیعت مانوس ہوتی ہے چھوڑنا نہیں چاہتے اس لیے وہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس کی اشاعت اور ترویج میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام حق گوئی سے نہیں رکتے اور بداعمال انسان اپنی خواہشات کو سامنے رکھ کر ان سے جھگڑا اور مخاصمت شروع کر دیتا ہے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جو بدباطن افراد دنیا میں کوئی جماعت یا سوسائٹی بنانا چاہتے ہیں وہ یا تو کسی کی عداوت کا پہلو لیے ہوتے ہیں اور اس کو نقصان پہنچانے کی غرض سے جتھہ بندی کرنا چاہتے ہیں یا دنیوی جاہ و مال وغیرہ کی طمع ان کو اس کام کے لیے کھڑا کرتی ہے۔ چونکہ ان کے کام میں غرض ملی ہوئی ہوتی ہے اس لیے نہ وہ اخلاقیات کے اصلاح

کرنے کا خیال کرتے ہیں اور نہ نفسانی امراض کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آسان اور سہل بنا کر ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایسے شخص کی اسکیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو سوائے اس کی اغراض نفسانی اور ذاتی مفاد کے کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی اسلیے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے اُس کی تعلیم کبھی موافقت نہیں کرتی۔

حضور علیہ السلام نے کبھی اپنی ذات کے لیے چندے نہیں کیے اور اس وقت بھی فقر وفاقہ میں زندگی گزاری جبکہ عرب کے ایک حصّے کے مالک ہو چکے تھے اپنے خاندان کے لیے زکواۃ کا مال بند کر دیا اور ان کی کوئی دوسری امداد اُمّت پر فرض نہ کی۔ سادہ زندگی ہونے کے علاوہ امت کو مشقت اور مجاہدے کی تعلیم فرمائی۔ اللہ کے راستے میں گردنیں دینے کے واسطے کہا نماز روزہ حج زکوٰۃ ان پر فرض کر دیئے۔ شہوات نفسانی سے روکا۔ ناجائز آمدنیاں بند کیں۔ ایسی تکلیفیں بلا رو رعایت وہی پیش کرتا ہے جو خدا کے حکم کے تابع اور اس کا برگزیدہ بندہ ہو۔

چونکہ انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم کے ساتھ وہی شخص ہی موافقت کر سکتا ہے جو بے غرض ہو لوگوں کی مفت میں گالیاں سُنے مگر حق بات کو نہ چھوڑے۔ مذہبی اشاعت کے پردہ میں دنیا کا کوئی فائدہ نہ اٹھائے۔ اللہ سبحانہٗ تعالےٰ ہی سے اس کا بدلہ اور اُجر مانگے ایسا دل گردہ والا انسان انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچّے متبعین کے سوا دوسرا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے پہلی آسمانی کتابوں سے اُس کی تعلیم کا موافق ہونا اس مدّعی نبوّت کے سچے ہونے کی زبردست دلیل ہے چونکہ قرآن کی تعلیم پہلی آسمانی کتابوں کی تعلیم کے موافق اور اُس کی موئد ہے اس لیے وہ بھی آسمانی کتاب اور صحیفہ الٰہیہ ہے

قرآن شریف میں ہے وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ قرآن عزیز انسان کا بنا ہوا

نہیں ہو سکتا بلکہ یہ پہلی آسمانی کتابوں کی تائید کرنے والی کتاب ہے۔

اگرچہ پہلی کتابوں کی تصدیق کا مفہوم عام ہے اعمال اور واقعات دونوں پر حاوی ہے لیکن ہم اس جگہ صرف دو شہادتیں پیش کریں گے جن سے ان واقعات کو روشنی میں لایا جائے گا جن کو بنی اسرائیل نے اپنی کتابوں میں بدل دیا تھا یا اس کی عالم میں غلط تشہیر کر رکھی تھی دنیا کی تاریخیں بھی اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرتی تھی مگر محمد صلعم نے لاعلمی اور ناواقفیت کے باوجود گذشتہ واقعات اور پہلی آسمانی کتابوں کے مضامین کی ایسی اطلاع دی جس کی تائید میں غیر محرّف کتابیں اور پرانی معتبر تاریخیں اور قدیم کتبے موجود تھے اس کے علاوہ مخالفین کے دل اُس کی سچائی کی شہادت دے رہے تھے بلکہ ان سے آخر وقت تک اس کی تردید نہ ہو سکی۔ ایسی خبروں میں سے ایک خبر یہ ہے۔

۱۷۰ (۱) اِذْ وَصّٰی بِھَا اِبْرَاھِیْمُ بَنِیْہِ وَ یَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ط ۱۶ ع ۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے مرنے کے وقت اپنی اولاد کو جمع کر کے یہ وصیت کی کہ خدا نے تمہارا مذہب اسلام بنایا تم اسی پر مرنا۔

حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے پوتے حضرت یعقوب علیہما السلام کا اپنے بیٹوں کا جمع کر کے ایمان اور اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کرنے کا واقعہ تقریباً ۳ ہزار برس پہلے کا ہے یہود اور نصاریٰ جو اس زمانہ میں اہلِ علم تھے اُن میں سے ہر ایک ان دونوں بزرگوں کو اپنے عقائد اور خیالات کے مطابق بتاتا تھا اُن کا یہ کہنا یا کسی تاریخ میں ایسا لکھنا کہ ان حضرات علیہم السّلام نے اپنی اولاد کو اسلام کی پابندی کی وصیّت کی تھی ان لوگوں سے نہایت بعید ہے اس لیے یہ خبر اُن کے ذریعہ سے کبھی مستفاد نہیں ہو سکی اس کے علاوہ ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں نے رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر چلنے کی وصیّت فرمائی تھی اور اسی کے ردّ میں یہ آیت نازل ہوئی، باوجود اس لاعلمی کے قدیم

زمانہ کی ایسی صحیح خبر دینا کہ جس کی یہودیوں سے آخر دم تک تردید نہ ہوسکی اس کے کلام الٰہی ہونے کی شہادت ہے ۱۷۱-(۳) قرآن کریم میں مریم علیہا السلام کا حضرت زکریا علیہ السلام کی تربیت اور کفالت میں پرورش پانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا

"ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا

کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ پ۳ ع۱

جس وقت حضرت مریمؑ کو لینے اور ان کی پرورش کرنے کے لیے علماء یہود اپنے قلموں کو ڈال کر قرعہ اندازی کر رہے تھے آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جو اس واقعہ کی آپ کو اطلاع ہو جاتی بلکہ یہ خبر غیب کی ہے جو اللہ ہی نے آپ کو وحی کے ذریعہ سے بتائی ہے اگر مریم علیہا السلام کی پرورش اور کفالت کا قصہ انجیل سے حاصل کیا ہوا ہوتا تو اس جرأت اور دلیری کے ساتھ اس کو غیب کی خبر اور اس کی اطلاع کو وحی نصرانیوں کے اس وفد کے سامنے ہی جو مناظرہ کے لیے آیا ہوا تھا کبھی نہ کہا جاتا کیونکہ اس سورت کا وہ حصہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے انہی لوگوں کی موجودگی میں نازل ہوا تھا۔ اس کے علاوہ نبی عربی صلعم حرف شناس بھی نہ تھے چہ جائیکہ وہ پہلی آسمانی کتابوں کے مضامین پر عبور رکھتے اور اس کو پڑھتے۔

اس لیے معلوم ہوا کہ واقعی یہ خبر غیب کی خبر تھی اور رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر یا اطلاع وحی کے ذریعہ سے ہوئی۔

۱۷۲-(۳) كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ

(پ ۴ ع ۱)

ہر قسم کا کھانا بنی اسرائیل کے لیے شرع میں حلال تھا البتہ حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام نے توریت کے نازل ہونے سے پہلے چند چیزیں ایک نذر میں اپنے اُوپر حرام کر لی تھیں۔ مگر یہ حرمت ان کی ذات کے واسطے تھی۔ بنی اسرائیل پر

حرام نہ تھیں ۔ یہ آیت یہودیوں کے اس دعویٰ کے جواب میں نازل ہوئی تھی کہ بہت سی پاک اور نفیس چیزیں ہماری بد اعمالیوں کی وجہ سے ہم پر حرام نہیں ہوئیں جیسا قرآن شریف کی اس آیت میں ظاہر کیا گیا ہے فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ ۔ یہودیوں کی نافرمانی اور گناہوں کی وجہ سے ہم ان پر بعض پاک اور عمدہ چیزیں حرام کر دیں بلکہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہوئیں تھیں اور اس وقت سے لے کر اب تک حرام چلی آرہی ہیں ۔

قرآن نے بتایا کہ یہودی جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل جھوٹ ہے توریت میں کسی جگہ ایسا لکھا ہوا نہیں ہے ۔ بلکہ اس میں یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعض حلال چیزیں اپنی ذات پر حرام کر لی تھیں اور بنی اسرائیل کے لیے شروع سے یہ چیزیں حلال تھیں جب ان کے گناہ زیادہ بڑھ گئے تو بعض طیب اور پاک چیزیں بطور سزا کے ان پر حرام کر دی گئی تھیں اگر ان کے دعویٰ میں کچھ سچائی ہے تو اس کے ثبوت میں توریت کا حوالہ پیش کریں ۔ لیکن یہودی نے توریت کا ۔ ۔ ۔ حوالہ پیش کرنے سے عاجز رہ گئے یہودیوں کی غلط بیانی کے باوجود بغیر واقفیت کے توریت کے مضمون کی ایسی صحیح خبر دینا کہ یہودی اس کی تردید کرنے سے ششدر اور حیران رہ گئے اس امر کی دلیل ہے کہ یہ خبر خدائی تھی ۔

۱۷۳ - (۴) يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ پ ۶ ع ۷

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے وہ ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جو تم نے توریت اور انجیل کی لوگوں سے چھپا رکھی تھی ۔

ظاہر ہے کہ نبی عربی صلعم ان پڑھ اور امی محض تھے جس شہر میں آپ نے سکونت رکھی وہ علم کی جگہ نہ تھی کسی عالم کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلے ۔ باوجود ان حالات کے توریت و انجیل کی وہ باتیں ظاہر کیں جن کو بنی اسرائیل نے چھپا لیا تھا اور اس کے متعلق

لوگوں سے غلط بیانیاں کرتے تھے پھر ایسی خبریں کہ جن کے مقابلہ میں اہل کتاب آخر وقت تک عاجز رہے اور اس کی تردید نہ کر سکے۔ یقیناً ایسی اطلاع وحی الٰہی کے بغیر کبھی نہیں ہو سکتی۔

۱۷۴-۵) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ پ۹ ع۔

جو لوگ اتباع کرتے ہیں خدا کے اس رسول نبی امی کی جن کا نام مبارک وہ توریت اور انجیل میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں" اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ توریت اور انجیل میں آپ کی بشارت دی گئی ہے آپ کا نام ونشان اور پتہ سب کچھ اس میں لکھا ہوا ہے رسول اللہ صلعم کو اس بات کی اطلاع یہود ونصاریٰ کی طرف سے کبھی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ امر ناممکن ہے کہ ایک طرف آپ کے نبی ہونے کا انکار کرتے جائیں اور دوسری طرف وہ لوگوں پر یہ ظاہر کریں کہ نبی آخر الزمان جن کا ذکر توریت اور انجیل میں آیا ہے وہ یہی ہیں اس لیے آپ کو یقیناً اس کی اطلاع بے لکھے پڑھے خدا تعالیٰ کے بتائے بغیر نہیں ہو سکتی۔

اَللّٰهُمَّ اٰمنت بِمَا اَنْزَلْتَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ فَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِكَ الْمُخْلِصِیْنَ ط

باب ذکر احوال نبینا صلعم التی تدل علی ان القرآن منزل من لدن حکیم علیم

اس باب میں رسولِ خدا صلعم کے وہ حالات بیان کیے جائیں گے جن سے قرآن عزیز کا کلامِ الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے:۔

۱۷۵ — (۱) وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ پ۲۱ ع۱

نہ آپ نبوّت کے ظاہر ہونے کے پہلے کسی کتاب کا پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا اگر ایسا ہوتا تو پھر باطل پرستوں کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش تھی دنیا جانتی ہے کہ حضرت محمد صلعم بالکل ان پڑھ اور امی محض تھے اور نہ حروف تہجی کی شکلوں سے واقف تھے اور نہ خواندہ تھے نہ کبھی کسی راہ چلتے مسافر سے قصہ اور کہانی کے طور پر کوئی علمی بات سنی تھی جس شہر میں پیدا ہوئے تھے وہاں نہ کوئی چرچا تھا نہ وہ اہلِ علم کے رہنے کی جگہ تھی۔ عمر کے چالیس سال اسی طرح گزار دیے اور اس عرصہ میں کبھی وطن سے غائب بھی نہ ہوئے۔ یہ چہل سالہ زندگی سب کے سامنے دیکھتے ہوئے گزاری مگر چالیس برس کے بعد دفعتًا انقلاب رونما ہوا، چھپے ہوئے رازوں کو اور دلی بھیدوں کو ظاہر کرنے لگے۔ اور جو اگلے پچھلے حالات اور واقعات بتائیے وہ اسی طرح پورے ہوئے اور اس میں ذرّہ برابر فرق نہ ہوا۔ دنیا کے لیے زندگی کا ایک مکمل اور نہ بدلنے والا قانون پیش کیا۔ علوم اور معارف کے خزانے کھول دیئے۔ فصاحت اور بلاغت کے موتی بکھیر دیئے، اسرار اور نکتوں کا دریا بہا دیا۔ اپنی زندگی کو عالم کے واسطے نمونہ بنا کر پیش کر دیا۔ نبوّت سے پہلے اور بعد کی زندگی میں آسمان زمین اور کھلا ہوا فرق اور تفاوت پیدا کرنا انسانی طاقت سے باہر اور اس کے احاطہ سے وراء الوراء ہے۔ یہ ایسی ہستی کا کام ہے جو لاکھ کو خاک اور خاک سے سونا بنا دے اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت محمد صلعم خدا کے برگزیدہ اور سچے رسول اور قرآن کریم خدا کی مقدس کتاب ہے۔

۱۷۶ - (۲) فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ط پ ۱۱ ر ۷ ع

میں نے اس سے پہلے تمہارے اندر ایک عمر گزاری ہے کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ جب نبوت کے ہونے سے پہلے میری زندگی ہر قسم کے عیبوں سے بالکل پاک اور صاف ہے اور کبھی کسی معاملہ میں جھوٹ نہیں بولا تو آج چالیس سال کے بعد بے فائدہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

جو لوگ پیغمبر عربی صلعم کی زندگی کے حالات سے واقف اور باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت محمد صلعم ۴۰ برس سے پہلے نیک عمل اور وسیع الاخلاق ہونے کے سبب اپنی قوم میں ہر دلعزیز تھے۔ دیانت داری اور عقلمندی کی وجہ سے لوگ ان کو محمدؐ امین کہتے اور اپنے مقدمات کا فیصلہ ان سے کراتے تھے اور مکہ کا ہر آدمی اس بات کو خوب جانتا تھا کہ محمد صلعم بُرے قانون سے دُور بھاگتے ہیں اور کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ چالیس برس کے بعد جبکہ موت کا زمانہ قریب اور جوانی کے جوش اور ولولے تقریباً ختم ہو جاتے ہیں جس زمانہ میں ایک بداطوار انسان کو بھی توبہ کرنے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اس وقت ایک نیک انسان کو جھوٹ بولنے اور لوگوں کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت تھی جس شخص نے کبھی عمر بھر میں جھوٹ نہ بولا ہو اس سے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ خدا کے معاملہ میں بے فائدہ جھوٹ بولنا شروع کر دے اس لیے معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلعم کا تعلق یقیناً خدا تعالٰی کے ساتھ تھا اور اسی نے یہ کتاب ان پر نازل کی تھی۔

۱۷۷ - (۳) انسان کسی دنیوی فائدہ کی غرض سے جھوٹ بولتا ہے مال و دولت کی طمع عزت اور آبرو کی تلاش اس کو جھوٹ بولنے اور مکر و فریب کا جال بچھانے کے لیے مجبور کرتی ہے یا کسی خاص دشمن کو نقصان پہنچانے کی نیّت سے جھوٹ کو اختیار کیا جاتا ہے رسول خدا صلعم کی مبارک ہستی ان تمام باتوں سے منزہ اور پاک ہے پھر آپ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

چنانچہ ایک دفعہ اہلِ مکہ نے رسول خدا صلعم کو اسلام کی تبلیغ سے روکنے اور اس کی اشاعت کو بند کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں عتبہ بن ربیعہ کو بھیجا۔ اس نے اپنی قوم

کی طرف سے چار باتیں آپ کے سامنے پیش کیں۔ اے محمد صلعم اگر تو نے یہ سلسلہ مال و دولت کے جمع کرنے کے لیے کیا ہے تو ہم سب مل کر تجھے مالدار بنا دیں گے اور اگر سرداری کی تمنا ہے تو ہم سب تجھے اپنا سردار تسلیم کیے لیتے ہیں اور اگر حسین عورتوں کی خواہش ہے تو ہم خوبصورت اور حسین ترین عورتیں آپ کی خدمت کے لیے حاضر کر دیں گے مگر تم ان خیالات کی اشاعت نہ کرو اور ہمارے بتوں کی مذمت کرنا اور برائی کرنی چھوڑ دو اور اگر آپ کو دماغی عارضہ پیش آ گیا ہے تو ہم اس کا علاج کرنے کے لیے تیار ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے اور پھر آپ نے سورہ حٰم پڑھنی شروع کر دی۔ عتبہ پر وجد کی حالت طاری تھی وہ دیر تک محویت کے عالم میں بیٹھا رہا اور پھر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔ اور اپنی قوم سے جا کر کہا کہ خدا کی قسم وہ شخص نہ تو دیوانہ ہے اور نہ شاعر اور جادوگر ہے بلکہ تمام انسانوں میں بڑا عقلمند اور سمجھدار آدمی ہے اس کو تم اپنے حال پر چھوڑ دو اس کی شان ہی نرالی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک روز سرداران مکہ آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آ کر کہنے لگے کہ ہم نے آج تک آپ کا بہت لحاظ کیا اب ہم سے صبر نہیں ہو سکتا۔ اگر تم نے اپنے بھتیجے کو چپ نہ کیا تو ہم اس کو مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ چچا نے تمام ملک کی عداوت کو دیکھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہا کہ تم بتوں کی مذمت نہ کیا کرو ورنہ میں تمہاری مدد اور حمایت کرنی چھوڑ دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خدا کی حمایت کافی ہے۔ اور کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ سورج میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند بائیں ہاتھ میں دے دیں تب بھی میں اس کام سے باز نہ آؤں گا۔ اور اپنی طرف سے خدا کے دین میں ایک حرف کی کمی یا زیادتی نہ کروں گا۔ اور اس کام کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میری جان میں جان ہے۔ اس کے علاوہ جب آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور اسلام عرب کے دور دراز حصوں میں پھیل گیا تو ہزاروں جانثار آپ کی جنبش لب پر جان و مال نثار کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ملکی محاصل اور خزانے آپ کی خدمت میں آنے لگے اس وقت بھی آپ کی زندگی سادہ اور فقیرانہ ہی رہی اگر چاہتے تو ہر قسم کا سامان عیش و آرام کا مہیا کر سکتے تھے لیکن وفات کے بعد ایک

لکڑی کا پیالہ اور ایک کملی ترکہ میں چھوڑی۔ رات کو اندھیری میں رہے فاقہ پر فاقہ کیے مگر ملکی محاصل اور بیت المال میں سے ایک پیسہ اپنے اُوپر خرچ نہ کیا البتہ حق کے انکار کرنے والوں سے لڑائیاں کیں جان جوکھوں میں ڈالی پیٹ پر پتھر باندھے لوگوں کی گالیاں سُنیں مصیبتیں اٹھائی۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بے تکلف رہتے جس کی وجہ سے باہر سے آنے والے آدمی کو آقا اور غلام خادم اور مخدوم کی کوئی تمیز نہ ہوتی لوگوں کو ہدایت فرماتے کہ تم مجھے دیکھ کر تعظیم کے واسطے کھڑے نہ ہوا کرو۔ یا تعدد ازدواج کا معاملہ ہو وہ نفسانی خواہشات پر مبنی نہ تھا ورنہ ایک بڑھیا عورت کے ساتھ اپنی جوانی کا زمانہ کبھی نہ گزارتے۔ یا جس وقت اہلِ مکہ نے جواں اور خوبصورت عورتیں اس کے بدلہ میں پیش کیں تھیں وہ اس کو فوراً قبول کر لیتے۔ اس کے علاوہ اس خیال کا آدمی عیش کے دوسرے سامان بھی مہیا کیا کرتا ہے بلکہ اس کی دوسری مصلحتیں تھیں جن کے ذکر کرنے کی یہ جگہ نہیں ہے غرض جس شخص کی زندگی دنیوی ساز و سامان جاہ و حشم کی تمنا اور آرزو سے اس قدر بے لوث اور صاف گزری ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے کسی ذاتی طمع کی وجہ سے یہ جھوٹ بولا ہوگا سراسر لغو اور ناانصافی پر مبنی ہے ایسا آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتا اس لیے جو کچھ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بالکل درست اور صحیح تھا اور بے شک ان پر خدا کا کلام نازل ہوتا تھا۔

۱۷۸ — (۴) شروع میں نبوّت ظاہر ہونے کے وقت ایک مرتبہ وحی آکر ۳ سال متواتر وحی کا سلسلہ بند رہا اس عرصہ میں دشمنوں نے آپؐ پر طعن تشنیع کی مذاق اُڑایا وحی کا مطالبہ کیا کبھی کہتے کہ اس کے رب نے اس کو چھوڑ دیا یا عیاذاً باللہ اسکا شیطان گونگا ہو گیا۔ اُدھر آپ کو وحی کے منقطع ہو جانے کا سخت صدمہ ہوا۔ کفاروں کی ملامت الگ تنگ کر رہی تھی ان واقعات سے گھبرا کر آپؐ نے ہلاکت کا ارادہ کیا اور پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرانے کے لیے اُوپر چڑھ گئے کہ خدا کا فرشتہ ظاہر ہُوا اور اس نے تسلی دی اور پھر وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور بیس سال تک برابر وحی آتی رہی۔ اگر قرآن محمد صلعم کی بنائی ہوئی کتاب ہوتی تو ۳ سال متواتر جبکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا انتظار کی صعوبت اُٹھانے، لوگوں کی ملامت سُننے اور اپنا مذاق اُڑانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس ۳ برس کے عرصہ میں تھوڑا بہت کلام کیوں نہ بنا لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ خدا کے حکم کے

تابع تھے۔ اپنی طرف سے نہیں کر سکتے تھے۔

۱۷۹ - (۵) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ پ ۲۱

تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں پیروی کرنے کے لیے عمدہ خصلتیں ہیں اگر رسول اللہ صلعم کی زندگی کے مختلف شعبوں پر نظر ڈالی جائے تو آپ جنگ کے میدان میں ایک زبردست سپہ سالار نظر آتے ہیں۔ اور ملکی معاملات میں بڑے سیاست دان اور ماہر قانون دکھائی دیتے ہیں۔ اُمورِ خانہ داری اور دنیوی کاروبار میں لائق اور تجربہ کار انسان ہیں۔ عقل اور حکمت کی باتوں میں اعلیٰ درجہ کے فلسفی اور رہبر کامل ہیں خشکی اور تری کے فیصلوں میں ایک ہوشیار امیر البحر اور تجربہ کار سیاح سے کم نہیں ہیں۔ تجارتی مشورے اور اقتصادی عقدوں کے حل کرنے کے لیے وہ نکتے پیش کیے جو کہنہ مشق تاجر کے دماغ میں بھی نہیں آتے اور عمریں صرف کرنے کے بعد حل ہوتے جس شخص کی ساری عمر بے خبری اور لاعلمی میں گذری ہو اس کی زندگی کا ہر شعبہ دنیا کے لیے نمونہ ہو اور اس کی تعلیم و تربیت کا ہر جز و حکمت کا ایک دفتر ہو بغیر تائید الہٰی کے نہیں ہو سکتا اس لیے معلوم ہوا کہ آپ کا معلم اور اُستاد خدا تعالیٰ ہے اور جس کتاب کے ذریعے آپ کو تعلیم دی گئی تھی وہ صحیفہ آسمانی اور خدائی کتاب ہے۔

۱۸۰ - (۱) اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ پ ۱۱ ع ۷ ——

جب ہماری روشن اور کھلی ہوئیں آیتیں کافروں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ اُن کو سن کر کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آؤ یعنی ایسی کتاب لاؤ جس میں بُتوں کی مذمت اور ہمارے خیالات کی تردید نہ ہو اس وقت ہم تمہاری اتباع اور پیروی کرنے کے لیے تیار ہیں اگر حضرت محمد صلعم کو سرداری کی تمنا اور دنیوی مفاد کی خواہش ہوتی تو اہل مکہ کے خیالات کی تائید کر کے عزت اور جاہ و مال و دولت دونوں چیزیں بآسانی حاصل کر سکتے تھے خصوصاً جبکہ اہل مکہ نے خود یہ تجویز ان کے سامنے پیش کی تھی اور حصول کا راستہ بتا دیا تھا۔ اس سے بہتر کوئی اور موقعہ دنیوی منافع کے حاصل کرنے کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو شخص ذاتی مفاد لے کر ایسا کام کرنے کیلئے کھڑا ہوتا ہے وہ عوام کے جذبات اور خیالات کی حمایت اور تائید ضرور کیا کرتا ہے مگر رسول

خدا صلعم نے حق اور راستی کی وہ باتیں پیش کیں جو عوام اہل مکہ کے خلاف ان کی دلچسپیوں کی مخالفت اور رسومات فاسدہ اور عقائد باطلہ کی تردید کرنے والی ہیں اگر آپ کو مال و دولت کی طمع اور عزت و آبرو کی خواہش ہوتی تو عوام کی مرضی کا ضرور خیال کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ ان کا ضمیر ہر قسم کی طمع اور لالچ سے بالکل پاک اور صاف تھا اور وہ ہر کام خدا کے فیصلہ اور اس کے حکم کے تابع تھے اور اسی خدائی فیصلے کا نام قرآن عزیز ہے۔

۱۸۱-(۷) اہل مکہ نے یہودیوں کے کہنے سے روح اصحاب کہف اور سکندر ذوالقرنین کے قصے کے متعلق رسول خدا صلعم سے سوال کیا آپ نے فرمایا کہ میں ان باتوں کا جواب کل دونگا اور آپ اسکے ساتھ انشاءاللہ (اگر خدا نے چاہا) کہنا بھول گئے اور یہ خیال تھا کہ اتنی دیر تک وحی آ جائے گی۔ مگر وحی تقریباً پندرہ روز تک نہ آئی، کافروں نے وعدہ کے موافق جواب نہ دینے کی وجہ سے ہنسی اُڑائی اور آپ کو جھوٹا کہنا شروع کیا۔ رسول خدا صلعم کو وحی کا انتظار کرنے اور کافروں کی بد زبانی کی وجہ سے بے انتہا اضطراب اور بے چینی لاحق ہوئی پندرہ روز کے بعد یہ آیت اُتری وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ پ ۱۶ ر

کسی کام کے متعلق پختہ طور پر نہ کہو کہ میں کل ایسا کروں گا بلکہ اس کے ساتھ انشاءاللہ اگر خدا نے چاہا لگایا کرو۔ اس آیت میں وحی کے اندر دیر ہونے کی وجہ کو بیان کرتے ہوئے یہ فلسفہ اور حکمت بھی ظاہر کر دی کہ انسان اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اسے ہر کام میں خدا کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تینوں باتوں کے متعلق قرآن میں ایسے صحیح اور درست جواب دیئے گئے جس کو اہل کتاب نے بھی تسلیم کیا اور ان سے تکذیب ہو سکی اگر قرآن محمد صلعم کا بنایا ہوا ہوتا تو اس واقعہ میں پندرہ روز تک لوگوں کے طعن و تشنیع اور بیہودہ باتیں سُننے اور ان کی نظروں میں جھوٹا بننے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اتنے دنوں تک وحی کے انتظار میں تکلیف اٹھانے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ وہ وعدہ کے موافق اگلے روز

ان کے سوالات کا جواب دے دیتے ۔ اس کے علاوہ جب پہلے دِن اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا قصہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ تو اتنے عرصہ میں وحی کے علاوہ کس ذریعہ سے آپ کو علم ہو گیا۔ آپ خود پڑھے ہوئے نہ تھے۔ کسی عالم سے دریافت نہیں کیا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص آپ کو واقعات کی اطلاع دینے والا نہیں ہو سکتا۔

اللھم اجعلنی متبعا لسنته السنیحة و ارزقنی شفاعته ۔ آمین

باب مَا یجن کشفہ للنبی صلعم او کان مخالفًا لطبعه الشریفه

یعنی وُہ باتیں جو ظاہر نظر میں رسُول خدا صلعم کے لئے قابلِ اعتراض ہوتے ہوئے بیان کی گئیں یا آپ کی طبیعت اور رائے کے مخالف ہونے کے باوجود قرآن میں مذکور ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے کلام میں دیدہ و دانستہ ایسے نقائص اور برائیاں نہیں رکھا کرتا جو دیکھنے والے کی نظر میں قابلِ اعتراض ہوں خصوصًا وہ آدمی جو اپنے آپ کو خدا کا برگزیدہ بندہ اور دُنیا کا پیشوا کہتا ہو۔ وُہ کبھی ظاہر میں ایسی بات نہیں کیا کرتا جس سے کم فہم اور ناسمجھ لوگوں کے دل میں اس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو جائے ۔ اسی طرح عام لوگوں کے سامنے ایسا آدمی اپنے نقائص اور غلطیاں بیان نہیں کیا کرتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں رسُول خدا صلعم کے متعلق بعض ایسی باتیں بیان کی گئیں ہیں جو کوتاہ عقل اور ناسمجھ لوگوں کی نظر میں قابلِ اعتراض ہیں ۔ یا وُہ باتیں اِس میں مذکور ہوئی ہیں جس میں رسُول اللہ صلعم کے رای کی غلطی گذشتہ عمل کا رد اور آئیندہ کے لئے اصلاح کی صورت میں بیان کی گئی ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ باتیں درحقیقت حضرت محمد صلعم کی گھڑی ہوئی نہیں ہیں ۔ ورنہ آپ اِس کو جان بُوجھ کر ظاہر کر کے بے فائدہ نادان اور بے وقوف لوگوں کی ملامت کا نشانہ کبھی نہ بنتے۔ چنانچہ اس قسم کی خبروں میں سے ایک خبر یہ ہے ۔

۱۸۲ــــ (۱) بدر کی لڑائی میں کافروں کی طرف سے ۷۰ آدمی مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو گئے۔ رسُول اللہ صلعم نے صحابہ کو جمع کر کے اِن قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسُول اللہ ان لوگوں کو قتل کر دینا چاہیئے اور ہم سے ہر آدمی اپنے رشتہ دار کو اپنے

ہاتھ سے مارے حضرت ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہ مسلمان غریب ہیں۔ مال و دولت کی ان کو سخت ضرورت ہے۔ میری رائے میں ان سے فدیہ اور جان کا بدلہ لے کر چھوڑ دینا بہتر ہے۔ اس میں دوسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ ان کو اسلام کی تعلیم میں غور و فکر کرنے کی مہلت مل جائے گی کہ یہ لوگ ایک دن مسلمان ہو جائیں۔ رسول خدا صلعم نے ابوبکر کی رائے سے اتفاق کیا اور جزیہ لے کر تمام قیدی چھوڑ دیئے۔ اس وقت قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ماکان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض۔ پ۱۰ ع ۵ جب تک کافروں سے قتل کی خوب گرم بازاری ہو جاتی۔ خدا کے رسول کو قیدیوں کا لالچ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ آخر میں فرمایا گیا کہ تم محض اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے ورنہ اس فیصلہ کی وجہ سے تم پر خدا کا عذاب نازل ہو جاتا روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلعم اور ابوبکر دیر تک روتے رہے۔ نبی کریم صلعم کو ایک کام کرنے کے بعد اپنے نفس پر اس قدر غصہ اور عتاب ظاہر کرنے اور اس پر رونے کی کیا ضرورت تھی اس لئے معلوم ہوا کہ غلطی پر تنبیہ اور غصہ کا اظہار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے

۱۸۳۔ (۲) جب عبداللہ ابن ابی منافق مرنے لگا تو اس نے حضور کو یاد کیا اور یہ درخواست کی کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ اس کے گھر تشریف لے گئے اور دعا کر کے چلے آئے مرنے کے بعد رسول خدا صلعم نے اپنا کرتا کفن میں لگانے کے واسطے اور اس کے بیٹے کی درخواست پر آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لئے تیار ہو گئے اس وقت خدا کی طرف سے یہ ہدایت آپ کو موصول ہوئیں۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۔ آپ ہرگز ایسے لوگوں کے جنازہ کی نماز پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کبھی کھڑے ہوں کیونکہ ان کا مرنا کفر پر ہوا ہے جب آپ نماز پڑھتے اور اس کی قبر پر کھڑے ہونے کے لئے رضا مندی ظاہر کر چکے تھے۔ بغیر کسی ظاہری سبب کے اس رائے کو بدلنے اور اس فعل سے روکنے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

۱۸۴۔ (۳) رسول اللہ صلعم کو اس بات کا بڑا رنج تھا۔ کہ آپ کے چچا ابوطالب نے آخر وقت تک توحید کا اقرار نہ کیا۔ اور کفر پر مر گیا چونکہ اس نے آپ کے ساتھ بڑی ہمدردی کی تھی اور

ہمیشہ کفاروں کے مقابلہ میں آپ کی سپر بنا رہتا تھا۔ اور ہر موقعہ پر اُسنے آپ کی حمایت اور مدد کی تھی اس لئے آپ کو اُس کا بہت خیال تھا آپ نے اس کے مرنے کے بعد فرمایا۔ کہ جب تک خدا کی طرف سے مجھے نہ روکا جائیگا۔ میں ہمیشہ اس کے لئے معرفت کی دعا کرتا رہوں گا۔
ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ رسول اللہ مدینہ کے راستے میں ایک مقام پر اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اور اُن کے لئے مغفرت کی دعا کرنی چاہی۔ مگر آپ کو مشرکین کے لئے مغفرت کی دُعا کرنے سے روک دیا گیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ پ۱۱ ع۳۔
جب کسی مشرک کا مرنا خواہ رشتہ دار ہو کفر پر یقینی طور سے معلوم ہو جائے۔ تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنی۔ نبی اور اس کے متبعین کو جائز نہیں ہے۔ یہاں بھی آپ کو مرضی کے خلاف روکا گیا ہے۔ ایسا کرنے میں بظاہر رائے کی۔ کوئی غلطی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ جس کے متعلق یہ کہا جا سکے۔ کہ خود نبی کریم صلعم کی رائے بدل گئی ہو گئی۔ بلاوجہ رائے میں دفعتہ تبدیلی پیدا کرنا بتا رہا ہے۔ کہ آپ ہر کام میں خدا کے تابع ہیں
۱۸۵ ـــ(۴) ایک دن مکہ کے چند رئیس رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس اس لئے نہیں آتے کہ آپ کی مجلس میں غریب اور نادار لوگ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر آپ ان کو اپنے پاس سے الگ کر دیں تو ہم آپ کی باتیں سُننے کے واسطے آ سکتے ہیں۔ پیغمبر خدا صلعم نے اس شرط کو منظور کر لیا اور غریب مسلمانوں کو اپنی مجلس سے باہر کرنے کا حکم فرما دیا۔ فوراً قرآن پاک کی یہ آیت ظاہر ہوئی۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ۔
جو لوگ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ دن رات خدا کی یاد کرتے ہیں۔ آپ اُن کو اپنی محفل سے باہر نہ نکالیں اس آئیت کے ظاہر ہوتے ہی نبی علیہ السلام نے اپنا حکم منسوخ کر دیا۔
جب اہل مکہ نے یہ دیکھا کہ آپ غریب مسلمانوں کو اپنے پاس سے الگ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تو انہوں نے دوسری درخواست یہ کی کہ ملاقات کے لئے ایک دن ان کے واسطے

ایک روز ہمارے لئے باری باری مقرر فرما دیجئے۔ یا ہم جس وقت آئیں۔ اُن کی طرف توجہ نہ فرمایا کریں۔ آپ اس کے لئے رضامند ہو گئے۔ مگر قرآن میں ایک آیت کے ذریعہ اُن کو اس ارادہ سے بھی روک دیا گیا اور وہ آیت یہ ہے وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (کہف) آپکی نظر غریب مسلمانوں کی طرف سے نہ ہٹے۔ دنیا کے ساز و سامان کی طرف آپ کی نظر رہے۔ جو دولت مند کافروں کی خواہش پورا کرنا چاہتے ہو۔

اس آیت میں آپ کو اس فعل سے روکتے ہوئے کس قدر عتاب آمیز الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلعم پر کوئی اور ہستی حکمران ہے۔ جو اُن کو بعض کاموں پر ٹوکنے والی اور اُن کی غلطیوں کی اصلاح کرنے والی ہے۔

۱۸۶ ــ (۵) رسول خدا صلعم نے اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی زینب کا نکاح اپنے متبنّٰی زید سے کرنا چاہا۔ چونکہ زید آزاد شدہ غلام تھے۔ اور زینب قریش کے خاندان کی لڑکی تھی۔ اس لئے زینب اور اُن کا بھائی اُس سے عقد کرنے کے لئے راضی نہ تھے اور رسول اللہ صلعم سے نکاح کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر رسول خدا صلعم نے زید کے لئے اصرار کیا۔ اس لئے مجبوراً دونوں کو آپ کے حکم کے سامنے گردن جھکانی پڑی اور اُن سے نکاح کر دیا گیا۔ اگرچہ زینب کا نکاح زید سے ہو گیا۔ لیکن دونوں میں موافقت نہ ہوئی آخری نتیجہ اس نا اتفاقی اور روز کی ناچاقی کا یہ نکلا کہ زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دے دی۔ چونکہ رسول اللہ صلعم نے اپنی کوشش اور سعی سے یہ عقد کرایا تھا۔ طلاق واقع ہونے کے بعد آپ کو زینب کی طرف سے فکر ہوا۔ آپ نے زینب کے دل سے اُس ملال کو دور کرنے کے لئے چاہا کہ زینب اور اُس کے بھائی کی دیرینہ آرزو پیدا کر دی جائے اور زینب کا نکاح اپنے ساتھ کر لیں۔ مگر لوگوں کی طعنہ زنی کا ڈر اس سے مانع تھا۔ کیونکہ متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کرنا اس وقت کے موافق ایسا ہی بُرا تھا۔ جیسا کہ اصلی بیٹے کی بیوی سے عقد کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ اسلام نے متبنّٰی کا درجہ اصلی بیٹے کے برابر نہیں رکھا تھا۔ اور متبنّٰی کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح کرنا شرعاً جائز تھا۔ لیکن لوگوں کے خوف کی وجہ سے آپ کو اس

ارادے کے ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ تُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ ۔ آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے ہیں جس کو اللہ تعالےٰ ظاہر کرنا چاہتے ہیں آپ کو لوگوں کا ڈر ہے۔ حق تعالیٰ کا خوف دل میں رکھنا زیادہ بہتر ہے یعنی جو چیز شرعًا جائز اور مباح ہے۔ اُس کو لوگوں کے ڈر سے چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔

لوگوں کے ڈر سے کسی بات کا چھپالینا اور اُس کو ظاہر کرنا ایک طرح کی کمزوری ہے۔ جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ کوئی شخص دیدہ دانستہ اپنی کمزوریوں کو ظاہر کرکے ناسمجھ اور بیوقوف لوگوں کے طعن وتشنیع کا نشانہ نہیں بنا کرتا۔ اگر قرآن محمد عربی صلعم کا بنایا ہؤا ہوتا۔ تو آپ اس قسم کی آیتیں کبھی ذکر نہ فرماتے۔ اس لئے معلوم ہؤا کہ قرآن خدا کی کتاب ہے۔ اور وُہ ہی اُس کا نازل کرنے والا ہے۔

(۱۶) ایک دن عبداللہ بن ام مکتوم نابینا رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ خدا نے جو علم آپ کو بخشا ہے۔ وہ آپ مجھے سکھائیں۔ اُس وقت حضور کی خدمت میں مکہ کے چند رئیس اور سردار بیٹھے ہوتے اسلام کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ آپ کو عبداللہ کا آنا ناگوار معلوم ہوا۔ اور اُن کی درخواست کا کوئی جواب نہ دیا۔ فورًا اس حرکت پر رسول اللہ صلعم کو تنبیہ اور تہدید کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰى پ ۳۰ ع ۵

ایک اندھے کے آنے پر مُنہ پھیر لیا۔ اور ترش روئی اختیار کی اور دولتمندوں کے ساتھ لگے رہے۔

اس آیت میں جس غصہ اور عتاب کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ صاف بتا رہا ہے کہ آپ پر اس واقعہ کی وجہ سے غصہ کا اظہار کرنے والا کوئی دوسرا شخص ہے۔ ورنہ کوئی معقول آدمی اپنی مرضی کے موافق کام پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا کرتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ایسی لغزشوں پر آپ کی گرفت کرنے والا خدا تعالےٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَنَاصِرَبِهٖ وَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

باب ظہورِ وقائع العالم علیٰ ما اخبر بہا

نظامِ عالم میں بعض واقعات کا اسی طرح ظاہر ہونا جیسا کہ قرآن میں اس کی خبر دی گئی ہے۔ باوجودیکہ وہ چیزیں تجربہ کے احاطہ سے باہر ہیں۔ مگر دُنیا کی ابتداء سے لے کر آج تک کبھی اس کا خلاف نہیں ہوا۔ یقیناً ایسی خبر وہی دے سکتا ہے۔ جو اگلی اور پچھلی قوموں کے حالات سے باخبر اور اُس کا علم تمام جہان پر محیط اور پھیلا ہوا ہو۔ ایسی بزرگ ہستی خُدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی۔

ایسے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔

۱۸۸ــ(۱) فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ

پ ۷ ع ۱۱۔ جب انسان خُدا کی نصیحت اور اُس کے تذکرہ کو بُھلا دیتا ہے۔ تو ہم اُس پر دینوی عیش و آرام کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

یعنی خُدا کی نافرمانی کرنے اور اُس کی ہدایات پر نہ چلنے والے کی دنیا آباد اور آمدنی کے ذریعے وسیع کر دیئے جاتے ہیں۔ ایمان کی دولت سے جو سب سے بڑی نعمت ہے۔ محروم کر کے دُنیا کا ساز و سامان جو ایمان اور آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایک معمولی چیز ہے۔ دے دیا جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا کی دولت اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ دی جاتی ہے۔ مگر روزی حاصل کرنے کے راستے اور کمائی کے طریقے اُن کے لئے آسان اور سہل کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ان کا انہماک اور مشغولیت دُنیا کے کاروبار میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور اُن کو آخرت کے طلب کرنے کا خیال اور دھیان نہیں رہتا۔ یہ ایک طرح کی سزا ہے۔ جس میں معمولی اور ناپائیدار چیز دے کر ایک کھلونا ہے۔ جس میں پھنسا کر دائمی راحت کے حاصل کرنے اور ایک بڑی نعمت کے مطالبہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یہ بات دُنیا میں بالکل اسی طرح پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ غیر مُسلم فرقے یہود و نصاریٰ اور مشرکین مجموعی حیثیت سے دولتمند

اور مالدار ہیں۔ دنیوی کاروبار میں جس قدر ان لوگوں کو ترقی اور عروج حاصل ہوتا ہے۔ اتنا ایک دیندار مسلمان کو نہیں ہوتا اور نہ اس کو اتنی دنیوی کاروبار سے مشغولیت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں سے جن فرقوں نے باطل پرستی اختیار کی اور مذہب کو چھوڑ دیا۔ وہ جماعتیں بنسبت دیندار اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کے زیادہ مالدار اور خوش حال ہیں۔

دنیا کو اس نظام پر قائم کرنا رسُول اکرم صلعم کا کام نہیں ہے۔ اور نہ یہ تجربہ سے حاصل ہونے والی چیز ہے۔ کیونکہ اس میں آپ کے بعد قیامت تک آنیوالی نسلوں کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے۔ ایسا صحیح فیصلہ خُدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

۸۹ـــ(۲) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ پ۱۰ ع۳۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر انعام کر کے اس نعمت کو اس وقت تک اس سے نہیں چھینتا جب تک وہ خود اپنی اہلیت کو ضائع نہیں کر دیتی۔

نعمت جسمانی ہو یا روحانی ظاہری ہو کہ باطنی کسی قسم کی نعمت ہو۔ وہ حقیقت میں اس وقت تک ضائع نہیں ہوتی۔ جب تک آدمی بداعمالیوں اور نقائص کی وجہ سے اپنے آپ کو اس کا نااہل ہونا ثابت نہ کر دے۔ عالم کی تدبیر کے متعلق ایسی صحیح اور پختہ خبر دینا ایسی ہستی کا کام ہے جو تمام جہان کا مدبر اور عالم کا منتظم ہے۔

۹۰ـــ(۳) سُبْحَانَ الَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ پ۲۲۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین سے اُگنے والی تمام چیزوں کا جوڑا بنایا۔ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے یہ خبر دی گئی اور اس شخص کے ذریعہ یہ الفاظ ظاہر کئے گئے جو معمولی نوشت وخواند سے بھی آشنا نہیں ہے۔ اُس کو علمی نکات اور فلسفی تحقیقات سے واقف ہونا تو اور بھی زیادہ دشوار اور مشکل تھا۔ لیکن اُس کی زبان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام دنیا کی نباتات اور زمین سے اُگنے والی چیزوں میں جوڑا ہوتا ہے۔

آج علم نباتات کے جاننے والے اور ماہرین طبقات الارض کا اس پر اتفاق

ہے کہ قدرت نے نر مادہ نہ صرف حیوانات میں رکھے ہیں۔ بلکہ جملہ قسم کے پودوں گھاس اور درختوں میں نر مادہ پائے جاتے ہیں۔ ایک اُمّی کی زبان سے ایسی تحقیق کا ظاہر ہونا بتا رہا ہے کہ خدا کی تائید اور اُس کی حمائیت ان کے ساتھ ضرور شامل حال تھی۔

۱۹۱۔۔۔(۴) اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ پ۱۳ ع۹۔ اللہ تعالےٰ جس کے لئے چاہے۔ روزی میں وسعت پیدا کردے۔ اور جس کے لئے چاہے تنگی کردے

دراصل روزی ہُنر پر نہیں ملتی۔ بہت سے ہُنرمند ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور بے وقوف موجیں اُڑاتے ہیں۔ علم و ہُنر دولت کے حصول کے واسطے ایک بہانہ ہے۔ کبھی کامیاب ہوجاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ یہ یقینی بات ہے کہ رزق کی تقسیم باندازہ ہُنر نہیں ہے۔ اور ایسا پختہ اور مستحکم نظام ہے کہ جو کبھی اور کسی زمانہ میں نہیں بدلا نظام عالم کے متعلق ایسی صحیح خبر دینے والا خدا کے سوا کوئی دُوسرا نہیں ہوسکتا۔

۱۹۲۔۔۔(۵) اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ پ۲۷ ع۱۰۔ ہر چیز کو ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا۔ فی الحقیقت قدرت کے کارخانہ میں اس نے جس چیز کو جس موقع اور محل پر رکھا ہے۔ اگر اُس میں ذراسی تبدیلی کردی جائے۔ تو اُس سے مطلوبہ فائدے کبھی حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ جس کو جس حالت میں رکھا ہے۔ وہ حالت اس کے حق میں نفع بخش اور دُوسروں کے لئے فائدہ رساں ہے۔ اس میں تغیر پیدا ہونے سے تمام کام خراب اور درہم برہم ہوجاتا ہے۔ جس طرح ایک نسخہ کی ترکیب میں ادویہ کے مقررہ اوزان کی رعائیت اور اُن کے باہمی تناسب کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال کائنات عالم کا ہے۔ ایسی صحیح اور پختہ خبر دینا یقیناً خدا تعالےٰ ہی کا کام ہے۔

۱۹۳۔۔۔(۶) لَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡہُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ۔ شیطان نے کہا کہ میں سب کو بہکاؤں گا۔ مگر تیرے مخلص بندوں کو نہیں بہکا سکوں گا۔

چنانچہ بدی کے خیالات گنہگار اور بُرے عمل والوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ خُدا کے خاص اور مخلص بندوں کو دل میں بدی کے خیالات کبھی نہیں آتے اور اگر کبھی

خارجی اثرات سے کوئی ایسا خیال پیدا بھی ہو جائے۔ تو وہ فوراً اس سے سنبھل جاتے ہیں۔ اور گناہ کا کام نہیں کرتے۔

بُرے خیالات کا پیدا ہونا شیطانی وسوسے کی وجہ سے ہے۔ اور اُسی کو آیت میں شیطان کے بہکانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ غرض کسی عمل پر نیک و بد خیالات کا پیدا کرنا حضرت محمد صلعم کا کام نہیں ہے۔ یہ اُسی کا کام نہیں ہے۔ جو انسانی خیالات کا مالک اور جس کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب ہے۔

۱۹۴ (۷) وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ پ۱۴ ع۱۵۔ تیرے خدا نے شہد کی مکھی کو یہ سمجھا دیا کہ جو جگہ سائبان کی طرح ہو۔ درخت یا پہاڑوں وغیرہ میں سے اس پر اپنا چھتہ لگا لے۔

دیکھنے میں آتا ہے کہ شہد کی مکھی ہمیشہ جھکی ہوئی جگہ پر بیٹھتی ہے۔ اور اُس کا چھتہ لٹکا ہوا رہتا ہے۔ مکھی کے دل میں ایسی بات ڈال دینی حضرت محمد صلعم کا کام نہیں ہے۔ یہ دو جہان کے پیدا کرنے والے ہی کا کام ہے۔

۱۹۵ (۸) نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا۔ ہم تمہیں خالص دُودھ پلاتے ہیں۔ جو جانوروں کے پیٹ میں گوبر اور خُون کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ حیوانات کے اعضاء کی تشریح کرنے والے بیطار اور ڈاکٹر حیوانات جانتے ہیں کہ دُودھ کے پیدا ہونے کی جگہ حیوانات میں گوبر اور خون کے درمیان ہے۔ اور پھر قدرت الٰہی سے کسی کا اثر اِس میں ظاہر نہیں ہوتا۔ رسُول خدا صلعم جو بیطاری اور علم تشریح سے بالکل ناواقف تھے۔ اُن کی زبان سے ایسی زبردست تحقیق کا ظاہر ہونا بتا رہا ہے کہ خدائی تائید اُن کے ساتھ تھی۔

۱۹۶ (۹) وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ پ۱۵ ع۷۔ جب تم کو دریائی مصیبت گھیر لیتی ہے۔ تو تم خدا کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔

دریائی سفر کرنے والے جانتے ہیں کہ جب کشتی یا جہاز طوفان میں آجاتا ہے اور نجات کی

کوئی تدبیر نظر نہیں آتی تو اُس وقت ایک دہریہ اور مشرک کی زبان پر بھی خُدا تعالیٰ ہی کا نام ہوتا ہے اور وہ تمام معبودان باطل کو بھول جاتا ہے۔

محمد عربی صلعم قیامت تک کے لئے تمام جہان کا ایسا صحیح فیصلہ تائید الٰہی کے بغیر کسی طرح نہیں کر سکتے۔

۱۹۷۔۔۔(۱۰) لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ۔ آفتاب کبھی چاند کو نہیں پکڑ سکتا۔ اور نہ رات دن کے مقرّرہ گھنٹے ختم ہونے سے پہلے آسکتی ہے۔ یعنی آفتاب اور چاند دونوں ایک بُرج میں کبھی اکٹھے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کی گردش کا محور الگ الگ ہے۔ دونوں کی رفتار میں بھی بڑا فرق ہے۔ چاند ۳ مہینے میں تمام فلک کا دورہ پورا کرتا ہے۔ تو سورج سال بھر میں چکّر لگاتا ہے۔ سورج کے نزدیک اور دور ہونے سے دن اور رات کے جو اوقات ہر موسم میں مقرّرہ اور طے شدہ ہیں۔ اِن میں کبھی فرق نہیں ہوتا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ سُورج کسی موسم میں اپنے مقرّرہ وقت سے پہلے طلوع یا غُروب کرے۔ تمام سال کا جو نظام ہے۔ وہ بدستور باقی ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ جس پر ہیئت دانوں کا اتّفاق ہے۔ علم ہیئت کے مسئلوں کا ایک اُمّی کی زبان سے ظاہر ہونا خدائی تعلیم کا پتہ دے رہا ہے۔ پھر ہیئت دان بھی آئندہ کے متعلق قطعی طور پر دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مستقبل کے متعلق ایسا زبردست دعویٰ کرنا خُدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

۱۹۸۔۔۔(۱۱) مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ پ ۲۷ ع ۱۱۔ دو دریاؤں کا میٹھا اور کھاری پانی ملتا ہوُا جاتا ہے۔ درمیان میں ایک قدرتی پردہ حائل ہے۔ جو ایک کا اثر دوسرے میں نہیں ہونے دیتا۔ جو کچھ خبر دی گئی .... وہ بالکل صحیح ہے۔ مجمع البحرین میں بہت دور تک دونوں پانی ایک دوسرے سے ملے ہوئے الگ الگ چلے جاتے ہیں۔ باوجودیکہ رسُول خُدا صلعم کبھی ساحل کے کنارے نہیں پہنچے۔ مگر دو دریاؤں کے ملنے کا جو حال بیان کیا جا رہا ہے۔ اس میں ذرّہ برابر فرق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قدرتی پردہ کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان دونوں دریاؤں کی قیامت تک یہی حالت رہے گی۔ ایسا زبردست دعویٰ بھی خُدا تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتا ہے۔

یا مظہر العجائب والغرائب
نور قلبی بنور معرفتک لاری عجائب قدرتک

باب التلمیح الی حقائق العلوم ودقائقہا

اُن آیتوں کا بیان جن میں بعض علوم عقلیہ کے اصول اور اُس کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علوم کے ضابطے اور اصول کا بیان کرنا ایک ماہر اور اُستاد فن کا کام ہے جو الف با کو نہ جانتا ہو۔ اُس کی زبان سے ایسے قاعدوں کا ظاہر ہونا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ خدا سے فیض پاکر کہہ رہا ہے۔ ایسے اصُول اور ضابطوں میں سے ایک ضابطہ یہ ہے۔

۹۹ (۱) اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰىهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ پ۲ ع۱۶۔ طالُوت کو دوسرے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حکومت اور سلطنت کے لئے اس لئے منتخب کیا ہے کہ اس میں علم سیاست اور جسمانی قوت زیادہ ہے۔ یعنی ملک اور حکومت وراثت میں حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر اس طرح مل بھی جائے تو دیر تک اس کے پاس نہیں ٹھہرا کرتی۔ سلطنت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ملکی سیاست اور حکمرانی کے اصُولوں سے واقفیت اور اُن کا اجراء دوسرے دلیری کے ساتھ دُشمن کے مدافعت کی قوت ہونا جس حکومت میں ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز جاتی رہتی ہے۔ اس سلطنت کا زوال اور انحطاط بھی ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

درحقیقت جہانبانی کا راز انہی دو باتوں میں پوشیدہ اور چھپا ہوُا ہے۔ ایک اُمی کملی پوش کی زبان سے حکمرانی کے ایسے اصُول کا ظاہر ہونا خُدائی تعلیم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

۲۰۰ ـ(۲) فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ پ۹ ع۱۶۔
گردن پر اور اُن کے ہر جوڑ پر مارو۔

علم تشریح کے واقف جانتے ہیں۔ کہ گردن میں بعض رگیں ایسی ہیں کہ اگر اُن پر زور سے کوئی چیز ماردی جائے تو آدمی زندہ نہیں رہتا۔ اور جوڑوں پر مارنے سے آدمی کے ہاتھ پاؤں بالکل بےکار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کام کرنے کے لائق نہیں رہتا۔

بنوٹ کے فن میں انہی دو جگہوں پر مارنے کی مشق کرائی جاتی ہے اور یہی اس فن کا بنیادی پتھر ہے۔

حضرت محمد صلعم کا علم تشریح اور بنوٹ کے فن سے واقف نہ ہونے کے باوجود ایسا ضابطہ پیش کرنا تائید الٰہی کے بغیر نہیں ہے۔

۲۰۱ ـ(۳) وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔
وہ اپنی نماز میں ۳ سو سال رہے۔ اور اس پر ۹ سال زیادہ کئے۔ ثَلٰثَمِائَةٍ وَتِسْعَ سِنِيْنَ۔ نہ کہا۔ بلکہ ۹ کے عدد کو ۳ سو سے الگ کر کے بیان کیا۔ ۹ کو علیحدہ ذکر کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اصحاب کہف کو اپنی نماز میں پڑھے ہوئے اس وقت ۳ سو سال شمسی اور ۳۰۹ قمری ہوئے تھے۔ یعنی شمسی اور قمری سالوں میں ۳ سو برس کے اندر ۹ سال کا فرق ہؤا۔ جب ۳ سو برس کا فرق معلوم ہو گیا تو ایک سال کا فرق بھی اربعہ متناسبہ کے ذریعہ سے دریافت ہو سکتا ہے۔ بلکہ چاند اور سورج کی یومیہ رفتار کا اندازہ اور دونوں کی حرکتوں کا باہمی تفاوت بھی ظاہر ہو جائے گا اور دونوں سالوں میں جو فرق ۳ سو سال کا قرآن عزیز میں کیا گیا ہے۔ علم ہیئت کے جاننے والوں کے نزدیک یہی نکلتا ہے۔

ایک ان پڑھ آدمی کی زبان سے ایسے مشکل علم کے اصول اور قاعدوں کا ظاہر ہونا خدائی تعلیم کے بغیر ناممکن ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مُطَّلِعًا عَلٰى دَقَائِقِ الْقُرْاٰنِ۔

باب العلم بالمعانیہ مع کون الصحابۃ من لم یتبعہ لغرض او شبہہ فی امرہ

رسول اللہ صلعم پر ایمان لانے والے صحابہ کی جماعت کسی دنیوی لالچ اور مال و دولت کی طمع میں آپ کے ساتھ نہیں لگی تھی۔ اور نہ وہ فریب خوردہ اور دھوکے میں پڑی ہوئی جماعت تھی۔ بلکہ رُوحانیت اور سچائی جو ان کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ وہ اُن کا ہر جگہ لحاظ رکھتے اور ہر موقع پر اُس کو دیکھتے تھے۔ اگر کسی بات میں اشتباہ نظر آتا۔ اور وہ صاف طور پر ظاہر نہ ہوتی۔ تو فورًا سوال کرتے اور جبتک پوری تسلّی نہ ہو جاتی۔ خاموش نہ ہوتے۔ اس روحانیت کے بدلے میں جان و مال عزّت آبرو سب کچھ قربان کرتے تھے۔

جو باتیں اُن کے سامنے پیش کی گئیں تھیں۔ اگر وہ صحیح نہ ہوتیں۔ تو وہ ہر قسم کی تکلیف اُٹھانے کے واسطے کبھی تیار نہ تھے۔ بلکہ اعتراضات کرتے اور اسلام کو جھوٹا بتاتے اس لئے جو باتیں ما فوق الفطرت اور معجزے کے طور پر صحابہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ وہ یقینًا ظہور میں آئیں تھیں۔ اگر وہ غلط اور جھُوٹ ہوتیں۔ تو قرآن میں کبھی ذکر نہ کی جاتیں۔ اور نہ صحابہ اپنی جان و مال کا بے فائدہ نقصان کرنے کے لئے تیار ہوتے۔

صحابہ کا ان واقعات کے ذکر پر خاموش رہنا اور بغیر کسی دنیوی فائدے کے ہر قسم کی قربانی کرنا ان واقعات کے ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور ایسے واقعات اور معجزات کا ظاہر ہونا۔ قرآن عزیز کے کلام الٰہی ہونے کا کھُلا ہُوا ثبوت ہے ایسے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔

۲۰۲ ـــ (۱) مسلمان بدر کی لڑائی میں پہلے ہی کمزور تھے۔ جب اُن کو یہ معلوم ہُوا کہ کرز بن جابر مشرکین کی مدد کے لئے آ رہا ہے۔ تو مسلمانوں کو سخت تشویش اور پریشانی[1]

---

[1] رواہ بن کثیر عن الشعبی۔

لاحق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے فکر کو دُور کرنے کے لئے قرآن میں مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا۔ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ پ ۴ ع ۔ کیا تمہیں یہ کافی ہے۔ کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

ربیعؓ بن انس سے روایت ہے کہ فرشتے شروع میں ایک ہزار تھے پھر ۳ ہزار سے ۵ ہزار تک ہو گئے۔

فرشتوں کی یہ آمد انسانی شکل میں تھی۔ ابلق گھوڑوں پر سوار زرد اور سفید پگڑی باندھے ہوئے تھے۔

مسلمانوں نے فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے اس وضع میں لڑتے ہوئے دیکھا[1] حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے زرد عمامے والے سوار اپنی طرف سے لڑتے ہوئے دیکھے[2] حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ فرشتے بدر کی لڑائی میں سفید لباس پہنے ہوئے ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ابن عباسؓ[3] فرشتوں کے عمامے سیاہ اور سفید بتا رہے ہیں۔ ایک روایت[4] میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے بدر کے دن لوگوں کو دکھایا کہ جبرئیل علیہم السلام ہتھیار بند گھوڑے پر سوار جنگ میں شریک ہیں۔ ابن عباسؓ[5] سے روایت ہے کہ انصاری مشرک کو قتل کرنے کے لئے اُس کی طرف دوڑے۔ اچانک ایک اجنبی سوار اپنے گھوڑے کو بڑھائے پہنچ گیا۔ اور اُس نے انصاری کے پہنچنے سے پہلے اُس کو مار ڈالا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مسلمان کی تلوار کافر کی گردن تک نہیں پہنچی تھی کہ اُس کی گردن تن سے جُدا ہو جاتی۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ فرشتوں نے بعض کافروں کو پکڑ کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ اور خود غائب ہو گئے۔ اسی طرح تمام صحابہ نے فرشتوں کی امداد کو بچشم خود دیکھا۔ اگر فرشتوں کے جنگ میں شریک ہونے کی خبر غلط ہوتی تو صحابہؓ کبھی خاموش رہنے والے نہیں تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے پاس اس جنگ میں دو گھوڑے تھے۔ اگر فرشتے نہ تھے تو سینکڑوں

---

[1] ابن کثیر [2] رواہ ابن مردویہ [3] رواہ ابن حاتم [4] ابن کثیر [5] رواہ البخاری [6] ابن عباس۔

گھوڑے سوار کہاں سے آگئے تھے۔ اور پھر جنگ کے ختم ہوتے ہی کہاں غائب ہو گئے تھے۔ اجنبی سواروں کا کافروں کو قتل کرنا اور اُن کو پکڑ کر مسلمانوں کے سپرد کرنا اور پھر اپنے آپ دفعۃً غائب ہو جانا اور صحابہؓ کا کھُلم کھلا اُن کو لڑتے ہوئے دیکھنا یہ سب باتیں کبھی دھوکا اور فریب نہیں ہو سکتیں۔ قرآن عزیز کے وعدہ کے موافق غیبی امداد آنا۔ اُس کے کلام آلہی ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

۲۰۴ـــــ(۲) قرآن شریف ۲۳ سال میں مکمل ہوا۔ اس عرصہ میں دو دو چار آیتیں نازل ہوتی رہیں۔ مگر قرآن عزیز کا نزول کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ سب کے سامنے وہ نازل ہوتا۔ اور ہر آدمی اُس کے نازل ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔

خدا کے فرشتہ جبرئیل جو وحی لانے پر مامور تھے۔ کبھی انسانی شکل میں خدا کا پیغام لاتے تھے۔ اس وقت تمام اہل مجلس اُن کو دیکھتے اور وحی کے الفاظ اپنے کانوں سے سُنتے تھے اور جب حضور کی خدمت سے اُٹھ کر جاتے۔ تو دروازہ تک راستہ ہی میں غائب ہو جاتے۔ ابو ہریرہ صحابیؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسُول اللہ کی خدمت میں ایک اجنبی شخص نظر آیا۔ جو بظاہر گاؤں کا رہنے والا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا۔ ایمان اور اسلام کی حقیقت دریافت کر کے چلا گیا۔ ابھی دروازہ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے۔ جو تمہیں اسلام اور ایمان کے معنی سمجھانے کے لئے آئے تھے۔ یہ سُنتے ہی ابو ہریرہؓ ان کے پیچھے دوڑے اور دور تک تلاش کیا مگر ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ بے شک یہ خدا کا فرشتہ تھا جو چشم زدن میں غائب ہو گیا اور کبھی جبرئیل علیہ السلام نظر نہیں آتے تھے۔ البتہ ایک آواز مکھی کی بنبھناہٹ کی طرح سنائی دیتی تھی اور حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھنے سے الفاظ بھی سمجھ میں آتے تھے۔ اسی طرح کی وحی آنے کے وقت پیغمبر خدا صلعم کے چہرہ انور پر تغیر کے آثار ظاہر ہوتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ پر کسی وزنی چیز کا دباؤ پڑ رہا ہے اور بسا اوقات سخت سردیوں میں آپ کی پیشانی مُبارک عرق آلود ہو جاتی تھی۔ یہ حالت کسی سے چھُپی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ ہر شخص اس کو اپنی

آنکھوں سے دیکھتا تھا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول اللہ صلعم کو وحی نازل ہونے کے وقت سخت سردیوں میں پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔

ایک شخص حج کے دنوں میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں رسول اللہ صلعم پر وحی نازل ہوتی ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بہت اچھا جب وحی نازل ہو گی تو اطلاع دی جائے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد وحی کے آثار چہرہ پر ظاہر ہونے لگے حضرت عمر نے اس شخص کو بلا کر رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھا دیا اس شخص کا بیان ہے کہ آپ کی آواز اس وقت اسی طرح نکل رہی تھی جیسا کہ سونے والا آدمی خراٹے لیتا یا ایک جوان اونٹ سفر سے تھک کر ہانپتا ہے اور جب وحی ختم ہو گئی تو آپ اصلی حالت میں آ گئے۔ زید بن ثابت انصاری فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلعم بے تکلفی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اپنی ٹانگ میری ران پر دراز کر رکھی تھی کہ اچانک وحی نازل ہونے لگی۔ زید کہتے ہیں کہ وحی نازل ہونے کا اتنا زور پڑا کہ مجھے ران کی ہڈی ٹوٹنے کا ڈر ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں آپ پر وحی نازل ہو جاتی۔ تو آپ کی جوان اونٹنی ایک قدم آگے نہیں چل سکتی تھی۔ ان حالات کی موجودگی میں قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

۲۰۴ــــ(۳) کعب بن مالک انصاری غزدۂ تبوک میں جانے سے رہ گئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے منافقین بھی اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے۔

جب رسول اللہ صلعم ۲ مہینہ بعد اس سفر سے واپس آئے تو منافقین نے جھوٹے عذرات بیان کر کے پیغمبر خدا صلعم کو خوش کر لیا۔ مگر کعب بن مالک نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر میں اس وقت کسی دنیا دار آدمی کے سامنے ہوتا تو چرب زبانی اور اپنی چالاکی سے اس کو خوش کر لیتا در اصل حقیقت کو اس پر ظاہر نہ ہونے دیتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے جھوٹ بول کر آپ کو تھوڑی دیر کیو اسطے خوش کر لیا۔ تو خدا تعالیٰ آپ کو اصل حقیقت سے مطلع کر کے پھر مجھ سے ناراض کر دے گا

اس لئے آپ کے سامنے سچ بولنا جھوٹ سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کی امید بھی ہو سکتی ہے۔ خدا کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا محض سستی کی وجہ سے شریک نہیں ہوا۔ ورنہ مجھے ہر طرح کی طاقت اور جنگ میں شریک ہونے کی قوت حاصل تھی۔ اگرچہ اس سچ بات پر رسول اللہ صلعم ان سے ناراض ہو گئے۔ اور تمام مسلمانوں نے ۵۰ دن تک ان کو چھوڑے رکھا۔ مگر بعد میں اُن کے سچ کی مدح اور منافقین کے جھوٹ کی مذمت اور برائی قرآن میں بیان کی گئی۔

کعب کا سچ بول کر رسول اللہ کو ناراض کر لینا اور وحی الٰہی کے ڈر سے جھوٹ نہ بولنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کو وحی کے نازل ہونے کا پختہ یقین ہو چکا تھا جب ایک کثیر جماعت قرآن عزیز کے وحی الٰہی ہونے کا اقرار کرتی ہے۔ تو اب اس کو نہ ماننا متواترات سے انکار کرنا ہے۔

۲۰۵ــــ(۴) وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ پ۱۰ ع۱۔ اللہ تعالیٰ نے بدر کی لڑائی میں کافروں کو تمہاری نظر میں تھوڑا کر کے دکھایا اور شروع میں تمہیں ان کی آنکھوں میں تھوڑا دکھایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس شخص سے جو لڑائی کے میدان میں اُن کے پاس کھڑا تھا۔ کافروں کے لشکر کو دیکھکر کہا کہ کفار مجھے ۷۰ نظر آتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں ۱۰۰ معلوم ہوتے ہیں۔ اتفاق سے ایک کافر کو مسلمانوں نے پکڑ لیا۔ اس سے جو پوچھا۔ تو معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ایک ہزار ہے۔ اسی طرح جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمان کافروں کو تھوڑے نظر آتے تھے۔ ابوجہل نے مسلمانوں کو جنگ شروع ہونے سے پہلے دیکھ کر کہا کہ یہ تو ہمارے اونٹوں کا چارا ہیں۔ مگر لڑائی چھڑ جانے کے بعد مسلمان دو ہزار نظر آتے تھے۔

نظر میں غلطی ہوتی ہے۔ مگر اتنی نہیں ہوتی کہ جس سے سینکڑوں کا فرق پڑ جائے۔ اتنا تفاوت تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جبکہ بہت سے آدمی نظر نہ آئیں یا سینکڑوں زیادہ کر کے دکھا دیئے جائیں اور یہ خدائی طاقت کے سوا غیر ممکن ہے۔

۲۰۶ــــ(۵) اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ پ۲۷ ع۸۔ قیامت قریب ہو

گئی اور چاند پھٹ چکا ہے۔ اگرچہ انشقاق قمر کا واقعہ تواتر کے درجہ تک پہنچا ہُوا ہے اور اُس پر دور دراز ملکوں کی شہادتیں موجود ہیں اور یہ بات بھی مشہور ہے کہ اس معجزے کے ظاہر ہونے کے بعد کفار مکہ نے آنیوالے مسافروں سے اس کے متعلق سوال کیا ہے۔ تو سب نے چاند کے پھٹ جانے کا اقرار کیا۔ جس سے اہل مکہ کو یقین ہوگیا کہ یہ کوئی شعبدہ اور نظر بندی نہیں تھی۔ مگر ہم اس واقعہ پر ان چیزوں سے استدلال نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا استدلال اس حیثیت سے ہے کہ اس زمانہ میں قرآن کی کوئی آئیت کسی سے چھپا کر نہیں رکھی گئی۔ اور یہ آئیت بھی قرآن مجید ہی کی ہے۔ تمام صحابہ اس کو پڑھتے۔ اور مخالفین اُس کو سُنتے تھے یا کم ازکم اسلام لانے کے بعد اُن کو اس آئیت کے ہونے کا علم ضرور ہوتا تھا۔ اگر یہ واقعہ ظہور میں نہ آیا ہوتا۔ اور قرآن میں جھوٹ لکھدیا جاتا۔ تو سب سے پہلے مُسلمان ہی اعتراض کرتے اور اسلام کی سچائی کے کبھی قائل نہ ہوتے۔ اس کے علاوہ یہود و نصارٰی اور مشرکین چین سے نہ بیٹھنے دیتے۔ اور پیغمبر خُدا صلعم کو جھوٹا بتاتے۔ مگر ایک معمولی سے معمولی شہادت بھی ایسی موجود نہیں ہے۔ جس میں اِس آئیت کے قرآن میں ذکر کرنے پر اعتراض ہو۔ یا قرآن عزیز یا نبی کریم صلعم کو اس آئیت کی وجہ سے کسی نے جھُوٹا کہا ہو۔ اس زمانہ کے لوگوں کا سکوت ہی اس واقعہ کے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آسمان پر کسی ساحر کا سحر نہیں چلا کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں آج تک کسی جادُوگر کا سحر آسمان پر چلتا ہُوا نہیں سنا گیا۔ جب سحر نہیں تھا تو یقیناً یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔ جو محمد عربی صلعم کے ہاتھوں ظاہر کرکیا گیا۔ اس لئے خُدا کا رسُول بھی سچا اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی وہ بھی سچی ہے۔

۲۰ (۶) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾

اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا۔ کہ ان میں ایک ایسا رسُول بھیجا۔ جو اُن کو گمراہی سے نکالنے کے لئے خُدا کی آئیتیں پڑھ کر سُناتا ہے۔ اور اُن کے دلوں کو بداخلاقیوں سے پاک کرتا ہے۔

قرآن اور سُنت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام نے جو چیز دُنیا کے سامنے پیش کی۔ اور اس کے مقابلہ میں اُن سے جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانی مانگی وہ یہی تھی کہ بداخلاقیوں اور نفسانی امراض کو دور کرنا خُدا سے تعلق اور لگاؤ پیدا کرنا ہے۔ اعمال کی اصلاح اور علم صحیح عطا کرنا۔ ہر قسم کی قربانی دے کر روحانیت کے حاصل کرنے کا سودا نہایت گراں اور قیمتی سودا تھا۔ اگر اس میں فوری کامیابی نظر نہ آتی۔ تو ایک آدمی بھی اس معاملہ کے کرنے پر تیار نہ ہوتا اور اگر کوئی شخص دھوکے سے اُس پر آمادہ ہو جاتا۔ تو وہ دیر تک ہرگز قائم نہ رہتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا صلعم کے ساتھ لگنے والوں نے اسی روحانیت کے پیچھے گھربار چھوڑا۔ اپنے ہاتھوں سے خویش و اقربا ذبح کئے۔ جانیں لڑائیں مال و دولت خرچ کی۔ دُنیا سے بے تعلق ہو کر زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالی۔ اس قسم کی قربانیاں کرنا بتا رہا ہے کہ سلام نے جس روحانیت کو اُن کے سامنے پیش کیا تھا۔ وہ اُس کی ہدایات پر چلنے اور قرآنی تعلیم کی پابندی کرنے سے اُن کو نصیب ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا جانتی ہے کہ جس قوم کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی گئی۔ وہ ایک جاہل بیرحم غارتگر لوٹ کھسوٹ کرنے والی جوئے باز زانی اور سود خوار جماعت تھی۔ اسلام قبول کرکے اس کی تعلیم پر پابند ہونے کے بعد راست گفتار اور درست کردار بن گئے۔ علوم و فنون کے وہ نکتے اور باریکیاں پیش کیں۔ کہ دُنیا محو حیرت رہ گئی۔ اور اُن کا قول و فعل دُنیا کے واسطے عمل کا نمونہ بن گیا۔ بکریوں کے چرانے والے گڈریوں نے جہاں بانی کے اُصول پیش کئے۔ عدل و انصاف کا ڈنکا بجایا۔ ساری برکتیں اس تعلیم ہی کی تھیں جنے اُن کو ذِلت کے گڑھے سے نکال کر عزت کی مسند پر بٹھایا۔ اور پستی سے اُٹھا کر رفعت اور بلندی تک پہنچایا۔ حالی مرحوم نے اپنی مسدس میں خوب کہا ہے۔

وہ دین جس نے اعداء کو اخواں بنایا   وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوار دوراں بنایا،   گڈریوں کو عالم کا سلطان بنایا

وہ خطہ جو ڈ ہوردں کا تھا ایک گلہ۔
گراں کر دیا اُس کا عالم سے پلہ۔

جس تعلیم کی پابندی کا یہ اثر ہوا اس کے سچے ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن عزیز جس کے ذریعہ سے یہ تعلیم ظاہر کی گئی۔ یقیناً سچا اور خدائی صحیفہ ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

باب شہادۃ الاعداء

قرآن عزیز کے نازل ہونے کے وقت مخالفین اسلام میں سے جن یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے قرآن کی عظمت اور بزرگی کو تسلیم کیا ہے اور اسکی رفعتِ شان کی شہادتیں دی ہیں ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ تاکہ ناظرین کو مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ کے زریں اصول پر قرآن شریف کی قدر و منزلت کا حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

(۱)۔۔۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاۗئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کی ہدایت کرتا ہے ظلم و ستم کرنے اور گناہ کے کاموں سے روکتا ہے۔ تو ابوجہل نے سن کر جس کی ساری عمر اسلام کی دشمنی اور رسول اللہ کے ساتھ مخاصمت میں گذر گئی۔ یہ کہا۔ اِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ لِیُعَلِّمُہٗ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ خدا کی قسم محمد کا رب اُس کو اخلاق کی باتیں سکھاتا ہے۔

(۲)۔۔۔ عمرو بن العاص مسلمان ہونے سے پہلے ایک وفد لے کر جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کے پاس یمامہ پہنچا۔

مسیلمہ نے عمرو سے پوچھا کہ آج کل محمد (صلعم) پر کونسی سورۃ نازل ہوئی ہے۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا کہ ایک مختصر مگر اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ سورت نازل ہوئی ہے۔ اور سورۃ والعصر پڑھ کر سنائی۔ مسیلمہ نے کچھ دیر سوچ کر کہا کہ مجھ پر اسی طرح کی سورت اُتری ہے۔ اور اُس نے یہ کہنا شروع کیا۔

یَا وِبْرُ یَا وِبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَائِرُکَ حَقْرٌ نَقْرٌ۔ اے پاخانہ اور گوبر کے کیڑے تیرے دو کان اور ایک سینہ ہے۔ اور تیرے چلنے کی جگہ نکمی اور ذلیل ہے۔

اس کو ختم کر کے عمرو سے کہنے لگا کہ یہ سورت تیرے خیال میں کیسی ہے۔ عمرو نے

جواب دیا کہ خُدا کی قسم ---- تجھ کو بھی اس بات کا یقین ہے۔ کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اور تیرے اُوپر خُدا کا کوئی کلام نازل نہیں ہوتا۔

(۳) ____ ولید بن مغیرہ ہمیشہ رسُول اللہ صلعم سے استہزار کرتا اور اُن کا مذاق اُڑایا کرتا تھا۔ چونکہ اعلیٰ درجہ کا فصیح اور بلیغ آدمی تھا اسلئے اہلِ مکّہ نے قرآن عزیز کے متعلق غور و خوض کرنے کے لئے اُس کو رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ اُس وقت رسُول اللہ صلعم حم السجدۃ یا سورۃ نجم تلاوت فرما رہے تھے۔ اُس کو غور سے سُنا اور اپنی قوم میں آکر یہ کہا۔ لقد سمعت من محمد انفاً کلاماً ما ھو من کلام الانس والجن فان لہ لحلاوۃ و ان اعلاہ لمثمر وان اخلہ لمغدق وانہ لیعلو ولا یعلی۔ میں نے محمد (صلعم) کی زبان (مُبارک) سے ایسا کلام سُنا ہے۔ جو کسی انسان یا جن کا کلام معلوم نہیں ہوتا۔ یہ نہائیت پُر رونق اور شیریں کلام ہے۔ یہ مثل اُس درخت کے ہے۔ جس کی شاخیں ثمردار اور تنے سرسبز ہوں۔ یہ کلام اُونچا ہو کر رہے گا۔ اُس کو نیچا نہیں دکھایا جا سکتا۔ اس بات پر اہلِ مکّہ میں مشہور ہو گیا۔ ---------- ابھی بات پر اہلِ مکّہ میں مشہور ہو گیا کہ ولید نے باپ دادے کا دین چھوڑ کر محمد (صلعم) کی غلامی اختیار کر لی۔

(۴) ____ عتبہ[1] بن ربیعہ جو ایک زبان دان اور شیریں کلام آدمی تھا۔ ایک روز اہلِ مکّہ نے اُس کو رسُول خُدا صلعم کی خدمت اقدس میں چار باتیں پیش کرنے کے لئے بھیجا۔

عتبہ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر آپ کو سرداری کی خواہش ہے تو بہت سا مال ہم آپ کے لئے جمع کر دیں گے۔ اگر عورتوں کی طرف رغبت ہے تو نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائیں گی۔ لیکن تم بتوں کی مذمت اور توحید کا وعظ کرنا چھوڑ دو۔ اگر دماغ صحیح نہیں رہا ہے۔ تو ہم اُس کا علاج کرائے دیتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی سی بات بھی نہیں ہے اور پھر سورۃ حم السجدۃ پڑھنی شروع

---

[1] روضۃ الصفاء و رحمۃ اللعالمین۔

کردی۔ عتبہ پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا۔ اور حیرت زدہ ہو کر چلا گیا۔ اور اپنی قوم میں آکر یہ کہا۔
وَاللّٰہِ مَا ھُوَ بِکَاھِنٍ وَلَا سَاحِرٍ وَلَا مَجْنُوْنٍ اِنَّمَا ھُوَ اَعْقَلُ النَّاسِ وَاتْرُکُوْہُ
عَلٰی حَالِہٖ اِنَّ لِکَلَامِہٖ شَانًا عَظِیْمًا۔ خدا کی قسم محمد (صلعم) نہ کاہن ہے۔ اور نہ
جادوگر اور نہ وہ شاعر ہے۔ اور نہ دیوانہ و مجنون۔ بلکہ وہ نہایت سمجھدار اور عقلمند آدمی ہے۔
لہٰذا اس کی حالت پر چھوڑ دو۔ اِس کے کلام کی شان نہائیت بلند اور اُونچی ہے۔

(۵)۔۔۔ آپ کے چچا ابوطالب جو آخر دم تک ایمان نہیں لائے۔ اور کفر پر مرے وہ اپنے ایک
قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وَدَعَوْتَنِیْ وَعَلِمْتُ اِنَّکَ نَاصِحِیْ وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَکُنْتَ فِیْہِ اَمِیْنًا
تو نے مجھے حق کی طرف بُلایا۔ حقیقت میں تو نے میری بڑی خیر خواہی کی اور جو کچھ تو نے کہا سچ
کہا۔ تو ہم میں امین تھا۔

اَظْھَرْتَ دِیْنًا قَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّہٗ مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا۔
تو نے ایک ایسا دین ظاہر کیا۔ جو دُنیا کے تمام دینوں میں بہتر دین ہے۔

لَوْلَا الْمَلَامَۃُ اَوْ حِذَارِیْ دِیْنَہٗ لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاکَ مُبِیْنًا۔
اگر مجھے ملامت کا ڈر نہ ہوتا۔ تو مجھے اس دین کے قبول کرنے میں سب سے پیش پیش پاتا۔[1]

(۶)۔۔۔ نجران سے آنے والا نصرانیوں کا وفد اور یہودیوں کی جماعت حضور کے مقابلہ میں مباہلہ
اور جھوٹوں پر بددعا کرنے کے واسطے تیار نہ ہوئی۔ مگر ذلت اور رُسوائی کو منظور کر لیا۔[2]
معلوم ہوا کہ قرآن عزیز میں جو اُن کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی۔ اُس کے بُرے نتیجے کا
اُن کو یقین ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ اس کو کلام الٰہی سمجھتے ہوئے اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار
نہ ہوئے۔

(۷)۔۔۔ جب[3] قرآن عزیز میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا یہ مضمون ہے کہ اگر یہودیوں میں
سے کوئی شخص بھی مسلمان نہ ہوا۔ تو سب کی صورتیں مسخ کر دی جائیں گی۔ اُسی وقت عبداللہ
بن سلام اور کعب الاحبار جو یہودی مذہب کے زبردست عالم تھے۔ فوراً مسلمان ہو گئے اور

---

[1] رحمۃ للعالمین [2] ابن کثیر [3] ابوالسعود ج ۳ ص ۱۱۶

یہ کہا کہ ہم اپنی صورتوں کو مسخ کرانا نہیں چاہتے۔ اگر ان کی نظر میں قرآن شریف خدا کا کلام ہوتا تو وہ اس بات کو ایک معمولی دھمکی سمجھ کر اس کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔

الحمد للہ رب العالمین ما کنتُ اھتدأ لہذا

إن ھو الافضل من الرحمٰن الرحیم۔

اللّھم اجعلنی تلاءً للقران وَبکاءً علیہ وتوفنی مسلماً والحقنی بالصالحین وَاجْعلہ لی اجرا وذخرا عندک یوم الدین وکفارۃ لذنوبی یا ارحم الراحمین ربِّ اجعل مقام ناصریہ فی جنّت النعیم وانجح حاجاتھم فی الدنیا والاخرہ۔

وَاعلم انی ما ذکرتُ الوقائع اللاتی راھا النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم وتتعلق بہ خاصۃ ولا ما یاتی مذیومی ہٰذا الی قیام الساعۃ اوبعدہ الی یوم الحساب والی ان یکون فریق فی الجنۃ وفریق فی السّعیر مع انھا صادقۃ تدل علی صدق القران الکریم لا ریب فیھا وانی لمن المصدّقین۔

اَللّھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

آپ کی دعاؤں کا محتاج

محمد مسلم عثمانی

غفراللہ لہ ولوالدیہ

شکریہ

میں ان مہربان اور مکرم دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی توجہ
سامی اور سرگرم کوششوں سے یہ کتاب معرض ظہور میں آئی۔ خصوصاً شیخ
محمد حسن صاحب سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ لائل پور (فیصل آباد) اور میاں محمد
فتح اللہ صاحب رئیس عبداللہ پور کی عنایات کا بے حد مشکور ہوں۔ خدا تعالے
ان کی دینی اور دنیوی حاجات پوری کرے اور اس سے زیادہ نیکی کا کام کرنے
کی توفیق عنایت فرمائے۔

مکرمی میاں برکت اللہ صاحب رئیس و میاں عبداللہ صاحب رئیس ان
مخلص بزرگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں حصہ
لیا ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے کرم فرما بزرگ ہیں جنہوں نے خلوص دل سے
اسمیں حصہ لیا ہے ہم سب کے لئے حق تعالیٰ کی درگاہ میں دست بدعا ہیں کہ وہ
اپنے خزانہ غیب سے ان کی امداد اور اعانت فرمائے میرا اور ان کا ایمان پر
خاتمہ کرے۔ آمین۔

مصرعہ در این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔
خاکسار محمد مسلم عثمانی۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں اور اخلاق و مکارم پر جامع اور تحقیقی کتاب

مُرتّبہ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے فاضل دیوبند
پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور